علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔
(طلبہ وطالبات سے گزارش ہے کہ اسائنمنٹس صفحات کو ضائع یا ردی میں مت بیچا کریں بلکہ ضروری ہو تو تلف کر دیا کریں یہ صفحات ان پڑھ لوگوں کے ہاتھ لگ جاتے ہیں جس میں آیات مبارکہ یا احادیث لکھی ہوتی ہیں جن کی بے حرمتی کے مرتکب آپ لوگ بھی ہوتے ہیں اس سے بچیں اللہ پاک میرا اور آپ سب کا حامی وناصر ہو)

حل شدہ امتحانی پرچہ (گیس پیپر) کورس کوڈ : 321

تاریخ مسلمانان برصغیر (لازمی) سطح : ایف اے / آئی کام

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 1 ۔(الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

1۔ قطب الدین ایبک کا تعلق کس ملک سے تھا؟
جواب۔ ترکستان۔

2۔ ہندوؤں میں کون سا نشہ رائج تھا جسے مسلمان درویشوں نے بھی اپنا لیا؟
جواب۔ بھنگ کا نشہ

3۔ سلاطین دہلی کے عہد میں امراء کے بعد سب سے اہم اور مؤثر طبقہ کون سا تھا؟
جواب۔ درمیانی طبقہ جو کہ اہل قلم اور ہنرمند افراد تھے۔

4۔ سلطان محمد تغلق نے نگرکوٹ کب فتح کیا؟
جواب۔ 1337ء میں۔

5۔ شیر شاہ سوری کی وفات کب ہوئی؟
جواب۔ 1545ء

6۔ سکھوں کا دسواں گرو کون تھا؟
جواب۔ گرو گوبند سنگھ

7۔ مغلوں نے مشینوں کو کیا اہمیت دی تھی؟
جواب۔ مغلوں نے مشینوں کو کھلونوں سے زیادہ اہمیت نہ دی۔

8۔ مغل دور حکومت میں زراعت کس نظام کے تحت ہوتی تھی؟
جواب۔ جاگیردارنہ نظام کے تحت۔

9۔ اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں مغلیہ سلطنت کے کتنے صوبے تھے؟
جواب۔ اکیس۔

10۔ مغل دور حکومت میں پرگنے کا افسر اعلیٰ کیا کہلاتا تھا؟
جواب۔ عامل۔

(ب) درج ذیل خالی جگہ مناسب الفاظ کی مدد سے پُر کریں۔

1۔ شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید تھا۔
(فرید اغوری/ دیوان)

2۔ شاہ جہاں 1627 میں تخت نشین ہوا۔
(1628/1627/1625)

3۔ بلخ کی مہم پر شہزادہ مراد 1627 میں گیا۔
(1646/1651/1655)

4۔ ہمایوں کی والدہ کا نام 1627 تھا۔
(ماہم سلطانہ/حمیدہ بیگم/لاڈلی بیگم)

5۔ جنگ کنواہہ 1527 میں لڑی گئی۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں
میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی حل شدہ اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں اور ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی اقرار، امتحانی پرچوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

(**1527**/1555/1551)

6۔ بابر کی ابتدائی تخت نشینی **1494** میں ہوئی۔

(**1494**+/1497/1498)

7۔ سیدی مولا کا قتل **جلال الدین بلخی** نے کروایا۔

(**بلبن محمد، تغلق جلال الدین بلخی**)

8۔ ملک کافور نے مہاراشٹر **1312** میں فتح کیا۔

(**1312**/1319/1324)

9۔ رضیہ سلطانہ **التمش** کی بیٹی تھی۔

(**التمش**/بلبن/ناصر الدین محمود)

10۔ سندھ میں مسلمانوں نے چمڑے کی صنعت قائم کی۔

(کپڑے چمڑے دھات)

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 2-(الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

1۔ قطب الدین ایبک کا تعلق کس ملک سے تھا؟

جواب۔ ترکستان۔

2۔ ہندوؤں میں کون سا نشہ رائج تھا جسے مسلمان درویشوں نے بھی اپنا لیا؟

جواب۔ بھنگ کا نشہ

3۔ سلاطین دہلی کے عہد میں امرا کے بعد سب سے اہم اور مؤثر طبقہ کون سا تھا؟

جواب۔ درمیانی طبقہ جو کہ اہل قلم اور ہنرمند افراد تھے۔

4۔ سلطان محمد تغلق نے نگرکوٹ کب فتح کیا؟

جواب۔ 1337ء میں۔

5۔ شیر شاہ سوری کی وفات کب ہوئی؟

جواب۔ 1545ء

6۔ سکھوں کا دسواں گرو کون تھا؟

جواب۔ گرو گوبند سنگھ

7۔ مغلوں نے مشینوں کو کیا اہمیت دی تھی؟

جواب۔ مغلوں نے مشینوں کو کھلونوں سے زیادہ اہمیت نہ دی۔

8۔ مغل دور حکومت میں زراعت کس نظام کے تحت ہوتی تھی؟

جواب۔ جاگیردارنہ نظام کے تحت۔

9۔ اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں مغلیہ سلطنت کے کتنے صوبے تھے؟

جواب۔ اکیس۔

10۔ مغل دور حکومت میں پرگنے کا افسر اعلیٰ کیا کہلاتا تھا؟

جواب۔ عامل۔

(ب) درج ذیل خالی جگہ مناسب الفاظ کی مدد سے پُر کریں۔

1۔ شیر شاہ سوری کا اصل نام **فرید** تھا۔

(فرید اغوری/دیوان)

2۔ شاہ جہاں **1627**. میں تخت نشین ہوا۔

(1628/**1627**/1625)

3۔ بلیغ کی مہم پر شہزادہ مراد **1627** میں گیا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس، گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

(1655/1651/**1646**)

4۔ ہمایوں کی والدہ کا نام **1627** تھا۔

(ماہم سلطانہ/حمیدہ بیگم/لاڈلی بیگم)

5۔ جنگ کنواہہ **1527** میں لڑی گئی۔

(**1527**/1555/1551)

6۔ بابر کی ابتدائی تخت نشینی **1494** میں ہوئی۔

(1498/1497/**1494**+)

7۔ سیدی مولا کا قتل **جلال الدین بلجی** نے کروایا۔

(**بلبن محمد، تغلق جلال الدین بلجی**)

8۔ ملک کافور نے مہاراشٹر **1312** میں فتح کیا۔

(1324/1319/**1312**)

9۔ رضیہ سلطانہ **التمش** کی بیٹی تھی۔

(**التمش**/بلبن/ناصر الدین محمود)

10۔ سندھ میں مسلمانوں نے **چمڑے** کی صنعت قائم کی۔

(کپڑے **چمڑے** دھات)

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر2۔ (الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ اُچ شریف کو سب سے پہلے کس مسلمان حکمران نے فتح کیا؟

جواب۔ محمد بن قاسم

2۔ حضرت سید جلال بخاری کس کے مرید تھے؟

جواب۔ حضرت بہاء الدین زکریا۔

3۔ عرب سیاح مقدسی نے کس مصنف کا ذکر کیا ہے؟

جواب۔ قاضی سیاح ابو محمد منصوری کا ذکر ہے۔

4۔ اسلام کی آمد سے قبل سندھ کتنے صوبوں میں تقسیم تھا؟

جواب۔ چار

5۔ صوفیائے ملتان' میں اولین تذکرہ کس صوفی بزرگ کا ملتا ہے؟

جواب۔ یوسف گردیزی

6۔ ہجویری سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ اس سے مراد ہجویر شریف کا رہنے والا۔ داتا گنج بخش ہجویر شریف کے رہنے والے تھے۔

7۔ کس سلطان نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا؟

جواب۔ مبارک خلجی

8۔ سلطان التمش کب سلطان بنا؟

جواب۔ 1210ء

9۔ 1258ء میں کس تاتاری حکمران نے بغداد پر حملہ کیا تھا؟

جواب۔ ہلاکو خان

10۔ منگول حکمران تمر خان کو شہزادہ محمد نے کب شکست دی؟

جواب۔ 1285ء

سوال نمبر1۔ (الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ قطب الدین ایبک نے گوالیار کے راجا کو کب شکست سے دوچار کیا؟

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس، گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

جواب 1196ء

2۔ ناصر الدین قباچہ کس شہر کا گورنر تھا؟

جواب۔ ملتان

3۔ رضیہ سلطانہ کتنے عرصے تک سلطان رہی؟

جواب۔ ساڑھے تین سال تک۔

4۔ سلطان بلبن کی وفات کب ہوئیں؟

جواب۔ 1226ء

5۔ سیدی مولا کا قتل کس سلطان نے کروایا تھا؟

جواب۔ سلطان جلال الدین خلجی۔

6۔ کس سلطان نے نیا مذہب بنانے کا ارادہ کیا تھا؟

جواب۔ سلطان علاؤالدین خلجی۔

7۔ وارنگل کس نے اور کب فتح کیا؟

جواب۔ ملک کافور نے 1309ء میں۔

8۔ سلطان محمد تغلق نے نگرکوٹ کب فتح کیا؟

جواب۔ 1337ء میں۔

9۔ سکندر لودھی کون تھا؟

جواب۔ سکندر لودھی خاندان لودھی کا ایک بہادر، ایماندار اور راست باز حکمران تھا۔

10۔ امیر تیمور نے ہندوستان پر کب حملہ کیا؟

سوال نمبر3۔ (الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس کب ہوا؟

جواب۔ 27 دسمبر 1886ء

2۔ 1895 سرسید کے دور میں دہلی میں قائم ہونے والے شعبہ اردو کے پہلے سیکرٹری کون تھے؟

3۔ دارالعوم علی گڑھ کا امتیازی نشان کیا تھا؟

جواب: کھجور، ہلال اور تاج برطانیہ کا نقش۔

4۔ رسالہ تہذیب الاخلاق کب جاری کیا گیا؟

جواب۔ 24 دسمبر 1870ء میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری ہوا۔

5۔ 1880 میں لیفٹننٹ گورنر بنگال کون تھا؟

جواب نواب منصور علی خان۔

6۔ راجا رام موہن رائے کون تھا؟

7۔ سرسید کے والد کا انتقال کب ہوا؟

جواب: 1836ء میں۔

8۔ بابائے اردو کسے کہا جاتا ہے؟

جواب۔ مولوی عبدالحق

9۔ انڈین نیشنل کانگریس کب بنی؟

10۔ انجمن جماعت اسلام کی بنیاد کب رکھی گئی؟

(ب) درج ذیل سوالات کے تفصیلاً جواب تحریر کریں۔

سوال نمبر4۔ (الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ مسجد قوت الاسلام کس نے تعمیر کروائی؟

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یا ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

جواب۔ سلطان قطب الدین ایبک نے۔

2۔ کس سلطان کا انتقال گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے ہوا؟

جواب۔ سلطان قطب الدین ایبک کا۔

3۔ سلطان التمش سے خیوا کے کس حکمران نے پناہ کی درخواست کی تھی؟

جواب۔ جلال الدین اکبر نے۔

4۔ ملک التونیہ نے کس سلطان کے خلاف بغاوت کی تھی؟

جواب۔ رضیہ سلطانہ کے خلاف۔

5۔ کون سا حکمران قرآن پاک کا نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بیچا کرتا تھا؟

جواب۔ سلطان ناصر محمود۔

6۔ الغ خان کس سلطان کا خطاب تھا؟

جواب۔ غیاث الدین بلبن کا۔

7۔ بلبن کا نظریہ حکومت کیا تھا؟

کاشان اکیڈمی

سوال نمبر5۔ (الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے وقت بلوچستان میں کون سی برادریاں تھیں؟

0334-5504551

جواب۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے وقت بلوچستان میں بلوچی، لاشاری اور ندبر برادریاں آباد تھیں۔

2۔ ہندو معاشرے میں عورت کا کیا مقام تھا؟

Download Free Assignments from

جواب۔ ہندو معاشرے میں عورت کم تر اور ذلیل ترین مخلوق تھی ۔ہندو دھرم بچپن میں لڑکی کو باپ کی فرمانبردار ہونا چاہیے۔جوانی میں شوہر کی خدمت کرنی چاہیے۔شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو ستی قرار دیا جاتا تھا جس کی معاشرے میں کوئی حیثیت اور وقار نہیں تھا۔

Solvedassignmentsaiou.com

3۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق برہما کے پاؤں سے کون سی ذات پیدا ہوتی ہے؟

جواب۔ ہندوؤں کیک عقیدے کے مطابق برہما کے پاؤں سے شودر ذات پیدا ہوتی ہے۔

4۔ حضرت عمرؓ نے بحرین میں کس کو حاکم مقرر کیا تھا؟

جواب۔ حضرت عمرؓ نے بحرین میں حضرت عثمان بن العاص کو حاکم مقرر کیا تھا۔

5۔ حجاب ن یوسف نے 710 میں کس کو سندھ پر پہلا حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟

جواب۔ حجاج بن یوسف نے 710 میں عبداللہ بن نبہان کو سندھ پر پہلا حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

6۔ راجا داہر کے بھائی کا کیا نام تھا؟

جواب۔ راجا داہر کے بھائی کا نام چندر سین تھا۔

7۔ حارث بن مرہ نے ضلع کچھی کو کب فتح کیا تھا؟

جواب۔ 1875ء

8۔ محمد بن قاسم کس راستے سے سندھ پہنچے؟

جواب۔ محمد بن قاسم پنجگور رہوتا ہوا دیبل پہنچا تھا۔

9۔ محمد بن قاسم کے پس سندھ پر حملہ کرتے وقت کتنا جنگی ساز و سامان موجود تھا؟

جواب۔ چھ ہزار گھوڑ سوار واور چھ ہزار شتر سوار۔

10۔ دو کوہانوں والے اونٹ کو کیا کہتے ہیں؟

جواب۔ دو کوہانوں والے اونٹ کو بیکٹر ین کہتے ہیں۔

سوال نمبر1۔ (الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ مسجد قوت الاسلام کس نے تعمیر کروائی؟

جواب۔ سلطان قطب الدین ایبک نے۔

2۔ کس سلطان کا انتقال گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے ہوا؟

میٹرک ،الف اے سے آئی کام ،بی اے سے بی کام ،بی ایڈ،بی ایس ،ایم اے ،ایم ایڈ،ایم ایس سی کی پی ایچ ڈی الف اساتذہ کی ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے بی ایس ،ایم اے ،ایم ایس سی ،ایم فل تک تمام کلاسز میں داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

جواب۔ سلطان قطب الدین ایبک کا۔

3۔ سلطان التمش سے خیوا کے کس حکمران نے پناہ کی درخواست کی تھی؟

جواب۔ جلال الدین اکبر نے۔

4۔ ملک التونیہ نے کس سلطان کے خلاف بغاوت کی تھی؟

جواب۔ رضیہ سلطانہ کے خلاف۔

5۔ کون سا حکمران قرآن پاک کا نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بیچا کرتا تھا؟

جواب۔ سلطان ناصر محمود۔

6۔ الغ خان کس سلطان کا خطاب تھا؟

جواب۔ غیاث الدین بلبن کا۔

7۔ بلبن کا نظریہ حکومت کیا تھا؟

جواب۔ بلبن کا دور حکومت اور نظریہ حکومت عادلانہ تھی۔ سلطنا طاقت کا محور ہوا کرتا تھا لوگوں کے ساتھ نرمی اور اچھے اخلاق سے پیش آنے کو فوقیت دی جاتی تھی انصاف پسندی اور رواداری کا پرچار کیا جاتا تھا۔ سلطان کے وقار اور جاہ وجلال کا خاص خیال رکھا جاتا تھا سونے چاندی کے ماحول کو تقویت دی جاتی تھی۔ اس کی حکومت ایک فوجی مطلق العنانی تھی۔ سلطان ہر طاقت کا سر چشمہ تھا۔ ہر پیچیدہ معاملے کے فیصلے کے لئے سلطان کے احکام کی ضرورت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ شہزادے اور صوبائی گورنر بھی کوئی امتیازی اختیارات نہیں رکھتے تھے۔ ان کا کام صرف تعمیل حکم تھا نہ کہ احکامات جاری کرنا۔ سلطان کا دربار شان وشوکت کی زندہ تصویر تھی۔ بلبن نے وقار شاہی اور آداب شاہی کا خاص خیال رکھا۔ اس کے دربار میں زریفت کے پردوں، منقش فرشوں اور چاندی سونے کے برتنوں نے شان وشوکت کا عجیب ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ دربار کے نقیبوں کی آواز دو دو میل تک سنائی دیتی تھی۔ اور لوگوں کے دل سہم جاتے تھے۔ کہ کبھی شاہی نکلتا تھا تو سو سو میل سے لوگ دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ قدم قدم پر صدائے بسم اللہ اس زور سے بلند ہوتی تھی کہ ساری فضاء گونج اٹھتی تھی۔ بلبن نے نائب السلطنت ہونے کے زمانے میں اور نہ ہی بادشاہی کے زمانے میں کبھی کسی کم مرتبہ یا کم حیثیت والے فرد سے بات کی تھی۔ بلبن کو بتایا گیا کہ اس کے یہ افعال غیر شرعی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ نمود ونمائش ضروری ہے ورنہ سلطان کا رُعب لوگوں پر نہیں بیٹھتا اور پھر بغاوت کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ احساس بادشاہی اسے اتنا زیادہ تھا کہ وہ اپنے ادنیٰ ترین ملازم کے سامنے بھی پورے شاہی لباس کے بغیر سامنے نہیں آتا تھا۔ وہ مظلوموں اور عاجزوں کے ساتھ ماں باپ کا سا مشفقانہ سلوک کرتا تھا۔ اس کی انصاف پروری نے غریبوں کے دلوں میں اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ اسی عدل گستری اور رعیت پروری نے اسے قبول عام بنا دیا تھا۔ ایک اچھا مسلمان ہونے کے باوجود اس کا یہ اصول تھا کہ جب تک شرعی اصول ملکی ضروریات سے نہیں ٹکراتے وہ ان کا پورا احترام کرتا تھا لیکن جہاں صورت حال مختلف ہوتے تھی وہاں اس کا عمل بھی مختلف ہوتا ہے۔

8۔ خاندان غلاماں کا اصل حکمران کس کو کہا جاتا ہے؟

جواب۔ سلطان شمس الدین التمش۔

9۔ بلبن کی وفات کب ہوئی؟

جواب۔ 1286ء میں

10۔ سلطنت دہلی کا تخت سنبھالتے وقت جلال الدین خلجی کی عمر کیا تھی؟

سوال نمبر 1-(الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ طغرل بیگ **غیاث الدین بلبن** کا غلام تھا۔

2۔ راجہ داہر کے پاس اہم مسلمان باغی **راشد بن عمرو** تھا۔

3۔ برصغیر میں اسلامی تہذیب کا پہلا مرکز **مالابار** تھا

4۔ مسعود سعد سلیمان کے کل دیوان تھے۔

5۔ تیمور نے **ابراھیم لودھی** کے زمانے میں کشمیر پر حملہ کیا۔

6۔ ملتان میں لنگا ہو کا اقتدار میں ختم ہوا۔

7۔ عہد سلاطین میں سلطان کے ذاتی عملے کا سربراہ **وکیل ور** کہلاتا تھا۔

8۔ عشر پیداوار کا **دسواں** حصہ ہوتا ہے۔

9۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے مشہور مرید کا نام تھا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک ایف اے آئی کام بی اے بی کام ، بی ایڈ، بی ایس ایم اے ایم ایڈ ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبرز پر رابطہ کریں

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

میٹرک ایف اے آئی کام بی اے بی کام بی ایڈ بی ایس ایم اے ایم ایڈ ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

سوال نمبر 6-(الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کس لارڈ کے عہد میں اسیران سندھ سے معاہدہ کیا؟

جواب۔ 1832ء میں۔

2۔ فتح پور سیکری کس پتھر سے بنایا گیا تھا؟

جواب۔ سرخ رنگ کے پتھر سے۔

3۔ شریعت کی بالادستی کی تحریک میں پنجاب کی کسی بزرگ ہستی کا نام نمایاں ہے؟

جواب۔ عبدالحکیم سیالکوٹی۔

4۔ شاہ اسماعیل کی سب سے اہم کتاب کون سی ہے؟

جواب۔ صراط مستقیم۔

5۔ قادریہ سلسلہ کس بزرگ سے منسوب ہے؟

جواب۔ شیخ عبدالقادر جیلانی۔

6۔ سید برادران نے کس مغل بادشاہ کے عہد میں باشاہ گری کے فن دکھائے؟

جواب۔ جہاندار شاہ۔

7۔ سید احمد خان کو سر کا خطاب کب ملا؟

جواب۔ جواب۔ 1888ء

8۔ شاہ ولی اللہ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

جواب۔ 21 فروری 1703ء

9۔ حاجی شریعت اللہ کتنا عرصہ مکہ میں مقیم رہے؟

جواب۔ بیس برس۔

10۔ معرکہ بالاکوٹ کب ہوا؟

جواب۔ 6 مئی 1831ء کو۔

(ب) درج ذیل خالی جگہ مناسب الفاظ کی مدد سے پُر کریں۔

1۔ حاجی شریعت اللہ کے بیٹے کا نام **داؤدمیاں** تھا۔

2۔ تیتو میر 1831ء میں شہید ہوئے۔

3۔ پانی پت کی لڑائی **1761** میں لڑی گئی۔

4۔ عربوں کا پہلا خط **کوفی** تھا۔

5۔ عالمگیری عہد کی زیادہ تر عمارتیں صوبہ **بنگال** میں ہیں۔

6۔ تذکرہ خوش نویس کے مصنف کا نام **ابوالفضل** ہے.

7۔ رام اور رحیم کے ایک ہونے کے تصور کی نفی **مجدد الف ثانی** نے کی۔

8۔ جنوبی ایشیا میں اسلامی حکومت کی بنیاد **قطب الدین ایبک** نے کی۔

9۔ اردو کے پہلے ناول نگار **ڈپٹی نذیر احمد** تھے۔

10۔ مہدوی تحریک کے بانی **سید محمد جون پوری** تھے۔

سوال نمبر 7-(الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

1۔ طغرل بیگ **غیاث الدین بلبن** کا غلام تھا۔

2۔ راجہ داہر کے پاس اہم مسلمان باغی **راشد بن عمرو** تھا۔

3۔ برصغیر میں اسلامی تہذیب کا پہلا مرکز **مالابار** تھا

4۔ مسعود سعد سلیمان کے کل دیوان تھے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

5۔ تیمور نے **ابراھیم لودھی** کے زمانے میں کشمیر پر حملہ کیا۔
6۔ ملتان میں لنگا ہو کا اقتدار میں ختم ہوا۔
7۔ عہد سلاطین میں سلطان کے ذاتی عملے کا سربراہ **وکیل ور** کہلاتا تھا۔
8۔ عشر پیداوار کا **دسواں** حصہ ہوتا ہے۔
9۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے مشہور مرید کا نام تھا۔
10۔ سلطان بلبن کا انتقال **1286ء** میں ہوا۔

سوال نمبر 8۔ دہلی سلطنت کے فوجی اور مالی نظام کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کے مثبت اور منفی پہلوؤں کی نشاندہی کریں۔

جواب۔

سلطنت دہلی کا قیام۔ سلطان محمد غوری نے 1206ء میں گھکھڑوں کے ہاتھوں سوہاوہ کے قریب دیمک کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو اس کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمود غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کا خود مختار حکمران تسلیم کر لیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی جو بابر کے حملے (1526ء) تک قائم رہی۔ سلاطین دہلی خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کر کے نظام حکومت چلاتے رہے۔ سلطان شمس الدین التمش، سلطان محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے قانونی جواز کے لئے عباسی خلفاء سے باقاعدہ منشور حکومت حاصل کئے۔ باقی سلطان خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اور خطبات جمعہ وعیدین میں عباسی خلیفہ کا نام لے کر اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔ سلاطین دہلی کے سکوں پر ایک طرف سلطان کا نام اور دوسرے طرف عباسی خلیفہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔ اس طرح انہوں نے اپنی حکومت کا قانونی جواز تلاش کر لیا تھا۔

سلطان۔ سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا۔ حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا۔ قانونی اور اصولی طور پر سلطان خلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔ جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خود مختار، مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔ وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔ وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔ سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدہ داروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔ یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کر لیتا تھا۔ لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔

سلاطین کو عدل وانصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ سلطنت کے اہم شہروں اور قصبوں میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی موجود رہتے تھے۔ کبھی کبھی سلطان خود بھی مقدمے سن لیتا تھا۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ محمد بن تغلق خود کو سلطان عدل کہلانا پسند کرتا تھا۔ شیر شاہ سوری کو بھی اس کے ہم عصروں نے سلطان عادل کا خطاب دیا تھا۔ قومی نوعیت کے اہم مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے سلطان علماء اور مشائخ کا محضر طلب کر لیتا تھا۔ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف علماء کی شکایت پر محضر طلب کئے تھے۔

نائب المملکت۔ سلطان کے بعد نائب المملکت یا نائب الممالک کا عہدہ سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس عہدے پر فائز سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا اور اس کا منصب وزیر سے بڑا ہوتا تھا۔ یہ عہدہ مستقل نہ تھا۔ اس لئے بعض سلاطین کے عہد میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے زمانے میں نائب المملکت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن سلطان کی دارالحکومت سے غیر موجودگی کے زمانے میں وہ اس کے نائب کی حیثیت سے تمام اختیارات استعمال کرتا تھا۔

کمزور سلاطین کے عہد میں سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے باعث نائب المملکت بڑا صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا اور سلاطین ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہتے تھے۔ محمد بن تغلق جب گجرات سے باغی گورنر طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گجرات کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ جہاں کو نائب المملکت بنا گیا۔ محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اس نے ایک مجہول النسب لڑکے کو سلطان کا فرزند ظاہر کر کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ سلطان فیروز تغلق جب بھی دہلی سے باہر جاتا تو اپنے وزیر خواجہ جہاں کو اپنا نائب بنا جاتا تھا۔

سوال نمبر 9۔ سلاطین دہلی کی سیاسی تاریخ کا مفصل جائزہ لیں۔

جواب۔

سلاطین دہلی کے سیاسی امور وزیر سے شروع ہوتے تھے وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ وہ حکمران کی بہت سے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر اسے سبکدوش کر دیتا ہے اس لئے اسے وزیر کہا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کے ہاں منصب وزارت میں بڑی اہمیت تھی۔ بیشتر سلاطین اپنا وقت فتوحات، سیر وشکار اور مجالس عیش وطرب میں گزارتے تھے۔ اس لئے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری وزیر پر آتی تھی۔ وزیر کے فرائض میں سلطان کو اہم امور میں مشورہ دینا، محکمہ مال کی نگرانی کرنا، خزانے کا حساب کتاب رکھنا، عمال کا تقرر اور معطّلی، خراج، لگان اور دوسرے

واجبات کی وصولی۔ سلطنت کی فلاح وبہبود کا خیال رکھنا، عوام کو ہر حال میں مطمئن رکھنا، مہمات کی نگرانی کرنا، سلطان کی ضروریات اور آرائش کا خیال رکھنا، شاہی اصطبل کی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، ایف اے اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

کاشان اکیڈمی 0334-5504551
Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

نگہداشت، فوجیوں کی بھرتی اور تربیت، یتیموں اور بیوہ عورتوں کی سرپرستی، علماء ومشائخ کی خدمت، ترویج علم کے لئے کوشش کرنا اور روزمرہ کا کام چلانا تھا۔ بالفاظ دیگر حکومت کا کوئی شعبہ اس کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

دیوانِ عرض۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں محکمہ دفاع ''دیوان عرض'' کہلاتا تھا اور اس کے سربراہ کو ''عارض ممالک'' کہتے تھے۔اس کے فرائض میں فوج کی بھرتی اور تربیت، فوجیوں کی تنخواہوں کی ادائیگی، اسلحہ کی فراہمی، فوج کے لئے رسد کا اہتمام، گھوڑوں کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال، باربرداری کے لئے جانوروں کی فراہمی اور اپنے محکمہ سے متعلقہ ریکارڈ کی تیاری شامل تھے۔عارض ممالک سال میں کم از کم ایک بار فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کا معائنہ کرتا تھا۔دیوان عرض کے محکمے میں تمام فوجیوں اور جانوروں کا حلیہ اور شناختی نشانوں کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔

دیوان رسالت۔ دیوان رسالت امور خارجہ کا محکمہ تھا۔اس محکمے کو ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں سے خط وکتابت کرنا پڑتی تھی، اس لئے اس کا نام دیوان رسالت پڑ گیا۔ سلاطین دہلی دربار خلافت کے ساتھ باقاعدہ تعلقات رکھتے تھے۔سفیروں اور تحائف کے تبادلے کے علاوہ خط بھی آتے جاتے رہتے تھے۔جب سلطان کسی دشمن پر فتح پاتا یا کوئی اہم علاقہ فتح کرتا تو اپنے اس کارنامے کا ذکر فخریہ انداز میں ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کو لکھ کر بھیجتا تھا۔غیر ممالک سے جو سفیر آیا کرتے تھے، ان کی دیکھ بھال اور آؤ بھگت بھی اسی محکمہ کے ذمہ داری تھی۔

صدور الصدور۔ مذہبی امور اوقاف صدر الصدور کی نگرانی میں تھے۔سلطان کسی معروف عالم کو اس منصب پر فائز کرتا تھا۔اس کے ذمہ اوقاف کی دیکھ بھال، دینی مدارس کی سرپرستی، علوم دینیہ کی اشاعت، مساجد کی تعمیر اور خطیبوں اور موذنوں کا تقرر، علماء مشائخ، سادات، یتامی اور بیوگان کی مالی امداد، غربا اور مساکین کی دیکھ بھال اور خانقاہوں کی امداد شامل تھے۔یہ منصب بڑا اہم اور تقدس کا حامل تھا۔

دیوان قضاء۔ محکمہ عدل وانصاف دیوان قضا کہلاتا تھا۔اس محکمہ کا سربراہ قاضی القضاۃ یا قاضی الممالک کہلاتا تھا۔اس کے ماتحت صوبوں میں قاضی ہوتے تھے۔ قاضی کے فرائض میں مقدمات کا فیصلہ کرنا، حدود کا نفاذ، حلف لینا، گواہی قبول کرنا (جیسے رویت ہلال کے بارے میں)، ترویج یتامیٰ، اوقات کی نگرانی، خطباء وآئمہ کی دیکھ بھال، متوفی کی وصیت پر عمل درآمد، لاوارث جائیداد کی نگہداشت، گمشدہ اموال اور امانتوں کی خبرگیری اور سرکاری عمال کے بارے میں شکایات سننا شامل تھے۔عہد سلاطین میں قاضی مغیث الدین جیسے کئی نامور قاضی ہوگزرے ہیں۔جو کلمہ حق کہنے سے باز نہیں آتے تھے۔

دیوان انشاء۔ یہ محکمہ شاہی خط وکتابت کا ذمہ دار تھا۔موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے سیکریٹریٹ کہنا چاہیئے۔اس محکمہ کا نگران ''دبیر خاص'' کہلاتا تھا اور اس کے ماتحت بہت سے کاتب ہوا کرتے تھے۔یہ محکمہ اعلیٰ افسروں کے نام فرامین جاری کرتا تھا۔سلاطین کی صوبائی گورنروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ خط وکتابت بھی اسی محکمہ کے توسط سے ہوا کرتی تھی۔عہدہ داروں کے تقرر اور موقوفی کا ریکارڈ بھی یہیں رہتا تھا۔سلطان دبیر خاص کو خط کا مفہوم بتا دیتا اور وہ اپنے فصیح وبلیغ الفاظ کا جامعہ پہنا دیتا۔

دیوانِ برید:۔ اس محکمہ کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کو ملک کے ہر حصے سے کسی بھی قسم کی خبر فوراً پہنچائی جائے اس محکمے کے سربراہ کو برید الممالک کہا جاتا تھا۔یہ ایک طرح کیسر اغرا ساں ایجنسی تھی۔سلاطین کے دور میں مواصلات کا نظام کم تھا۔اسلئے جاسوس چھوڑ دیئے جاتے تھے تاکہ مقامی عہدیداروں کی ''ناجائز وجائز'' سرگرمیوں کا علم ہو سکے۔

کوتوال۔ شہر میں پولیس کا اعلیٰ افسر کوتوال کہلاتا تھا۔شہر میں امن وامان کا قیام اس کے فرائض میں شامل تھا۔وہ چوروں، ڈاکوؤں، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد پر کڑی نظر رکھتا تھا۔بسا اوقات وہ رات کے وقت شہر میں گشت کیا کرتا تھا۔محتسب کی طرح وہ بھی برائی کے اڈوں کو ختم کرنے کا ذمہ دار تھا۔شہر کے دروازوں کو نماز مغرب کے بعد بند کروانا اور فجر کے وقت کھلوانا اس کی ذمہ داری تھی۔

وکیل در۔ سلطان کے ذاتی عملے کا سربارہ وکیل ور کہلاتا تھا۔شاہ محلات کے ملازمین، چوبدار، نقیب، سلطان کے ذاتی غلام، محلات کے حفاظتی دستے اور اہل کار اس کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ان کی تنخواہ بھی اسی کے توسط سے تقسیم ہوتی تھی۔وہ شاہی مطبخ، آبدار خانہ، فیل خانہ اور اصطبل کا بھی نگران ہوتا تھا۔شاہی بیگمات کی ضروریات کا خیال رکھنا اور شہزادوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

امیر حاجب۔ وکیل در کے بعد اہمیت کے اعتبار سے امیر حاجب کا عہدہ تھا۔عباسی حکومت میں اس عہدے کا پتہ چلتا تھا۔وہیں سے دہلی کی سلطنت میں اس کا رواج پڑا۔سلطان عموماً محلات کے اندر رہتا تھا اور عوام وخواص کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھتا تھا۔بڑے بڑے افسر بھی سلطان سے ملنے کے لئے کئی روز اس کا انتظار کیا کرتے تھے۔یہ امیر حاجب کی ذمہ داری تھی کہ وہ سرکاری افسروں اور ضرورت مندوں کو سلطان کے حضور پیش کرے اور ان کا تعارف کرائے۔فریادی بھی اسی کے توسط سے اپنی عرضداشتیں سلطان کے ضور میں پیش کیا کرتے تھے۔

نقیب۔ جب سلطان اپنے محل سے باہر آتا تو نقیب اس کی آمد کا اعلان کرتا، وہ شاہی جلوس کے آگے آگے چلتا اور لوگوں کو باادب رہنے کی تلقین کرتا۔گویا معمولی سا عہدہ تھا لیکن سلطان کے قریب کی وجہ سے بڑا معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا۔نقیب کے سر پر مور کے پروں والا طلائی مکٹ اور ہاتھ میں سونے کا گرز ہوا کرتا تھا۔نقیبوں کا افسر اعلیٰ، نقیب النقبا کہلاتا تھا۔

جاندار۔ سلطان کے ذاتی محافظ جاندار کہلاتے تھے۔ان کے افسر اعلیٰ کو سر جاندار کہتے تھے۔اس دستے میں بڑے صحت مند، بلند قامت، وجیہہ اور بہادر جوان بھرتی کئے جاتے تھے۔سلطان غیاث الدین بلبن نے سیستان سے دیو قامت جوان بلا کر اس دستے میں بھرتی کئے تھے۔ضیاء الدین برنی کی روایت ہے کہ ان کے جاہ وجلال کو دیکھ کر

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم اے، ایم ایس سی کی حل شدہ اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یا ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

کمزور دل انسان بیہوش ہوجایا کرتے تھے۔

سوال نمبر 10۔ برصغیر پر اسلام کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

جواب:

سراندیپ کے راجا نے حج بیت اللہ کیلئے مسلمانوں کو بحری جہازوں پر سوار کرا کے عراق روانہ کیا تھا۔ابھی یہ جہاز بحیرۂ عمان میں داخل ہوئے تھے کہ ہوا نے اُنہیں مکران کے ساحل کی طرف دھکیل دیا اور یہ دیبل کی بندرگاہ کے قریب پہنچ گئے۔سندھ کے ''مید'' قوم کے قزاقوں نے اُنہیں لوٹ لیا اور تمام لوگوں کو قیدی بنا لیا۔اُن میں سے ایک شخص کسی طرح بچ نکلا اور اُس نے حجاج بن یوسف کے پاس پہنچ کر بتایا کہ قیدیوں میں سے قبیلہ یزبوع کی ایک عورت نے اُسے مدد کیلئے آواز دی ہے۔اُس کے الفاظ تھے یا حجاج اغثنی (اے حجاج مدد کر) جب یہ خبر حجاج تک پہنچی تو حجاج نے فوراً کہا لبیک (حاضر ہوں)۔حجاج بن یوسف نے راجا داہر کو خط لکھ کر قیدیوں کی رہائی اور میدیوں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا لیکن متکبر راجہ نے جواب دیا۔''اُنہیں قزاقوں نے پکڑا ہے، میں کیا کرسکتا ہوں''۔اس متکبرانہ جواب سے سندھ پر حملے کا جواز پیدا ہوگیا تھا مگر خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان نے اس کی اجازت نہ دی تھی۔اب زمانہ اُس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کا تھا۔اُس نے اجازت دے دی تو عبداللہ بن نبہان، بدیل اور محمد بن قاسم کو یکے بعد دیگرے سندھ پر حملے کیلئے بھیجا گیا۔محمد بن قاسم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سترہ برس کا نوجوان تھا۔اُس کے پاس چھ ہزار گھڑ سوار، چھ ہزار شتر سوار، تین ہزار دیگر جانور، منجنیقیں اور ضروری اسلحہ تھا۔یہ ایک منظّم لشکر تھا۔ڈاک کا بھی عمدہ نظام تھا کہ ایک ہفتے کے اندر محمد بن قاسم کو اپنے خط کا جواب کوفہ سے مل جاتا تھا۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر پہلا حملہ دیبل کی بندرگاہ پر کیا۔یہاں اُس نے لنکا کے جہاز سے گرفتار کئے جانے والے مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔اس قید خانے کا نگران ایک شخص قبلہ نامی تھا۔محمد بن قاسم اُس کے ساتھ اس قدر حسن سلوک سے پیش آیا کہ وہ مسلمان ہوگیا۔چنانچہ اسی کو دیبل کا نگران بنایا گیا۔یہاں ایک مسجد کی تعمیر بھی کی گئی اور چار ہزار مسلمانوں کو آباد کیا گیا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے جو اثرات ونتائج: برصغیر میں اسلامی تعلیم وتبلیغ کا پہلا مرکز مالا بار تھا۔وہاں کے راجہ نے حضور اکرم ﷺ کے زمانے ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔اسی طرح جزائر سراندیپ میں عرب تاجروں کی آمدورفت سے اسلام کی روشنی پھیلی اور وہاں کا راجہ بھی مشرف بہ اسلام ہوا۔چنانچہ اس طرح رفتہ رفتہ برصغیر کے دوسرے حصوں میں بھی اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور مسلم معاشرہ تشکیل پاتا چلا گیا لیکن یہاں یہ بات ضرور ذہن میں تازہ کر لینی چاہیے کہ مسلم معاشرے سے قبل ہندوؤں کا رہن سہن کیسا تھا۔اور ان کے معاشرتی احوال کیسے تھے۔اس کیلئے یہ نکات پیش نظر رہنے چاہئیں:

برصغیر میں ہندوؤں کا معاشرہ ذات پات کی تفریق کی وجہ سے مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔برہمن سب سے اونچی ذات سمجھی جاتی تھی۔تعلیم حاصل کرنا، خصوصاً مذہبی تعلیم کا حصول صرف برہمنوں سے مخصوص تھا۔برہمن سب سے اونچی ذات سمجھے جاتے تھے۔اُنہیں ویدوں کے کلمات سننے کی اجازت نہ تھی۔معاشرہ اخلاقی طور پر بہت ساری کمزوریوں اور خرابیوں کا شکار تھا۔سود خوری، منافع خوری، جوا بازی اور ستی کا رواج تھا۔بت پرستی عام تھی۔عورت کو معاشرے میں عزت کا کوئی مقام حاصل نہ تھا۔چنانچہ اس قسم کے معاشرے میں پاکیزہ زندگی کا کوئی تصور نہ تھا۔زندگی میں پاکیزگی، توازن اور مساوات وانصاف کی اقدار کیلئے ابھی مسلم معاشرے کے قیام کا انتظار تھا۔

1۔ ثقافتی اثرات: مسلمانوں کی آمد سے خصوصاً محمود غزنوی کے حملوں کے بعد برصغیر میں اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بڑی مدد ملی۔لباس، خوراک اور رہن سہن میں تبدیلی آئی۔اسی طرح علم وادب کو فروغ حاصل ہوا، فن تعمیر اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترقی وترویج کے سلسلے میں نہایت مثبت نتائج مرتب ہوئے۔ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبانوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کے ملاپ سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی جو ہندوستانی تہذیب کہلائی۔سندھی رسم الخط، سندھی زبان پھر اردو زبان اسی تہذیب کی پیداوار تھی۔

2۔ معاشی پیداوار: ہندو برہمنوں نے اپنے مندروں میں بے اندازہ دولت جمع کر رکھی تھی۔محمود غزنوی کے حملوں کے نتیجے میں یہ دولت مسلمانوں کے قبضے میں آگئی اور عالم اسلام پر صرف ہونے لگی۔محمود غزنوی نے اس دولت سے اپنی فوج کی تنظیم نو کی، اپنی سلطنت کو مضبوط کیا اور غزنہ میں عالی شان عمارات سر اٹھانے لگی۔برصغیر میں فوری طور پر سونے چاندی کے ذخیرے کم ہوگئے۔لیکن چونکہ یہ بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور اس وقت یہاں لوٹ کھسوٹ کرنے والے برہمن اپنا اثر ورسوخ کھو چکے تھے، اسی لئے چند ہی برسوں میں کسانوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوگیا، عربی نسل کے گھوڑوں اور اونٹوں کی افزائش ہونے لگی۔اور کھجوروں کی بہتات ہوگئی۔تجارت کو دیانت اور امانت کی بنیادوں پر استوار کیا گیا۔جس سے ہندوستان کی معیشت کو استحکام حاصل ہوا۔

3۔ علمی اثرات: اس دور میں علوم وفنون کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔عباسی خلفا نے ہندی کتابوں کے تراجم میں دلچسپی لی، چنانچہ فلکیات کی کتابیں سدھانت، آریہ بھٹ اور کھنڈیا کھنڈ سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئی۔ہندوستانی اعداد اور صفر لکھنے کے طریقے کو مسلمانوں نے ترقی دے کر عربی ہندسوں سے روشناس کرایا۔اس سے گنتی لکھنا آسان ہوگیا۔طب پر ہندو پنڈتوں کی کتابیں خصوصاً سشرت، چرک اور چانکیہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔سنسکرت کی کتاب پنچ تنتر کا فارسی ترجمہ کلیلہ ودمنہ اور کئی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہوئے۔نویں صدی عیسوی کے اواخر میں قرآن مجید کا سندھی میں ترجمہ ہوا۔اس سے سندھی زبان میں اسلام کی اشاعت کو فروغ حاصل ہوا۔محمود غزنوی کے دور میں غزنہ کا دربار علم وادب کا مرکز بن گیا جو رفتہ رفتہ لاہور منتقل ہوگیا۔اس کے دربار میں البیرونی، فارابی، بیہقی ارنا صحی جیسے ممتاز علما موجود تھے۔ لاہور میں اس کے ساتھ البیرونی، مسعود سعد سلمان جیسے علما آئے اور سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے دور میں داتا گنج بخشؒ جیسے صوفیا تشریف لائے۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

4۔ مذہبی اثرات: سندھ ملتان اور پنجاب کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی سلطنت کم وبیش پورے برصغیر میں قائم ہوگئی اسلامی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی علم وفضل اور عدل ومساوات کا دور دورہ ہوگیا۔اسلامی علوم وفنون کو بڑی ترقی ملی ور مسلمان بادشاہوں نے بڑے بڑے شہروں میں عالی شان محل،ایوان اور مساجد تعمیر کرائیں۔اسطرح برِصغیر میں فن تعمیر کا ایک نیا اور جداگانہ انداز رائج ہوا۔وسط ایشیا سے آنے والے بے شمار عالموں اور صوفیوں نے برصغیر میں اسلام کی اشاعت اور ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں لاکھوں انسانوں کی اصلاح کر کے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیا۔ایک طرف تو مسلمان حکمرانوں نے عادلانہ نظام حکومت قائم کر کے پرانے طبقاتی نظام اور ذات پات کی تفریق کا سلسلہ ختم کیا۔دوسری طرف صوفیا اور علماء نے عوام سے قریبی تعلق قائم کر کے ان کی ہدایت اور اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ان کی خانقاہیں اور درسگاہیں مسلمان معاشرے کی اہم تہذیبی اور تربیتی مرکز ہوا کرتی تھیں۔یہ ان بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج یاں کی سرزمین کی آبادی کا بڑا حصہ مسلمان ہے۔انہوں نے یہاں کی معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے جو اثرات ونتائج برآمد ہوئے جیسے:

برصغیر کا بیرونی دنیا سے تعلق قائم ہوا اور باہمی تجارت کا سلسلہ شروع ہوا۔سب علاقوں میں ایک ہی طرح کا نظم ونسق قائم ہونے سے انتظامی ہم آہنگی پیدا ہوگئی۔فن تعمیر کا نیا انداز قائم ہوا اور اعلیٰ صنعتوں کو فروغ حاصل ہوا۔امن وامان کے قیام سے معاشی اور معاشرتی بہتری پیدا ہوئی۔ایک عام ملکی زبان اردو وجود میں آئی۔تصوف کی ترقی سے ایک عام رواداری اور باہمی میل جول کا رجحان پیدا ہوا۔ثقافتی،علمی اور ادبی فضا قائم ہوئی۔تہذیب وتمدن میں ترقی ہوئی۔ہر آدمی کے لیے تعلیم عام ہوگئی۔طبقاتی تقسیم کی حوصلہ شکنی ہوئی۔

کاشان اکیڈمی

سیاسی فاتحین جن علاقوں تک گئے،مسلمان تاجر،علما،صوفیا،طلبا اور سیاح بھی ان کے پیچھے وہاں پہنچے۔چنانچہ شمالی ہندوستان اور بنگال دو اہم اسلامی مراکز بن گئے۔برصغیر ایک مرکز تلے آکر ایک سلطنت کی صورت اختیار کرنے لگا۔رفاہِ عامہ کے کام ہونے لگے۔علم خواص کے ہاتھوں سے نکل کر مدرسوں اور خانقاہوں میں پہنچ گیا۔افواج اور سول انتظامیہ کی باقاعدہ تنظیم ہونے لگی۔دو بڑی تہذیبوں کے ٹکراؤ سے ان علاقوں کا اپنا تمدن وجود میں آنے لگا جو اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی معاشرت کا حامل تھا۔صوفیا عوام کے قریب رہ کر انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے لگے۔سیاسی اور مذہبی کوششوں سے مقامی باہمی رابطے کی زبان پیدا ہوئی جسے پہلے ہندی اور پھر بعد میں اُردو کہا جانے لگا۔عربی،ترکی اور فارسی کے بعد اُردو میں بھی بے شمار اسلامی کتابیں لکھی گئیں۔تعمیرات میں انقلاب برپا ہوا۔مساجد اور مدرسے تعمیر ہوئے اور کھلی اور روشن تعمیرات وجود میں آنے لگیں۔

0334-5504551

Download Free Assignments from

سوال نمبر11۔ مختصر نوٹ تحریر کریں۔

(i) غزنوی عہد حکومت۔

Solvedassignmentsaiou.com

جواب:

سلطان محمود غزنوی: تاریخ میں برصغیر پر سلطان محمود غزنوی کے سترہ حملے مشہور ہیں۔شروع میں تو اپنی سلطنت کو راجا جے پال کی دستبرد سے بچانے کے لئے اس نے درہ خیبر،پشاور اور بھٹنڈہ پر حملہ کیا۔مگر بعد میں ہندو راجاؤں کی امداد کرنے والے ملتان کے اسماعیلی حکمران کو سبق سکھانے اور راجاؤں کی قوت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لیے اسے برصغیر میں مزید فوج کشی کرنا پری۔سلطان محمود غزنوی اور برصغیر میں انے سترہ حملوں کی وجہ سے شہرت پائی۔جن میں ملتان،بٹھنڈا،کانگڑا،متھرا اور قنوج،کالنجر پنجاب،گوالیار اور سب سے اہم معرکہ سومنات کی فتح تھا۔سومنات کی فتح صرف محمود غزنوی کی فتح نہیں تھی بلکہ اسلامی سلطنت کی ہندوشاہی پر کاری ضرت کی حیثیت بھی رکھتی تھی۔اس شکست سے ہندوؤں کے حوصلے پست ہوگئے۔

سلطان شہاب الدین غوری: سلطان محمود کی طرح شہاب الدین غوری بھی عظیم فاتح قرار پایا۔معزالدین غوری کے نام سے مشہور ہے۔سلطان محمود غزنوی کے کوئی دوسو سال بعد یہ فاتح ایک بار پھر ان کی ہندو ریاستوں کو فتح کرنے نکلا جنھوں نے دہلی،اجمیر،قنوج،بندھیل کھنڈ،گجرات،مالوہ اور بنگال میں سر اٹھا رکھا تھا۔سلطنت غوریکو غزنویوں،ملتان کے اسماعیلیوں اور ہندوراجاؤں کی شورش سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ سلطان محمود غزنوی کی روایات کی پیروی کی جاتی چنانچہ 1170ء میں اس نے سب سے پہلے ملتان پر حملہ کیا۔اسماعیلی اُچ کی طرف گئے تو اگلے سال اس نے اچ پر بھی قبضہ کرلیا۔1178ء میں اس نے گجرات پر پھر حملہ کیا اور 1181ء میں لاہور۔1184ء میں سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے پنجاب کا الحاق اپنی سلطنت کے ساتھ کرلیا۔

سلطان محمود غزنوی اور محمد غوری کا موازنہ: غوری عہد جنگی فتوحات کے لحاظ سے غزنوی عہد سے ملتا جلتا ہے لیکن اس دور میں علمی اور معاشرتی تبدیلیوں کی رفتار زیادہ نہیں رہی کیونکہ سلطان محمد غوری کو اس طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ملی۔البتہ یہ ضرور ہوا کہ برصغیر میں ایک اسلامی معاشرے اور سلطنت کے قیام کا جو آغاز محمد بن قاسم نے کیا تھا اور جسے محمود غزنوی نے تقویت دی تھی،اس عہد میں اپنے منطقی عروج کو پہنچ گئی اور بالآخر شمالی ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں اسلامی سلطنت وجود میں آئی اس نے آگے چل کر اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کی راہیں ہموار کریں۔

ملتان میں سب سے پہلے صوفی یوسف گردیزی تھے۔وہ گیارھویں صدی عیسوی میں بغداد سے یہاں آگئے تھے۔دوسرے صوفی سلطان سخی سرور بارھویں صدی میں تشریف لائے۔سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ بہاؤالدین زکریا (ملتان) بھی بارھویں صدی میں تشریف لائے۔انہوں نے فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام کئے۔نہریں اور کنویں کھدوائے اور زراعت کے لئے کھیت تیار کئے اُچ کے سید جلال ادلین میز شاہ اور سندھ کے لال شہباز قلندر ان کے مریدوں میں سے تھے۔بارھویں صدی عیسوی ہی کے اسماعیلی داعی شاہ شمس سبزواری ملتانی بھی اہمیت رکھتے ہیں۔انہوں نے سندھ اور پنجابی میں صوفیانہ کلام پیش کیا۔اگرچہ سلطان غوری علم وادب کی سرپرستی نہ کرسکا

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس،پروپوزل،پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں ۔

لیکن اس نے اجمیر میں بعض مدارس اور مساجد قائم کیئے ۔ اس نے اپنے غلاموں کو بھی علوم وفنون اور جہانداری کی اتنی تعلیم دلائی تھی کہ جوان کے بعد اس کے نام کو زندہ رکھنے اور برصغیر کی وسیع مملکت پر حکمرانی کرنے کے اہل ہوئے ۔ قطب الدین ایبک، شمس الدین التمس، محمد بن بختیار خلجی، ناصرالدین قباچہ اور تاج الدین یلدوز اس کے ہی لائق فائق غلام تھے ۔ اگر ہم محمد بن قاسم سے لے کر قطب الدین ایبک تک کے اس دور کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ:

1 ۔ سیاسی فاتحین جن علاقوں تک گئے ،مسلمان تاجر، علما، صوفیا، طلبا اور سیاح بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے ۔ چنانچہ شمالی ہندوستان اور بنگال دو اہم اسلامی مراکز بن گئے ۔

2 ۔ برصغیر ایک مرکز تلے آ کر ایک سلطنت بننے کی صورت اختیار کرنے لگا ۔

3 ۔ رفاہِ عامہ کے کام ہونے لگ ۔

4 ۔ علم خواص کے ہاتھوں سے نکل کر مدرسوں اور خانقاہوں میں پہنچ گیا ۔

5 ۔ افواج اور سول انتظامیہ کی باقاعدہ تنظیم ہونے لگی ۔

6 ۔ دو بڑی تہذیبوں کے ٹکراؤ سے ان علاقوں کا اپنا تمدن وجود میں آنے لگا جو اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی معاشرت کا حامل تھا ۔

7 ۔ صوفیاء عوام کے قریب رہ کر انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے لگے ۔

8 ۔ سیاسی اور مذہبی کوششوں سے مقامی باہمی رابطے کی زبان پیدا ہوئی جسے پہلے ہندی اور بعد میں اردو کہا جانے لگا ۔ عربی، ترکی اور فارسی کے بعد اردو میں بے شمار اسلامی کتابیں لکھیں گئیں ۔

9 ۔ تعمیرات میں انقلاب برپا ہوا ۔ مساجد اور مدرسے تعمیر ہوئے اور کھلی اور روشن تعمیرات وجود میں آنے لگیں ۔

کاشان اکیڈمی

سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات

سلطان محمود کی طرح شہاب الدین غوری بھی عظیم فاتح قرار پایا ۔ وہ معزالدین غوری کے نام سے بھی مشہور ہے ۔ سلطان محمود غزنوی کے کوئی سے دو سال بعد یہ فاتح ایک بار پھر ان کی ہندو ریاستوں کو فاتح کرنے نکلا جنہوں نے دہلی ،اجمیر، قنوج، بندھیل کھنڈ، گجرات ، مالوہ اور بنگال میں سر اُٹھا رکھا تھا ۔ سلطنت غوری کو غزنویوں، ملتان کے اسماعیلیوں اور ہندو راجاؤں کی شورشوں سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ سلطان محمود غزنوی کی روایت کی پیروی کی جاتی چنانچہ 1170ء میں اس نے سب سے پہلے ملتان پر حملہ کیا ۔ اسماعیل اُچ کی طرف بھاگ گئے تو اگلے سال اس نے اچ پر بھی قبضہ کر لیا ۔ 1179ء میں اُس نے پشاور فتح کیا اور 1181ء میں لاہور ۔ 1184ء میں سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے پنجاب کا الحاق اپنی سلطنت کے ساتھ رکھ لیا ۔ خسرو ملک جو قید سے چھوٹ تھا ایک بار پھر قسمت آزمائی کے لئے میدان میں آ گیا اور لاہور پر قابض ہو گیا ۔ چنانچہ 1186ء میں سلطان غوری نے لاہور پر قبضہ کر کے غزنوی عہد حکومت کا خاتمہ کر دیا ۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
solvedassignmentsaiou.com

اس کے بعد سلطان کا زیادہ تر وقت راجپوتوں کے ساتھ جنگوں میں گزرا ۔ چنانچہ ترائن کی دو جنگیں ہانسی بلند شہر، دہلی، کول اور قنوج کی جنگیں اہم ہیں ۔ 1195ء میں غوری نے ان شہروں پر قبضہ کر لیا ۔ اس اثناء میں اس کے زیر نگرانی بختیار نے بہار اور بنگال (1199ء) میں قطب الدین ایبک نے دریائے سندھ اور گنگا کا وسیع علاقہ فتح کر لیا ۔

مرکز کی منتقلی

1203ء میں غیاث الدین محمد غوری کا انتقال ہو گیا تو شہاب الدین معزالدین محمد غوری سلطان بن گیا ۔ اب شورشیں اور بغاوتیں پھر سر اُٹھانے لگیں ۔ پنجاب میں کھوکھروں نے فساد شروع کر دیا ۔ ملتان پر ایک غلام ایبک نے قبضہ کر لیا ۔ سلطان نے ملتان پر حملہ کر کے بغاوت فرو کر دی ۔ فروری 1206ء میں سلطان لاہور پہنچا اور قطب الدین ایبک کو اپنا نائب مقرر کیا ۔

15 مارچ 1206ء کو واپسی کے سفر میں اسے باغی اسماعیلیوں نے شہید کر دیا ۔ جس وقت سلطان شہادت کے مرتبے پر فائز ہوا اُس وقت اسلام کا جھنڈا سارے شمالی ہندوستان پر لہرا رہا تھا ۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا محمود غوری حکمران بنا لیکن تاج الدین یلدوز نے غزنی میں اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا ۔ تاہم برصغیر میں غوری سلطنت قائم رہی، جسے بالآخر قطب الدین نے اپنی سلطنت قرار دے دیا ۔ 24 جون 1206ء کو لاہور میں اس کی تاج پوشی ہوئی ۔ اب سلطنت کا مرکز غزنہ نہیں بلکہ لاہور بن گیا ۔ اور یوں مرکز کی برصغیر میں منتقلی سے اسلامی مملکت کی بنیاد رکھ دی گئی ۔

اثرات کا جائزہ

غوری عہد جنگی فتوحات کے لحاظ سے غزنوی عہد سے ملتا جلتا ہے لیکن اُس دَور میں علمی اور معاشرتی تبدیلیوں کی رفتار زیادہ نہیں رہی کیونکہ سلطان محمد غزنوی کو اس طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ملی ۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ برصغیر میں ایک اسلامی معاشرے اور سلطنت کے قیام کا جو آغاز محمد بن قاسم نے کیا تھا ۔ اور جسے محمود غزنوی نے تقویت دی تھی، اس عہد میں اپنے منطقی عروج کو پہنچ گئی ۔ اور بالآخر شمالی ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں جو اسلامی سلطنت وجود میں آئی اُس نے آگے چل کر اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کی راہیں ہموار کر دیں ۔

(ii) عہد سلاطین کے برصغیر کے سیاسی حالات

جواب ۔

سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا ۔ حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا ۔ قانونی اور اصولی طور پر سلطان

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں ۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

خلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔ جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خود مختار، مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔ وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔ وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔ سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدوداروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔ یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کر لیتا تھا۔ لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔ سلاطین کو عدل وانصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ سلطنت کے اہم شہروں اور قصبوں میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی موجود رہتے تھے۔ کبھی کبھی سلطان خود بھی مقدمے سن لیتا تھا۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ محمد بن تغلق خود کو سلطان عدل کہلانا پسند کرتا تھا۔ شیر شاہ سوری کو بھی اس کے ہم عصروں نے سلطان عادل کا خطاب دیا تھا۔ قومی نوعیت کے اہم مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے سلطان علماء اور مشائخ کا محضر طلب کر لیتا تھا۔ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف علماء کی شکایت پر محضر طلب کئے تھے۔

نائب المملکت: سلطان کے بعد نائب المملکت یا نائب الممالک کا عہدہ سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس عہدے پر فائز سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا اور اس کا منصب وزیر سے بڑا ہوتا تھا۔ یہ عہدہ مستقل نہ تھا۔ اس لئے بعض سلاطین کے عہد میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے زمانے میں نائب المملکت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن سلطان کی دارالحکومت سے غیر موجودگی کے زمانے میں وہ اس کے نائب کی حیثیت سے تمام اختیارات استعمال کرتا تھا۔ کمزور سلاطین کے عہد میں سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے باعث نائب المملکت بڑا صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا اور سلاطین ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہتے تھے۔ محمد بن تغلق جب گجرات سے باغی گورنر طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گجرات کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ جہاں کو نائب المملکت بنایا گیا۔ محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اس نے ایک مجہول النسب لڑکے کو سلطان کا فرزند ظاہر کر کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ سلطان فیروز تغلق بھی جب کبھی دہلی سے باہر جاتا تو اپنے وزیر خواجہ جہاں کو اپنا نائب بنا جاتا تھا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

وزیر: وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ وہ حکمران کی بہت سے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر اسے سبکدوش کر دیتا ہے اس لئے اسے وزیر کہا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کے ہاں منصب وزارت میں بڑی اہمیت تھی۔ بیشتر سلاطین اپنا وقت فتوحات، سیر وشکار اور مجالس عیش وطرب میں گزارتے تھے۔ اس لئے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری وزیر پر آتی تھی۔ وزیر کے فرائض میں سلطان کو اہم امور میں مشورہ دینا، محکمہ مال کی نگرانی کرنا، خزانے کا حساب کتاب رکھنا، عمال کا تقرر اور معطلی، خراج، لگان اور دوسرے۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

واجبات کی وصولی: سلطنت کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا، عوام کو ہر حال میں مطمئن رکھنا، مہمات کی نگرانی کرنا، سلطان کی ضروریات اور آرائش کا خیال رکھنا، شاہی اصطبل کی نگہداشت، فوجیوں کی بھرتی اور تربیت، یتیموں اور بیوہ عورتوں کی سرپرستی، علماء ومشائخ کی خدمت، ترویج علم کے لئے کوشش کرنا اور روزمرہ کا کام چلانا تھا۔ بالفاظ دیگر حکومت کا کوئی شعبہ اس کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

سوال نمبر 12۔ فیروز تغلق کن حالات کے تحت تخت نشین ہوا اسکے فوجی کارناموں کا تفصیلی جائزہ لیں۔

جواب۔

فیروز شاہ تغلق مشہور بادشاہ محمد تغلق کا چچا زاد بھائی تھا۔ 1351ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا اور 1388ء تک کامیاب حکومت کی 38 سال تک لگاتار حکومت کرنے کے بعد 1388 میں وہ دنیا سے چل بسا۔

فیروز شاہ تغلق کی حکومت اور واقعات۔

یہ ایسا نرم دل بادشاہ تھا جسے خونریزی بالکل پسند نہیں تھی، اسی لئے وہ صوبے جو محمد تغلق کے زمانے میں آزاد ہو گئے تھے، دوبارہ دہلی حکومت میں شامل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ واقعہ ہے کہ بنگال کو فتح کرنے میں تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اس کا فیروز کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ وہ لاشوں کو دیکھ دیکھ کر بہت رویا اور آئندہ سلطنت کو بڑھانے کیلئے خون خرابہ کرنے سے توبہ کر لی۔ اس نے یہ کوشش کی کہ اس کی حکومت میں جو صوبے ہیں وہاں کے عوام کو زیادہ سے زیادہ راحت وآرام پہنچایا جائے۔ عوام کی خوش حالی اور بہبودی کے لئے جو کام فیروز شاہ تغلق نے کئے ہیں، اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

غیاث الدین تغلق اور فیروز شاہ تغلق جیسے بادشاہ اگر ان برائیوں سے محفوظ تھے، تو بھی انھوں نے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور سربلندی کے لیے کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ برصغیر میں مسلمان بادشاہوں کو حکومت کرنے کا بہت طویل موقع میسرؔ یا لیکن کسی بادشاہ نے (ایک دو مُستثنیات کے سوا) اسلام کو اس سرزمین میں غالب اور مستحکم کرنے میں دلچسپی نہ لی بلکہ اکثریت جہاد کے مقاصد سے اِعراض کرتے ہوئے محض کشور کشائی اور خزانہ جمع کرنے اور غیر مسلموں کے زیر اثر اسلام کو ضرر پہنچانے والے کام کرتی رہی۔ ان حالات میں قدرت کی طرف سے تیمور اور نادر شاہ نازل ہو کر ان کو سزا دیتے رہے، تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تیمور کے حملے (1398ء) سے پہلے دوسو سالوں میں سلاطین دہلی کیا کیا کرتے رہے اور ان کے ہاتھوں انسانیت کی کیسی تذلیل ہوتی رہی زوال کبھی بغیر وجہ کے نہیں ا؟ تا، اس کا کوئی وقت بھی طے نہیں ہوتا۔ حکمران اور اقوام جب وہ افعال اعلانیہ انجام دینے لگتے ہیں جو خدائے بزرگ و برتر کو ناپسند ہیں تو وہ اُن کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں اور اُس کے بعد دنیا کے لیے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔ تب وہ اپنے دفاع کے قابل رہتے ہیں نہ اپنے ملک اور قوم کے۔ کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ بطور مُشتے از خروارے، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ سلطان التمش نے وفات پائی، تو اس کے بیٹے رکن الدین نے پہلے حکومت سنبھالی، اس کے بعد رضیہ سلطانہ کو موقع ملا۔ تاریخ فرشتہ

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، بی اے، بی ایس، ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

میں رکن الدین کے بارے میں لکھا ہے:

عیش ونشاط کی طرف متوجہ رہا۔اس کے دور میں بھی خوبرو ساقیوں اور مطربوں کی قدر رہوتی رہی۔لطیفہ گو،گویے،غزل خواں اور شراب نوش مصاحب بادشاہ کو پسند تھے۔مورخ ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:'

'سلطان کی مجلس کے ساقی ہیبت خان کے لڑکے نظام خریطہ دار اور یلدز ساقیوں کے سردار تھے۔یہ لوگ حسن وجمال اور کرشمہ سازی میں ایسے تھے کہ جو زاہد یا عابد ان کو دیکھتا زنار باندھ لیتا اور اپنی جانماز کو شراب خانے کا بوریا بنالیتا۔سلطان کی مجلس کے مطربوں میں محمد شاہ چنگی چنگ بجاتا،فتوحا،فقاعی کی بیٹی اور نصرت خاتون گاناگاتیں ان کی کم عمری اور نسوانی آواز سے پرندے ہوا میں سے نیچے اتر آتے۔سننے والوں کے ہوش اڑ جاتے۔دل تڑپنے لگتے…'' جلال الدین کو اس کے بھتیجے علاؤالدین نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے دھوکے سے قتل کیا۔اس سلسلے میں تاریخ فیروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے''اپنے ولی نعمت کا خون بہانے کی نحوست کی وجہ سے اس (علاؤالدین) نے بے گناہوں کا اتنا خون بہایا کہ فرعون نے بھی نہ بہایا تھا۔'' واقعی علاؤالدین کا انجام اس کی بدکرداریوں کی وجہ سے بہت عبرتناک ہوا۔علاؤالدین خلجی نے انتہائے تکبر میں اپنا خطاب اسکندر ثانی رکھا۔اس نے محض جبر کے زور پر ضروری اشیا کی قیمتوں کو بڑھنے سے روکے رکھا۔ابتدائی چند سالوں میں بہت عیاشیاں کیں اپنے حرم کو ہندوستان کے طول وعرض کی خوبصورت عورتوں سے بھرلیا،یہاں تک کہ ہر سال اس کے تین چار بیٹے پیدا ہوتے تھے۔ذاتی کردار میں تضادات تھے،ملک نائب کی محبت میں سلطان اندھا بنا رہا۔یہ شخص سلطان کا مفعول تھا۔مصنف تاریخ فیروز شاہی نے اس شخص کے بارے میں ''پیش بریدہ پس دریدہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں،جن کے ترجمے کی ضرورت نہیں۔

کاشان اکیڈمی

طغرل بیگ جو کہ بلبن کا غلام تھا،گورنر بنال تھا۔دارالخلافہ سے بنگال کا بہت دور ہونا،ذرائع آمدورفت کی قلت اور بنگال کی ملیریا زدہ آب وہوا۔ان تینوں وجوہات کی رو سے دہلی کا بنگال پر کنٹرول کمزور تھا۔التمش نے بنگال کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنے بیٹے کو گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔التمش کے بعد بنگال سلطان کے قبضے سے ہر وقت نکالنے کے لئے کوشش کرتا رہتا تھا۔چنانچہ طغرل بیگ نے علم بغاوت بلند کیا۔اس نے اپنی خودمختاری اعلان کردیا۔خراج بھیجنا بند کردیا اور اپنی بادشاہی کے سکے بھی جاری کرے شروع کردیئے اور اپنا خطاب سلطان مغیث الدین مشہور کردیا۔ان فتوحات سے سرشار ہوکر طغرل بیگ لکھنوتی تک آگیا اور آتے ہی فوجوں کا قلع قمع کیا ان پے درپے شکستوں سے سلطان نے خود فوج کی کمان سنبھال لی۔اور بنگال جا پہنچا۔بلبن کی آمد سے طغرل بیگ اتنا دہشت زدہ ہوا کہ وہ اپنے دارالخلافہ سے بھاگ گیا لیکن سلطان نے اپنی ایک خاص جنگی چال سے اسے آن لیا۔طغرل بیگ وہاں سے بھی بھاگ نکلا لیکن بلبن کے کسی سپاہی کے ہتھے چڑھ گیا جس نے اسے فوراً قتل کردیا۔سلطان نے اس سپاہی کو طغرل کش کا خطاب دیا۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

1285ء میں سلطان محمد جو کہ بلبن کا چہیتا اور قابل ترین بیٹا تھا منگولوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔صدمہ سلطان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور 1286ء میں سلطان بلبن کی وفات ہوگئی۔

بلبن کے کارہائے نمایاں

بلبن کا چالیس سالہ دور آدھا بطور نائب السلطنت اور آدھا ایک مطلق العنان بادشاہ ہماری تاریخ میں ایک بے مثال واقعہ ہے۔وہ زمانہ نہایت ہی کشاکش اور آشوب کا دور تھا اور بلبن نے مشکلات کا مقابلہ نہایت ہی جواں مردی سے کیا۔اس نے سلطان کے عہدے کا وقار اور عب بحال کیا۔اس کا دربار ایک عظیم الشان دربار تھا،جس میں شان وشوکت انتہا پر ہوتی تھی۔سلطان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت سنجیدہ مزاج تھا۔کبھی کسی نے اسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔جوانی میں شراب کا شوقین تھا لیکن سلطان بننے کے بعد اس سے مکمل طور پر پرہیز کیا۔ذاتی زندگی میں سلطان ایک مشفق باپ تھا۔اپنے وفادار ملازموں کے ساتھ سلطان کا سلوک نہایت ہی اچھا تھا۔لیکن حکم عدولی کرنے والوں کے لئے نہایت سخت سزا عام طور پر موت ہی نافذ کی جاتی تھی۔ایک جنگجو اور بہادر شاہ،اعلی پایہ کا سیاست دان تھا۔اس نے نوزائیدہ مسلم ریاست کو تباہی سے بچایا۔انہی کارناموں کی وجہ ممکن ہوا کہ علاءالدین خلجی بعد ازاں مغلوں کے سخت ترین حملوں کو دبانے میں کامیاب ہوا۔1286ء بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا کیقبا دتخت نشین ہوا،جس کی عمر صرف سترہ سال تھی،عیاشی کی لت میں پڑ گیا۔اس کا وزیر نظام الدین سب کچھ کرتا دھرتا تھا۔خود سارا وقت اپنی طاقت کو مستحکم بنانے میں گزارتا تھا تا کہ بالآخر تخت پر قبضہ کر سکے۔اس سے تمام سلطنت میں غیر یقینی کی فضا پھیل گئی۔اس نے بہت سے مخالفین کو ختم کروایا۔امراء ترکی النسل اور پٹھان (خلجی) تھے،ان کی آپس میں کش مکش رنگ لائی۔آخر کار جلال الدین خلجی نے کیقباد کو مروادیا اور حکومت پر قبضہ کرلیا۔اس طرح سے خاندان غلاماں کا خاتمہ ہوگیا۔

سوال نمبر 13۔ بابر کے دور حکومت پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

جواب۔

جواب۔

ظہیر الدین محمد بابر (پیدائش: 1483ء-وفات: 1530ء) ہندوستان میں مغل سلطنت کا بانی تھا۔انہیں ماں پیار سے بابر (شیر) کہتی تھی۔اس کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ (ترکستان) کا حاکم تھا۔باپ کی طرف سے تیمور اور ماں قتلغ نگار خانم کی طرف سے چنگیز خان کی نسل سے تھا۔اس طرح اس کی رگوں میں دو بڑے فاتحین کا خون تھا۔بارہ برس کا تھا کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔چچا اور ماموں نے شورش برپا کردی جس کی وجہ سے گیارہ برس تک پریشان رہا۔کبھی تخت پر قابض ہوتا اور کبھی بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہوجاتا۔بالآخر 1504ء میں بلخ اور کابل کا حاکم بن گیا۔یہاں سے اس نے ہندوستان کی طرف اپنے مقبوضات کو پھیلانا شروع کیا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک ، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی ہر طرح کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ، گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

ظہیرالدین بابر کا شمار ایشیائی تاریخ کی دلچسپ ترین شخصیتوں میں ہوتا ہے۔اس کی دل چسپیاں اتنی گونا گوں ہیں اور انکے کمالات اتنے متنوع ہیں کہ آدمی حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ ہندوستان میں مغل سلطنت کے بانی 'بابر' ایک بہادر جنگجو، ایک اعلیٰ درجہ کے کھلاڑی، مصنف، سوانح نگار اور قدرتی مناظر کے دلدادہ تھے۔انھوں نے افغانستان اور ہندوستان میں کئی خوبصورت باغ لگوائے۔ ہندوستان میں بعض نفیس ترین عمارتیں بنوائیں اور اس ملک کو ایک اعلیٰ طرزِ تعمیر سے روشناس کرایا۔

جنگی تاریخ اور بابر

بابر کی اہمیت ہماری نگاہوں میں اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ چنگیز اور ہلاکو جیسی تباہ کن اور جہاں سوز شخصیتوں کی نسل سے ہیں، جن کی غارت گری کی داستانیں آج بھی دنیا کو لرزہ براندام کر دیتی ہیں۔ بابر نے ایک بے قرار طبیعت ورثے میں پائی تھی۔اس بے قراری میں بابر نے کچھ ذاتی خصوصیات کی آمیزش کر کے ایک ایسی شخصیت کو جنم دیا، جس نے سرد و گرم کے باہمی امتزاج سے نار و نور کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بابر' عمر شیخ مرزا' حاکمِ فرغانہ کے فرزند تھے۔عمر شیخ مرزا 'تیمور' کے پڑپوتا تھے۔ بابر کی والدہ چنگیز کی نسل سے تھیں، اس طرح سے بابر میں ترک کا حوصلہ اور اہلیت، اور منگول کی بے قرار قوت یکجا ہو گئیں تھیں۔ بابر نے لکھا ہے کہ انکے والد ایک صاحب علم، سخی اور بہادر شخص تھے۔وہ اتنا طاقت ور تھے کہ ایک مکے سے آدمی کو گرا سکتے تھے لیکن ان کی نگاہ میں دولت کی کوئی وقعت نہ تھی۔

بابر کو یہ تمام خصوصیت وراثت میں بدرجہ اتم حاصل ہوئیں۔ بابر کی والدہ امور خانہ داری میں مہارت کے علاوہ ترکی اور فارسی کی فاضلہ تھیں۔ بابر نے والدین سے دل و دماغ کی یہ کیفیت ورثے میں پائیں۔ بابر کا بچپن فرغانہ کے دارالخلافہ میں گزرا۔وہ ورزشوں کے دلدارہ تھے۔تیراکی سے تو انھیں جنون کی حد تک لگا تھا۔وہ بے خطر منجمد ندیوں میں کود جاتے۔تیراکی میں وہ اتنا نڈر تھے کہ بعد میں جب انھوں نے ہندوستان پر حملہ کیا تو راستے میں جتنے بھی دریا آئے، ان سب کو تیر کر پار کیا۔وہ خود لکھتے ہیں کہ گنگا کو پار کر کے بغیر کسی وقفے کے دوبارہ تیر کر واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔ بابر سیاحت اور مناظر قدرت کا بھی بے حد شائق تھے، سفر و سیاحت کے وہ اتنا دلدادہ تھے کہ کسی بھی جگہ انھوں نے عیدالفطر دوبارہ نہیں منائی۔ بابر کا بچپن کچھ ایسے ماحول میں گزرا کہ انکے ذہن و جسم اتنے مضبوط ہو گئے کہ عمر کی سختیوں کو وہ نہایت صبر اور خندہ پیشانی سے جھیل لیا۔ بابر گیارہ برس کے تھے کہ انکے والد کا سایہ انکے سر سے اٹھ گیا۔ بابر کے والد کی یہ غیر متوقع موت ایک حادثہ میں واقع ہوئی۔اس کم سنی میں بابر کے لئے فرغانہ جیسی ریاست کو سنبھالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بابر کے اکثر و بیشتر رشتہ دار خود غرض اور حکومت کی تاک میں تھے اور ہمسایہ ریاستوں کے حکمرانوں کا رویہ معاندانہ تھا، ان کا رویہ آخر کار باہمی جنگ کی صورت میں نمودار ہوا۔ بابر تخت نشینی کے بعد دس سال ایک مسلسل جدوجہد، لگاتار شکست اور مایوسی کی ایک طویل اور المناک داستان ہے، جس میں کہیں کہیں کامیابی کا نشان ملتا ہے۔ایک بار وہ ایک مہینہ تک مسلسل سمرقند میں محاصرہ میں رہے۔ بابر اور اس کے ساتھیوں پر بڑا مشکل وقت آن پڑا۔ آخر بابر کو شہر دشمن کے حوالے کرنا پڑا۔اس کی مصیبتوں کا کوئی اختتام نظر نہ آ رہا تھا، رشتہ دار اور رفیق کار سب چھوڑ گئے، کوئی بھی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے کسی مدد کی توقع ہو، ایک عرصے تک اپنے آبائی ملک کے جنگلوں میں آوارہ پھرنے کے بعد تاشقند کے 'خوانین' کے پاس پناہ لی۔ بابر مسلسل ذلت اور مایوسی سے اتنا بد دل ہو چکا تھا کہ اس نے ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر چین کی طرف ہجرت کر جانے کا ارادہ کر لیا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔اگر بابر اس وقت چین کا رخ کرتا تو یقیناً ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا وجود نہ ہوتا اور اس ملک کی تاریخ کسی اور انداز میں لکھی جاتی۔

بابر کی پالیسیاں۔

ایسے وقت میں بابر کے دو چچوں نے بابر کو مدد دی اور اس نے سلطنت کا بیشتر حصہ چھڑا لیا، تاہم یہ فتح عارضی ثابت ہوئی۔ بابر کو پھر ایک بار وطن کو خیر باد کہہ کر جنگلوں میں پناہ لینی پڑی۔تقریباً ایک سال تک بابر اپنی والدہ اور چند وفادار ساتھیوں کے ہمراہ جنگلوں کی خاک چھانتا پھرا، اس وقت بے گھر اور دشمنوں میں گھرے ہوئے بابر کی حالت قابلِ رحم تھی۔اگر چہ اس نے حوصلہ نہ ہارا بلکہ سختیوں نے اس کے ارادوں کو مضبوط تر کر دیا۔لیکن نا چاہتے ہوئے بھی اس نے اپنے آبائی وطن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کی ٹھان لی۔ بابر اس وقت اکیس برس کا تھا اور اس عرصہ میں وہ بد قسمتی کی انتہا کو چھو چکا تھا۔ بابر ان مصائب و آلام کی چکی میں پس کے رہ گیا ہوتا مگر آزمائشوں اور مصیبتوں کے اس لامتناہی سلسلے کا بابر نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا۔حقیقت میں یہی تلخ تجربے بعد کی آنے والی ہندوستانی مہموں میں بابر کے مددگار ثابت ہوئے۔ بابر نے قسمت آزمائی کے لئے کابل کا رخ کیا۔اس کا چچا حاکم کابل میں فوت ہو چکا تھا اور تخت پر ارغوانی منگول قابض ہو چکے تھے، بابر کے ساتھیوں کی تعداد دو تین سو کے لگ بھگ تھی۔رسد اور فوجی ساز و سامان ناکافی تھے، مگر راستے میں کئی اور لوگ بابر کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آخر کار جس قسمت نے اپنے ملک میں اس کی یاوری نہ کی تھی، ایک غیر ملک میں اس پر ہو گئی۔ بابر نے منگولوں کو شکست دی اور کابل پر قبضہ کر لیا۔کابل کے تخت کو محفوظ کرنے کے بعد بابر نے ارد گرد کے علاقوں میں فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔اس نے غزنی کو فتح کیا اور درہ خیبر سے ہوتا ہوا کوہاٹ تک آیا۔ کچھ عرصے کے بعد قندھار بھی فتح ہو گیا تاہم بابر کو سمرقند نہ بھولا تھا۔ جہاں اسے اتنی مایوسیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔آخر کار میں اس نے سمرقند پر حملہ کر دیا اور سمرقند کے تخت پر فاتح کی حیثیت سے جلوہ افروز ہو گیا۔

ایک بار پھر بابر کو ازبکوں کے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی اور اسے مجبوراً کابل واپس لوٹنا پڑا، جہاں آئندہ پانچ برس تک وہ اپنی طاقت مضبوط کرتا رہا، ناقابل تسخیر اور پہاڑی علاقوں والے افغانستان سے بابر نے اپنی نگاہ جنوب مشرقی میدانی علاقے کی طرف اٹھائی اور اس سر زمین کو اپنی امیدوں کی آماجگاہ بنایا اور اپنی سلطنت اس جانب پھیلانے کا ارادہ کیا۔

بابر کی جنگی پالیسیاں۔۔ اس نے اپنی ''ہندمہم'' کا آغاز کیا اور پانچ بار حملہ آور ہوا۔ان حملوں میں سے دوسرا، چوتھا اور پانچواں حملہ اہمیت کا حامل تھا۔دوسرے حملے میں اس نے بھیرہ اور دریائے جہلم اور چناب کے درمیان کے علاقے پر قبضہ کیا۔ چوتھے حملے میں اس نے لاہور اور مشرقی پنجاب کے ایک حصے پر قبضہ کیا، دوسرے سال وہ پنجاب

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، ایف اے، اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں اور ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاوٗن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

میں نظم ونسق برقرار رکھنے کی غرض سے آیا۔اس طرح سے 21 اپریل 1526ء کو بابر اور دہلی کے سلطان ابراھیم لودھی کا مقابلہ پانی پت کے مشہور میدان میں ہوا۔بابر کابل سے ہزار کا لشکر لایا تھا۔راستے میں کئی افغان سردار اس کے ساتھ مل گئے ۔اس کے لشکر کی تعداد چھبیس ہزار سے زائد نہ تھی ۔اس کے مقابلے میں لودھی کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی متجاوز تھی ،اس کے علاوہ ابراھیم لودھی کے پاس ہاتھیوں کا بھی ایک لشکر تھا اور اس کے پاس ضروریات کے لامحدود ذخیرے تھے اور وسائل بے شمار تھے مگر وہ جنگی قابلیت سے عاری تھا۔بابر کی شخصیت کا جو اثر تھا، وہ اثر اپنے آدمیوں پر ابراہیم لودھی کا نہ تھا۔اس کے علاوہ بابر کے ساتھ نووارد افغان جو ہر لحاظ سے میدان جنگ میں ہندوستانی فوجوں سے برتر تھے ،انہیں اپنے وطن کی دوری کا بھی اندازہ تھا، انکا فوجی ڈسپلن بھی اچھا تھا، فرمانبرداری بھی زیادہ تھی ،ان کے گھوڑے بھی بہتر تھے۔اس کے علاوہ ان کا سردار ایک تجربہ کار جرنیل تھا جس کی پوری عمر جنگ وجدال میں گزری تھی ۔پانی پت کے میدان میں بابر نے اپنی جنگی مہارت کا ثبوت دیا۔اس نے فوجیوں اور توپوں کے منطقی انتظام سے لودھی لشکر میں افراتفری پیدا کر کے شکست کی کیفیت پیدا کر دی۔لودھی لشکر کے پاوں اکھڑ گئے ۔ابراہیم لودھی خود میدان جنگ میں قتل ہو گیا اور لودھی سلطنت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ ہندوستان کی سلطنت لودھی خاندان سے مغلیہ خاندان میں منتقل ہو گئی۔تختِ دہلی پر قبضہ بابر کی ایک عظیم الشان حصولیابی تھی۔تاہم اس کی زندگی دہلی کی فتح کے بعد بھی کوئی پھولوں کی سیج نہ تھی ۔دہلی سلطنت پر قبضہ کے کچھ ہی وقت کے بعد 17 مارچ 1527ء کو بابر کو راجپوتوں کے ایک زبردست متحدہ لشکر کا مقابلہ کرنا پڑا۔اس لشکر کی کمان مشہور ومعروف راجپوت سردار رانا سانگا کے ہاتھ میں تھی ۔راجپوتوں کی بے پناہ تیاری کی خبریں بابر کے کیمپ میں پہنچ رہی تھیں ۔بابر نے حالات کا جائزہ لیا اور اس بڑے خطرے کے پیش نظر اپنے سب سرداروں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے بڑے زوردار الفاظ میں خطاب کیا۔اور دوران خطاب اس نے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تبارک وتعالی مجھے اس جنگ میں فتح عطا کرے تو پھر میں عمر بھر شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا اور نہ ہی داڑھی منڈواؤں گا۔اس جنگ میں بڑے زور کا رن پڑا، مگر میدان بابر کے ہاتھ رہا۔راجپوتی فوج کو شکست فاش ہوئی۔

کاشان اکیڈمی

سلطنت کی ترتیب۔

0334-5504551

بابر اب بلاخوف ہندوستان کے بادشاہ تھے۔ ’’کنوہہ کی جنگ‘‘ نے دشمنوں کی ہمت اور لوگوں کے زعم توڑ دیئے تھے۔تاہم بابر اس سلطنت عظیم کا ثمرہ نہ حاصل کر سکا، بے پناہ اور ان تھک محنت ومشقت کے سبب اس کے جسم میں تھکن کے آثار نمایاں ہو گئے ۔اسے آرام کی ضرورت تھی مگر آرام کہاں تھا۔اس کا کام ابھی ختم نہ ہوا تھا۔فتح کنوہہ کے بعد تین برس تک بابر حاصل کردہ سلطنت کی مضبوطی میں ہمہ تن مصروف رہا۔عین اسوقت جب بابر اپنے بیٹے ہمایوں کو سلطنت کا کاروبار سونپنے والا تھا، ہمایوں سخت بیمار ہو گیا،اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی ۔کسی نے مشورہ دیا کہ کوئی قیمتی چیز صدقہ کی جائے ۔اس قیمتی چیز سے مرادؑ کوہ نور نامی ہیرا تھا جو ہمایوں کے قبضے میں تھا۔مگر بابر نے اس ہیرے سے بھی کوئی زیادہ قیمتی چیز شہزادے کے کیلئے صدقہ کرنی چاہی اور وہ خود بابر کی جان تھی ۔کہا جاتا ہے کہ بابر تین بار شہزادے کے پلنگ کے گرد گھوما اور پھر مصلی بچھا کر بیٹھ گیا اور قلب صمیم سے دعا مانگی ۔بارِالہی !شہزادے کی مرض مجھے لگا دے اور شہزادے کو بچالے ۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شہزادہ ٹھیک ہو گیا اور بابر بستر مرگ پر لیٹ گئے ۔بابر نے آگرہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔بابر کی عمر اس وقت اڑتالیس برس تھی ۔اس چالیس سال کی عمر میں بابر کے لئے ہر دن ایک نئے معرکے اور چیلنج سے سامنا رہا۔بابر بے شک ایک ہیرو کی طرح جیئے اور ایک ہیرو کی طرح مرے ۔بابر بے شک ایک بہادر، جانباز اور حوصلہ مند جرنیل تھے لیکن انکی زندگی کے بعض دیگر پہلو بھی بڑے دلچسپ ہیں ،بحثییت انسان بابر ملنسار، سخی اور مہربان تھے ،اپنی غلطی کا اعتراف کرنے میں وہ کبھی نہیں جھجکے ،البتہ وہ جھوٹے اور مکار لوگوں کو کبھی معاف نہ کرتے تھے۔ اپنے رشتہ داروں کے معاملے میں اس کی صلح رحمی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔زندگی کے ابتدائی دور میں اسکے کئی رشتہ داروں نے اس سے بیوفائی کی اور اس پر زیادتیاں کیں لیکن جب وہ صاحب اقتدار ہوا تو اس نے کبھی ان سے بدسلوکی نہیں کی ۔وہ ہمیشہ معاف کرنے اور بھول جانے کا عادی تھے ۔بابر نے کبھی کوئی ایسا کام پسند نہ کیا جس میں کمینگی کا شائبہ ہو یا اس میں کوئی سازشی پہلو ہو۔اسے اپنی عزت وشرف نہایت عزیز تھی ۔ان کے چچوں کو خوانین سمرقند جنھوں نے کھوئی ہوئی سلطنت دلوانے میں اس کی مدد کی تھی ۔ایک بار انہوں نے بابر سے کہا کہ جا کر بایزید احسی کو دھوکے سے گرفتار کرے مگر بابر نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مکروفریب اور دھوکا بازی اسکا شیوہ نہیں ،اپنے آباء واجداد اور اولاد کی فطرت کے برعکس بابر نے کبھی دولت کو عزیز نہ جانا۔جب اسکے بھائی نے سمرقند کے خزانے پر قبضہ کر لیا جس پر اس کا کوئی حق نہ تھا تو بابر نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا اور اسے خزانہ رکھ لینے کی اجازت دے دی۔اسی طرح جب شہزادہ ہمایوں نے اس کی اجازت کے بغیر دہلی کے خزانوں پر قبضہ کر لیا تو بابر نے اس کی سخت سرزنش کی ۔بابر کی قناعت کا اندازاس سے ہو جاتا ہے کہ جب ہمایوں نے اسے ’’کوہ نور‘‘ ہیرا پیش کیا تو بابر نے لینے سے انکار کر دیا۔و

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

مذہبی پالیسیاں۔

ہ خاصیت جس کے سبب اپنے پیروکاروں کے دل جیت لیتے تھے ،وہ انکی طبع تھی ۔وہ بڑی سے بڑی مصیبت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا سکتے تھے ۔بابر ایک سچے مسلمان تھے اور خدائی مدد پر انھیں کامل بھروسا تھا۔انھوں نے تمام فتوحات کو خدا کے رحم وکرم کا نتیجہ سمجھا ،انھیں دعا کے بے پناہ اثر پر یقین تھا، جب کبھی وہ کسی کام کو شروع کرتے تھے تو پہلے اللہ تعالی سے کامیابی کی دعا کرتے ۔بابر فقط ایک عظیم فاتح ہی نہ تھے ،وہ ایک فاضل ،سوانح نگار، مصنف ،اور شاعر بھی تھے ۔وہ اعلیٰ زوق سلیم کے مالک تھے ،انھیں نظم ونثر دونوں میں ایک ساتھ قدرتی طرز نگارش کا نہایت بڑا ملکہ حاصل تھا۔بابر نامہ جس میں انھوں نے اپنی سوانح حیات قلمبند کئے ہیں ،ایک ایسی تصنیف ہے جسے بے دریغ ’گبن‘ اور ’نیوٹن‘ کے خودنوشتہ سوانح حیات کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے ۔یہ تصنیف سادگی اور دیانتداری جس کی خصوصیت ہے ، جملہ نقاد حضرات سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں سچ ہی سچ ہے حتی کہ مبالغہ آرائی سے بھی پاک ہے ۔اس میں بابر کی زندگی کے واقعات تفصیل سے لکھے گئے ہیں ۔جہاں جہاں بابر پھرے ،ان جگھوں کے متعلق بھی لکھا گیا ہے اور جن جن شخصیتوں سے انھیں واسطہ پڑا ،ان کے متعلق بھی کافی معلومات دی گئی ہیں ۔بابر نے کہیں بھی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

اپنی فتح یا شکست کے بیان میں مبالغہ آرائی کی کوشش نہیں کی۔ بابر کو اخلاق کی منظر کشی میں ید طولے ہے۔ وہ چند جملوں میں کسی شخصیت کی حقیقی تصویر کھینچ دیتے ہیں گویا کہ وہ شخصیت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ حیرانی ہوتی ہے کہ بابر نے یہ سب کچھ کیسے حاصل کر لیا۔ کیونکہ اسے فکر سخن یا اپنی سوانح حیات کے لکھنے کے لئے بہت کم تنہائی میسر رہی۔ وہ کبھی تو شعر جنگ سے پہلے کہتے تھے یا کبھی جب وہ باہر سیر وشکار کے لئے نکلتے تھے۔ اس کے علاوہ بابر خود ایک اعلیٰ خوش نویس تھے۔ انھوں نے کتابت کی ایک نئی طرز ایجاد کی جس کا نام انھوں نے ''خط باری'' رکھا۔ انھوں نے اس طرز میں قران حکیم لکھ کر اسے مکہ بھیجا۔ بابر کے طوفانی جنگی لائحہ عمل اور معرکے بابر کے علمی ذوقِ وجدان کو کند نہ کر سکے۔ بے پناہ اور مسلسل مصائب وآلام کے باوجود بابر اپنے ذوق سلیم کی پرورش کرتے رہے اور کبھی اپنی زندگی بے کیف نہ ہونے دی۔ جس سہولت اور خوبصورتی سے بابر نے مختلف کیفیات کو شعر کے سانچے میں ڈھالنے کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل داد ہے۔

معاشی اور معاشرتی نظام۔

موسیقی کے ساز وآہنگ کا ذوق بابر کی ہمہ گیر طبیعت میں حد کمال کو پہنچا ہوا تھا، اس بات کا تذکرہ خود انھوں نے اپنی سوانح میں کیا ہے۔ ان کی تمام تقریبوں کی رونق موسیقی سے دوبالا کی جاتی تھی۔ اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کو موسیقی کی محبت بابر سے ورثے میں ملی۔ اس کے علاوہ قدرتی مناظر جیسے کوئی خوبصورت پہاڑ یا دریا یا کوئی خوبصورت باغ یا پھولوں کی کیاری دیکھ کر ضرور انکے منہ سے کوئی نہ کوئی تعریفی جملہ نکل جاتا تھا، جس سادگی اور صفائی سے وہ قدرت کے حسن کو بیان کرتے ہیں، وہ انکے احساس کی گہرائی پر دلالت کرتا ہے۔ گل ولالہ کا کوئی منظر انکی طبیعت میں ایک وجدانی کیفیت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا۔ جب وہ ہندوستان آئے تو اس ملک کو طبعی جمال سے یکسر عاری پایا۔ اس کمی کے سبب انھیں عموماً اپنے گل وثمر سے بھرپور وطن کی یاد آتی رہتی تھی۔ بابر نے سرزمین ہند کی جو خدمات کی ہیں، ان میں ایک خدمت ''فن باغبانی'' کا رواج بھی ہے۔ وہ ایسے باغوں کے دلدادہ تھے جن میں فوارے، آبشاریں اور پھولوں کی کیاریاں اپنی بہار دکھا رہی ہوں۔ درختوں اور پھولوں سے متعلق انکی معلومات بے حد وسیع تھیں۔ انھوں نے کابل میں دس باغ لگوائے۔ جمنا کے کنارے ان کا لگایا ہوا 'رام باغ' بعد میں چل کر جہانگیر اور شاہجہان کے 'شالامار' اور 'نشاط باغ' کا پیشرو ثابت ہوا۔ بابر کو عمارتیں بنانے کا شوق بچپن سے تھا۔ غزنی، قندھار اور کابل میں انھوں نے مسجدیں، مقبرے اور کاروان سرائے بنوائے۔ ہندوستان میں انھوں نے قسطنطنیہ سے معمار بلوائے۔ انکی ذاتی نگرانی میں آگرہ، فتح پور، سیکری اور گوالیار میں کئی خوبصورت عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ وہ مسجد جو بابر نے پانی پت میں ابراہیم لودھی پر فتح حاصل کرنے کی خوشی میں بنوائی وہ ابتک موجود ہے۔ بابر کے پوتوں نے بابر سے ہی تعمیراتی ذوق سیکھا حتی کہ یہ ذوق ترقی کرتا ہوا ایک خاص شکل اختیار کر گیا جسے 'مغلیہ فن تعمیر' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

پہلی جنگ پانی پت: 21 اپریل 1526ء

مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر اور سلطان ابراہیم لودھی شاہ دہلی کے درمیان میں 1526ء میں پانی پت کے میدان میں ہوئی۔ سلطان ابراہیم لودھی کی فوج ایک لاکھ جوانوں پر مشتمل تھی۔ اور بابر کے ساتھ صرف بارہ ہزار آدمی تھے۔ مگر بابر خود ایک تجربہ کار سپہ سالار اور فن حرب سے اچھی طرح واقف تھا۔ سلطان ابراہیم لودھی کی فوج نے زبردست مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ سلطان ابراہیم لودھی اپنے امرا اور فوج میں مقبول نہ تھا۔ وہ ایک شکی مزاج انسان تھا، لاتعداد امرا اس کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے، یہی وجہ ہے کہ دولت خان لودھی حاکم پنجاب نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور مالی وفوجی مدد کا یقین دلایا۔ بابر اور ابراہیم لودھی کا آمنا سامنا ہوا تو لودھی فوج بہت جلد تتر بتر ہو گئی۔ سلطان ابراہیم لودھی مارا گیا اور بابر فاتح رہا۔ پانی پت کی جنگ میں فتح پانے کے بعد بابر نے ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بابر فاتحانہ انداز میں دہلی میں داخل ہوا۔ یہاں اس کا استقبال ابراہیم لودھی کی ماں بوا بیگم نے کیا۔ بابر نے نہایت ادب واحترام سے اسے ماں کا درجہ دیا۔ دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے اندرونی بغاوت کو فرو کیا پھر گوالیار، حصار، ریاست میوات، بنگال اور بہار وغیرہ کو فتح کیا۔ اس کی حکومت کابل سے بنگال تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی۔ 26 دسمبر، 1530ء کو آگرہ میں انتقال کیا اور حسب وصیت کابل میں دفن ہوا۔ اس کے پڑپوتے جہانگیر نے اس کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنوائی جو بابر باغ کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ سال کی عمر سے مرتے دم تک اس بہادر بادشاہ کے ہاتھ سے تلوار نہ چھٹی اور بالآخر اپنی آئندہ نسل کے لیے ہندوستان میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوا۔ تزک بابری اس کی مشہور تصنیف ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف تلوار کا دھنی تھا، بلکہ قلم کا بھی بادشاہ تھا۔ فارسی اور ترکی زبانوں کا شاعر بھی تھا اور موسیقی سے بھی خاصا شغف تھا۔

بابر کا دور: مغلیہ فن تعمیر کا آغاز بابر کی پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی پر فتح یاب کے بعد سے ہوتا ہے۔ تزک بابری سے پتہ چلتا ہے۔ کہ بابر تیموری روایات کا صحیح قلعدار اور سرپرست تھا۔ اسے نہ صرف علوم وفنون اور قدرتی مناظر سے دلچسپی تھی۔ بلکہ اسے خاندانی روایات کے مطابق فن تعمیر سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ بابر جتنا عرصہ ہندوستان رہا۔ لڑائیوں میں مصروف رہا۔ اس لئے اسے اپنے ذوق کو اجاگر کرنے کے زیادہ موقع نہ مل سکا۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے ذوق کے لئے کچھ عمارات بنوائیں۔ بابر نے برصغیر میں بارہ دریاں اور چہار باغ بنوا کر اپنے ذوق کو تسکین دی۔ بابر نے باغات میں سدابہار اور پھل دار درخت لگوانے کے علاوہ مختلف قسم کے پھولوں سے سجایا۔ باغ کے دوران ایک بلند کرسی پر بارہ دری بنائی گئی۔ باغ میں داخل ہونے کے لئے پختہ اینٹوں کی روش ہوتی تھی۔ روشوں کے بیچ میں نہر اور فوارے چلتے تھے۔ روشوں کے قریب ہی درخت لگائے جاتے تھے۔ بابر کا زمانہ اقتدار صرف چند سالوں پر مشتمل تھا۔

بابر اور ابراہیم لودھی کا آمنا سامنا ہوا تو لودھی فوج بہت جلد تتر بتر ہو گئی۔ سلطان ابراہیم لودھی مارا گیا اور بابر فاتح رہا۔ پانی پت کی جنگ میں فتح پانے کے بعد بابر نے ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بابر فاتحانہ انداز میں دہلی میں داخل ہوا۔ یہاں اس کا استقبال ابراہیم لودھی کی ماں بوا بیگم نے کیا۔ بابر نے نہایت ادب

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

واحترام سے اسے ماں کا درجہ دیا۔ دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے اندرونی بغاوت کو فرو کیا پھر گوالیار، حصار، ریاست میوات، بنگال اور بہار وغیرہ کو فتح کیا۔اس کی حکومت کابل سے بنگال تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی۔ 26 دسمبر، 1530ء کو آگرہ میں انتقال کیا اور حسب وصیت کابل میں دفن ہوا۔اس کے پڑپوتے جہانگیر نے اس کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنوائی جو بابر باغ کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ سال کی عمر سے مرتے دم تک اس بہادر بادشاہ کے ہاتھ سے تلوار نہ چھٹی اور بالآخر اپنی آئندہ نسل کے لیے ہندوستان میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوا۔تزک بابری اس کی مشہور تصنیف ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف تلوار کا دھنی تھا، بلکہ قلم کا بھی بادشاہ تھا۔فارسی اور ترکی زبانوں کا شاعر بھی تھا اور موسیقی سے بھی خاصا شغف تھا۔

سوال نمبر 14۔ ''شیر شاہ سوری ایک کامیاب حکمران تھا'' وضاحت کریں۔

جواب:۔

شیر شاہ سوری ان نامور اور شہرہ آفاق شخصیتوں میں سے ہے جنھوں نے خاک سے ابھر کر عظمتوں کا بلند مقام حاصل کیا اور اپنی اولاالعزمی، خداداد لیاقت اور اعلیٰ فہم وفراست سے کام لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔شہر شاہ نہایت دانشمند، موقع شناس، دوراندیش، معاملہ فہم اور گہری ذہانت کا مالک تھا۔ وہ ایک نہایت عمدہ جرنیل تھا۔ اس نے اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں جو شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔نظم ونسق، رفاہِ عامہ کے کام، زراعت واقتصادیات کی ترقی کیں اس کا کردار مثالی تھا۔

کاشان اکیڈمی

ابتدائی حالات۔ اصل نام فرید خان تھا۔سلطان محمد حاکم بہار کی ملازمت کے زمانے میں تلوار سے ایک شیر کو ہلاک کیا تو شیر خاں کا خطاب ملا۔تخت نشینی کے وقت شیر خاں کا لقب اختیار کیا۔شیر خاں کے والد کا نام حسن خان اور دادا کا نام ابراہیم سوری تھا۔ جو ایک افغان قبیلہ ''سور'' سے تعلق رکھتے تھے۔ جو پشاور کے نزدیک روہ (roh) نامی پہاڑی علاقہ میں آباد تھا۔ شیر شاہ کے والد حسن خان، بہلول لودھی کے زمانے میں پنجاب میں ہوشیار پور کے علاقہ ہریانہ بکھالہ کے جاگیردار مہابت خاں سوری اور داؤد خان ساہوخیل کے ہاں ملازم ہو گئے۔ ہوشیار پور سے دو میل دور باجواڑہ کے مقام پر رہائش پذیر ہوئے تو یہیں 1472ء یا 1486ء میں فرید خاں پیدا ہوا۔سکندر خاں لودھی نے جب جمال خاں کو بہار کا گورنر مقرر کرکے جونپور بھیجا تو اس نے حسن خاں کو سہسرام، حاجی پور، خواص پور اور ٹانڈہ کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ باپ کی سرد مہری اور سوتیلی ماں کی بدسلوکی سے تنگ آکر فرید خاں جانپور چلا گیا۔ جہاں اس نے اپنی ابتدائی تعلیم میں عربی، فارسی زبان کے علاوہ دیگر علوم میں مہارت حاصل کی۔ جمال خان حاکم جونپور نے فرید خان کی ذاتی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر باپ بیٹے میں صلح کرادی۔ حسن خان نے اپنے بیٹے فرید خان کو اپنی جاگیر کا منتظم بنادیا۔ ماں کی بدسلوکی سے دوبارہ تنگ آکر بیس سال بعد فرید خاں نے اپنے گھر سے نکل کر آگرہ میں ابراہیم لودھی کے ایک جرنیل دولت خاں کی ملازمت اختیار کرلی۔اس کے والد حسن خان کی وفات پر حسن خان کی جاگیر حکم شاہی سے اس کے نام کردی گئی۔ وہ سہسرام میں سکونت پذیر ہوگیا۔ بعدازاں اپنے بھائیوں سے جاگیر کی تقسیم پر اختلاف ہوا تو فرید خان نے بہار خاں لوہانی کی ملازمت اختیار کی۔ پھر اسی جاگیر کے تنازعہ میں اس نے ملازمت کو چھوڑا اور اپریل 1527ء کو فرید خان مجبوراً شہنشاہ بابر کی ملازمت سے وابستہ ہوگیا۔ بعدازاں بہار کے حاکم سلطان محمد شاہ کی ملازمت دوبارہ اختیار کرلی۔سلطان محمد شاہ کی وفات پر سلطان کی بیوی نے شیر شاہ کو نوعمر جلال خاں کو سرپرست بنانے کے علاوہ بہار کا نائب منتظم بھی کردیا۔اس طرح اس کو اپنی پوزیشن مستحکم بنانے کا موقع مل گیا۔ بیوی کی وفات پر وہ بہار میں سیاہ سفید کا مالک بن گیا۔1530ء میں بہلول لودھی کے قریبی رشتہ دار اور قلعہ چنار کے سابق حاکم تاج خاں کی بیوہ لاڈو ملکہ سے شادی کرکے اپنی قوت اور مالی حالت کو مستحکم بنالیا۔ دوراہہ کی جنگ میں ہمایوں کی شکست سے اور شیر ہوگیا۔ ہمایوں نے چنار کا محاصرہ کیا تو اس نے بڑی تدبیر سے صلح کرلی بعدازاں پانچ سال تک بہادر شاہ والی، گجرات کے خلاف ہمایوں کی فوج کشی کے زمانے میں شیر خاں نے اپنی پوزیشن مزید مضبوط کرلی۔ دسمبر 1520ء کو فرید خان نے شیر شاہ کا لقب اختیار کرکے گور کے مقام پر اپنی بادشاہت کا اعلان کرتے ہوئے سوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ہمایوں کے فرار کے بعد شیر شاہ اس کے تعاقب میں دہلی اور لاہور سے خوشاب تک پہنچا لیکن ہمایوں کی سندھ روانگی کے بعد اس نے فوجیں اس ے تعاقب میں بھیجیں۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

شیر شاہ سوری کی فتوحات۔

ا۔مالوہ (1542ء) بنگال سے واپسی کے بعد شیر شاہ نے 1542ء میں مالوہ پر حملہ کیا جسکی فتح سلطنت کے استحکام اور بقا کے لئے ضروری تھی۔ اپریل میں شیر شاہ گوالیار فتح کرتا ہوا سارنگ پور جا پہنچا۔ملوخان (قادر شاہ) حاکم مالوہ نے مرعوب ہو کر اطاعت قبول کرلی۔شیر خاں نے اپنے جرنیل شجاعت خاں کو مالوہ کا گورنر مقرر کیا اور رنتھمبور کو زیرنگیں کرتے ہوئے آگرہ لوٹ آیا۔

۲۔ قلعہ رائے سین (1543ء)۔ رائے سین کا قلعہ وسط ہند میں بندھیاچل کے پہاڑی علاقہ میں واقعہ ایک اہم فوجی مرکز تھا۔ رائے سین کے راجہ پورن مل ہندو چوہان نے چندیری کے شہر کو تاخت وتاراج کرکے مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا تھا۔1543ء میں شیر شاہ نے پورن مل کو سزا دینے کے لئے رائے سین کے قلعے پر حملہ کیا۔ پورن مل انجام کو پہنچا اور قلعہ شیر شاہ کے قبضہ میں آگیا۔

۳۔ ملتان اور سندھ۔ شیر شاہ کے قیام خوشاب کے دوران سندھ فتح ہوا تو شیر شاہ نے وہاں پر ایک مقامی سردار اسماعیل خاں کو حاکم مقرر کیا۔1542ء میں شیر شاہ نے پنجاب کے گورنر ہیبت خان نیازی کو نواحی علاقوں کی فتح اور باغی سرداروں کی گوشمالی پر مامور کیا۔ ہیبت خان نیازی نے سب سے پہلے پاکپتن کا محاصرہ کرکے وہاں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

کے حاکم جاٹ فتح خاں کو گرفتار کر کے قتل کیا۔اس کے بعد ہیبت خاں نیازی نے ملتان کے حاکم بخشولنگا کے خلاف فوج کشی کی اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔شیر شاہ نے بخشولنگا اور اس کے بیٹے کی جان بخشی کرتے ہوئے ان کی جاگیر بحال رکھی ۔اس طرح پنجاب اور سندھ کے تمام علاقے شہر شاہ کے قبضہ میں آ گئے۔

۴۔ **راجپوتانہ۔** میواڑ کے راجہ سانگا کی وفات کے بعد راجہ مال دیو راٹھور گدی نشین ہوا۔راجہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیش نظر شیر شاہ نے 1543ء میں مارواڑ پر حملہ کر دیا اور بڑی جدوجہد کے بعد کامیابی حاصل کی۔شیر شاہ مارواڑ سے میواڑ کی طرف بڑھا، جہاں کمسن راجہ اودھ سنگ کی حکومت تھی۔راجہ نے مقابلہ کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔بعدازاں شیر شاہ راجپوتانہ اور سلطنت کے اہم مقامات کے درمیان ذرائع مواصلات کے تحفظ کے لئے فوجی دستے متعین کرتا ہوا آگرہ لوٹ آیا۔

سوال نمبر 15۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔

(i) مغل دور حکومت کی ثقافتی تاریخ۔

جواب۔

عہد مغلیہ اور خطاطی۔

مختلف فن میں ماہر لوگوں کی اکثریت: ہندوستان میں ہر شعبے سے متعلقہ ماہرین فن آسانی سے مل جاتے تھے۔جہاں کسی کام کو نمٹانے کے لئے بلاتردد پایہ تکمیل تک پہنچانے والے لوگ موجود ہوں تو اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔مغلیہ دور میں عمارات بننے کی وہی وجہ بنی۔یہ لوگ نسل درنسل یہی کام کرتے چلے آرہے ہیں۔

ماہرین فن تعمیر: عمارات کی تعمیر اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک اس کو بنانے والا ذہن موجود نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے زیر اثر فن تعمیر کے شعبے کو بہت ترقی ملی۔کیونکہ بادشاہ کے پاس عمارت کا ڈھانچہ موجود ہوتا تھا۔اس کی تعمیر کے لئے مزدور اور دولت موجود ہوتی تھی۔لیکن اس کی خواہشات کے عین مطابق عمارت کو ڈھالنے کا ذمہ ماہرین فن تعمیر کے پاس تھا۔

پرامن ماحول: ذہنی سکون ایک ایسی دولت ہے۔جو اگر میسر نہ ہو تو انسان کسی طرح کی ذمہ داری سے عہدہ براہ نہیں ہو سکتے۔مغلیہ حکومت میں فن تعمیر کو عروج حاصل ہونے میں پرامن ماحول کا بہت عمل دخل ہے۔مغل بادشاہوں میں صرف بابر اور ہمایوں کو زیادہ تعمیرات کرنے کا موقع نہ ملا۔دوسرے بادشاہوں نے اپنے پرامن ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ذاتی ذوق: کوئی کام اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔جب تک اس کے کرنے والے ذاتی دلچسپی کا اظہار نہ کریں۔بابر سے لے کر اورنگ زیب تک تمام بادشاہ اس میدان میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔اور اسی ذوق نے انہیں ایسی شاندار عمارات بنوانے پر مجبور کیا۔جن کی شان وشوکت سے ہم انحراف نہیں کر سکتے۔

بادشاہ کے کردار کا عکس: مغلیہ دور کی ہر عمارت اپنے تعمیر کنندہ کے ذوق و کردار کا عکس پیش کرتی ہے۔ان عمارات کو بنوانے کا مقصد بادشاہوں کے نزدیک اپنی ذات کا منوانا تھا۔اس لئے انہوں نے اپنے ذات کا اظہار عمارت کی صورت میں کیا۔

خام اشیاء کی سہولت: مغل بادشاہ شاہجہان اپنے ذہنی رجحانات کی بدولت اس فن کو آگے بڑھا رہے تھے۔وہاں رجحانات ایک دور میں فن تعمیر کی ترقی میں یہ وجہ سب سے اہم ہے۔کہ خام اشیاء آسانی سے مل جاتی تھیں۔

مسئلہ روزگار: فن تعمیر کی ترقی کی ایک بڑی وجہ روزگار کے مسئلہ کو حل کرنا مقصود تھا۔کیونکہ مغل باشاہ بہت رعایا پرور تھے۔اور وہ عمارات کی تعمیر سے ہزاروں لوگوں کو روزگار مہیا کرنا چاہتے تھے۔

مغلیہ فن تعمیر کے مختلف ادوار: مغلیہ فن تعمیر کو فن کی ترقی کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔کیونکہ اس فن نے بتدریج کئی ترقی کی منازل طے کیں۔اور آخر کا شاہجہانی دور میں یہ فن انتہائے کمال کو پہنچا۔

بابر کا دور: مغلیہ فن تعمیر کا آغاز بابر کی پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی پر فتح یاب کے بعد سے ہوتا ہے۔تزک بابری سے پتہ چلتا ہے۔کہ بابر تیموری روایات کا صحیح قلعدار اور سرپرست تھا۔اسے نہ صرف علوم وفنون اور قدرتی مناظر سے دلچسپی تھی۔بلکہ اسے خاندانی روایات کے مطابق فن تعمیر سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔بابر جتنا عرصہ ہندوستان رہا۔لڑائیوں میں مصروف رہا۔اس لئے اسے اپنے ذوق کو اجاگر کرنے کے زیادہ موقع نہ مل سکا۔لیکن پھر بھی اس نے اپنے ذوق کے لئے کچھ عمارات بنوائیں۔بابر نے برصغیر میں بارہ دریاں اور چہار باغ بنا وا کر اپنے ذوق کو تسکین دی۔بابر نے باغات میں سدابہار اور پھل دار درخت لگوانے کے علاوہ مختلف قسم کے پھولوں سے سجایا۔باغ کے دوران ایک بلند کرسی پر بارہ دری بنائی گئی۔باغ میں داخل ہونے کے لئے پختہ اینٹوں کی روش ہوتی تھی۔روشوں کے بیچ میں نہر اور فوارے چلتے تھے۔روشوں کے قریب ہی درخت لگائے جاتے تھے۔بابر کا زمانہ اقتدار صرف چند سالوں پر مشتمل تھا۔

ہمایوں کا دور: ہمایوں کا عہد حکومت پرآشوب دور تھا۔بیچارہ ہمایوں چند ماہ سے زیادہ سکون سے حکومت نہ کر سکا۔اور اس نے پندرہ سال بڑی کسمپرسی میں جلاوطنی میں گزارے۔اس کے باوجود جتنے لمحات اسے میسر آئے۔اس نے تعمیرات کی طرف خاص توجہ دی۔پہلے دس سال کی حکومت میں جنگ وجدل اور ہنگامی حالات کے باوجود اس نے دین پناہ کا شہر تعمیر کروایا۔اور آگرہ کا ہفت ایوان محل تیار کروایا۔جس میں سات ایوان سات ستاروں کے نام سے منسوب تھے۔ہر روز دربار منعقد کرنے کے لئے ایوان منتخب کیا۔اس کے علاوہ بابر کے چند ایک تعمیری منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک کی تمام کلاسز کی وارڈ فائل اور ہاتھ سے لکھی ہوئی اسائمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی امتحانی تیاری کے لئے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

اکبر کا عہد: اکبر اعظم کے عہد کی عمارات سے معلوم ہوا ہے کہ اکبر کا فن تعمیر ہندوستانی ایرانی اور اسلامی فنون تعمیر کا مرقع ہے۔اس کے عہد میں مغلیہ فن تعمیر کو رواج ہوا۔اور مزید ترقی کی منازل اس فن نے اسی کے دور میں طے کیا۔

اکبر کے دور کی تعمیرات کی خصوصیات: دورا کبر میں فن تعمیر نے مزید ترقی کی۔اس دور میں سنگ سرخ کا استعمال کثرت سے ہوا۔راجپوت فن کے گہرے اثرات اس کے عہد کی عمارات میں دکھائی دیتے ہیں۔سنگ سرخ اسے بہت پسند تھا۔اکبری دور میں گبند کے بارے میں ایک جدت اختیار کی گئی۔اس دور میں دوہرے گبند اور عمارات کی بلندی کا اصول ترک کر دیا گیا۔عمارتوں میں ہندوانہ طرز کے ستون اور برآمدے کے دروازوں کی تعمیر شہری اسلوب پر کی گئی۔

دورا کبری کی عمارات: اکبر کو بھی فن تعمیر سے خاص لگاؤ تھا۔اس کے عہد میں حکومت میں نہ صرف مساجد اور باغات تعمیر کروائے گئے بلکہ بے شمار قلعے،تالاب مینار اور سرائیں بھی تعمیر ہوئیں۔

ہمایوں کا مقبرہ: مقبرے کی تعمیر کا آغاز 1564ء میں ہوا۔اکبر دور کی اس عمارت سے اکبر کی رواداراانہ پالیسی کا آغاز ہوتا ہے۔اس میں ہندوانہ طرز تعمیر کی بعض چیزیں اختیار کی گئیں۔ہشت پہلو کرہ جس میں ہمایوں اور دس دوسرے افراد کی قبریں ہیں۔سنگ مرمر سے مزین محرابیں اس عمارت کے قابل ذکر حصے ہیں۔اس مزار کے ادھر کسی زمانے میں ایک مدرسہ ہوتا تھا۔جواب نابود ہو چکا ہے۔

اس مقبرے کی کرسی 22 فٹ بلند ہے۔اس کے اردگرد قرآن خوانی کے لئے چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں۔عمارات کے چاروں کونوں پر مینار ہیں۔اصل قبر کے اوپر ایک بلندو بالا قبر ہے۔جس کے کندھے پہلوانوں کی طرح ابھرے ہوئے ہیں۔بیرونی طور پر یہ گبند معمولی طور پر بلند نظر آتے ہیں۔

قلعہ آگرہ: اکبر نے آگرہ میں جو قلعہ بنوایا ہے۔وہ تمام کام سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔یہ ایک عظیم عمارت 4249 فٹ لمبی اور 260 فٹ چوڑی ہے۔اس عمارت سے ہندوانہ طرز تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔کیونکہ اس میں زیادہ تر شہتری اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔اس میں محرابیں نہیں ہیں۔

فتح پور سیکری: یہ شہر کچھ عرصہ تک اکبر کا دارالحکومت بھی رہا ہے جو آگرے سے چھتیس میل کی مسافت پر موجود ہے۔اکبر نے اس زمانے میں جو عظمت بخشی اس کے کھنڈرات آج تک اس کے گواہ ہیں۔اس شہر کے بارے میں لین پول لکھتا ہے۔ہندوستان میں اس تباہ شدہ شہر سے زیادہ حسرتناک اور خوبصورت کچھ نہیں یہ ایک پریشان خواب کی خاموش تاریخ ہے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

(ii) بلبن کا دور حکومت۔

جواب۔

غیاث الدین بلبن

ایبک اور التمش کی طرح بلبن بھی غلام جیسی حقیر حیثیت سے سیاسی زندگی شروع کی تھی اور پھر بعد میں محض خداداد قابلیتوں کی بنا پر اعلیٰ ترین پر پہنچا تھا۔بلبن نسلاً ترک تھا۔اس کا باپ ترکستان (وسط ایشیا) کے الباری قبیلہ کا سردار تھا جو کہ دس ہزار خاندانوں پر فرمانروائی کرتا تھا۔

بلبن کے کارنامے بہ حیثیت نائب السلطنت

سلطان ناصرالدین کا بیس سالہ دورِ حکومت دراصل بلبن کے سنہری کارناموں کا ریکارڈ ہے۔بلبن نے منگوال کو سختی سے روکا۔ہندو راجگان کی بغاوتوں کو فرو کیا۔مسلم امراء کو اپنے قابو میں رکھا تاکہ بغاوت نہ کرسکیں۔ملک میں امن وامان قائم رکھا اور مسلم حکومت کو مضبوط تر بنایا۔

سلطان غیاث الدین بلبن (1266ء۔1286ء)

بلبن نے جب بہ حیثیت سلطان ہند حکمرانی شروع کی تو اسے انہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن کا بہ حیثیت نائب السلطنت کرنا پڑا تھا۔بہ حیثیت نائب السلطنت اگرچہ وہ بہت زیادہ خود مختار تھا لیکن پھر بھی سلطان ناصرالدین اس کے احکام کو بدلنے یا تبدیل کرنے کی اہلیت ضرور رکھتا تھا۔لیکن جب وہ سلطان دہلی خود بنا تو تمام قوتیں اس کے اپنے دائرۂ اقتدار میں آ گئیں اس لئے انہی پُرانی مشکلات کا مقابلہ اس نے بہت تیزی اور بے وردی سے کیا۔

مضبوط مرکزی حکومت کا قیام

التمش کی وفات کے بعد نا اہل جانشینوں نے مرکزی حکومت کو مزکور کر دیا تھا۔اور مسلم امراء اس وقت بغاوت کی سوچ رہے تھے۔اس لئے بلبن نے سب سے پہلے مرکزی حکومت کو مستحکم کرنے کی تجاویز پر غور کیا۔اس کے لئے داخلی نظام حکومت میں دوررَس تبدیلیاں کیں۔حتیٰ کہ اس کا نظام حکومت نیم فوجی ونیم معاشرتی اصولوں کا مجموعہ تھا۔سلطان خود تمام اختیارات کا سرچشمہ تھا۔اور اپنے تمام احکامات چلا رہے تھے،قوت اختراع نہیں رکھتے تھے۔ہر پیچیدہ مسئلے پر احکام کے لئے سلطان کے آگے دستِ نگر رہتے تھے۔انصاف پسندی میں سلطان اپنی مثال آپ تھا اور دادرسی کے وقت وہ رشتہ داری یا دوستی کا بالکل لحاظ نہیں کرتا تھا۔نظام انصاف کو فعال بنانے کے لئے سلطان نے تمام سلطنت میں واقعہ نویس اور خفیہ نویس عہدہ داروں کا جال بچھا دیا۔ہر سرکاری افسر کو خطرہ ہوتا تھا کہ اگر اس نے کسی کے ساتھ بے انصافی کی تو جاسوس فوراً سلطان کو خبر پہنچا دیں گے اور پھر اسے روز بد دیکھنا پڑے گا۔

مسلم امراء کا بڑھتا ہوا متکبرانہ رویہ سلطان کے لئے کھلا چیلنج تھا۔سلطان کسی زمانے میں خود بھی غلام رہا تھا اور غلاموں کے چہل دستہ کا رکن بھی تھا۔ان امراء کو بہت بڑی جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔جن کی آمدنی سے زندگی بڑی آرام وآسائش سے گزرتی تھی ان کا فرض اپنے علاقے میں امن قائم رکھا اور بوقت ضرورت سلطان کو

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

افواج مہیا کرتا تھا۔ یہ اکثر فوجی خدمت سرانجام دینے سے کتراتے تھے چنانچہ سلطان نے حکم دے دیا تھا کہ ان کی تمام جاگیریں چھین لی جائیں۔ سلطان کے اس حکم سے مسلم امراء میں کہرام مچ گیا۔ کوتوال دہلی جس پر سلطان کی نظرِ التفات تھی کی سفارش پر ان کی جاگیریں تو بحال کر دی گئیں لیکن ان جاگیرداروں نے یہ سبق سیکھ لیا کہ سلطان کی نافرمانی کرنا بڑا مہنگا سودا ہے۔ سلطان کا بھتیجا شیر خان جو کہ سرحدی صوبوں کا تحویل دار تھا اور منگول کو روکنے میں بہت کامیابیاں حاصل کی تھیں، جب اُس نے سلطان کے خلاف بغاوت کا سوچا تو سلطان نے فوراً زہر دلوا کر اسے ختم کروا دیا۔

بلبن کا نظریہ حکومت

اس کی حکومت ایک فوجی مطلق العنانی تھی۔ سلطان ہر طاقت کا سرچشمہ تھا۔ ہر پیچیدہ معاملے کے فیصلے کے لئے سلطان کے احکام کی ضرورت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ شہزادے اور صوبائی گورنر بھی کوئی امتیازی اختیارات نہیں رکھتے تھے۔ ان کا کام صرف تعمیل حکم تھا نہ کہ احکامات جاری کرنا۔ سلطان کا دربار شان و شوکت کی زندہ تصویر تھی۔ بلبن نے وقار شاہی اور آداب شاہی کا خاص خیال رکھا۔ اس کے دربار میں زریفت کے پردوں، منقش فرشوں اور چاندی سونے کے برتنوں نے شان و شوکت کا عجیب ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ دربار کے نقیبوں کی آواز دو دو میل تک سنائی دیتی تھی۔ اور لوگوں کے دل سہم جاتے تھے۔ کہ کبنہ شاہی نکلتا تھا تو سو سو میل سے لوگ دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ قدم قدم پر صدائے بسم اللہ اس زور سے بلند ہوتی تھی کہ ساری فضاء گونج اٹھتی تھی۔ بلبن نے نائب السلطنت ہونے کے زمانے میں اور نہ ہی بادشاہی کے زمانے میں کبھی کسی کم مرتبہ یا کم حیثیت والے فرد سے بات کی تھی۔ بلبن کو بتایا گیا کہ اس کے یہ افعال غیر شرعی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ نمود و نمائش ضروری ہے ورنہ سلطان کا رُعب لوگوں پر نہیں بیٹھتا اور پھر بغاوت کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ احساس بادشاہی اسے اتنا زیادہ تھا کہ وہ اپنے ادنی ترین ملازم کے سامنے بھی پورے شاہی لباس کے بغیر سامنے نہیں آتا تھا۔ وہ مظلوموں اور عاجزوں کے ساتھ ماں باپ کا سا مشفقانہ سلوک کرتا تھا۔ اس کی انصاف پروری نے غریبوں کے دلوں میں اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ اسی عدل گستری اور رعیت پروری نے اسے قبول عام بنا دیا تھا۔ ایک اچھا مسلمان ہونے کے باوجود اس کا یہ اصول تھا کہ جب تک شرعی اصول ملکی ضروریات سے نہیں ٹکراتے وہ ان کا پورا احترام کرتا تھا لیکن جہاں صورت حال مختلف ہوتی تھی وہاں اس کا عمل بھی مختلف ہوتا ہے۔

بدامنی کو سختی سے کچلنا

ملک میں پائیدار امن قائم رکھنے کے لئے ایک منظّم اور چست فوج تیار کی گئی۔ اس کی مدد سے دو آب اور اس کے گرد و نواح میں امن قائم کیا کیونکہ وہ اب ہمیشہ بغاوتوں کا گڑھ رہا ہے۔ میواتیوں کی سرکشی حکومت وقت کے ہر درد سر تھی۔ وہ دہلی کے گرد نواح میں ڈاکے ڈالتے تھے اور رات کے وقت دارالحکومت پر بھی شبخون مارتے تھے۔ بہشتیوں پر قاتلانہ حملہ کرتے تھے اور ان لڑکیوں کے کپڑے اتار لیتے تھے جو گرد و نواح سے پانی لینے جاتی تھیں۔ ان میواتیوں کی اتنی دہشت تھی کہ عصر کی نماز کے بعد دہلی کے مغربی دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ سلطان نے ان کی یورش کو سختی سے کچل دیا۔ ایک لاکھ باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کے گاؤں کو تباہ کر دیا۔ ان کے جنگلات کو صاف کیا اور ان کے علاقے کو پرامن اور زرخیز زرعی ضلع بنا دیا۔ فنِ لشکری کے اصول کے مطابق مناسب جگہوں پر قلعے تعمیر کئے۔ اپنی فوج رکھی اور اس طرح سے تمام ذرائع آمد و رفت کو محفوظ بنایا۔

سلطان نے ابھی میواتیوں کے فتنہ کو ختم ہی کیا تھا کہ روہیل کھنڈ میں بغاوت ہو گی، سلطان کے غضب کی کوئی حد نہ رہی فوراً ہی اپنی افواج کے ساتھ روہیل کھنڈ پہنچ گیا اور باغیوں کو تباہ کرنے میں دن رات ایک کر دیا۔ سخت کشت و خون ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ باغیوں کا خون ندی نالوں کی طرح بہہ رہا تھا۔ روہیل کھنڈ کے گاؤں اور جنگلات میں ہر جگہ لاشیں ہی نظر آتی تھیں۔ اور ان کی بدبو میلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ لاتعداد لکڑہاروں کو ان کے جنگلات میں بھیجا گیا تاکہ وہ درختوں کو کاٹ کر راستہ صاف کریں۔ پھر اسی علاقے میں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا اور یہاں پر خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔

منگول پالیسی

منگول حملے کا ہر وقت خدشہ رہتا تھا۔ ان کا حملہ اتنا اچانک اور خوفناک تھا کہ اس کی یادیں مدتوں محو نہ ہوتی تھیں۔ 1258ء میں بغداد کو تباہ کرنے کے بعد ان کی شہرت بد تمام وسطِ ایشیا میں پھیل چکی تھی۔ ان کے نام کی دہشت سے تمام لوگ کانپتے تھے۔ امیر خسرو ایک نامی گرامی شاعر تھا، جس کے مربی شہزادہ محمد پسر سلطان بلبن نے منگولوں کے ظلم و ستم کہ بہترین تصورا اپنے اشعار میں بنائی۔ جسے پڑھ کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ منگولوں کی چیرہ دستیوں نے وسط ایشیا میں بہت سے لوگوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اور وہ مسلح ہندوستان کے مہمان بنے۔ عوام الناس کے علاوہ ان پناہ گزینوں میں بہت سے اہل علم و فضل بھی یہاں آئے اور وہ شہزادہ محمد جیسے مربی کے سایۂ عاطفت میں رہنے لگے۔ بلبن اس پر بہت فخر کرتا تھا کہ وسط ایشیا سے تقریباً پندرہ بادشاہ بھاگ کر اُن کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ صرف مسلم ہندوستان ہی منگولوں کی دسترس سے بچا ہوا تھا لیکن ان کے اچانک حملے کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا اور وہ تقریباً ہر سال موسم سرما میں ہندوستان پر حملے کرنے آتے تھے۔ ان سے دفاع کے لئے بلبن نے اپنی فوج کو بہترین تنظیم دی اور خود دارالخلافہ سے باہر نہیں جاتا تھا۔ اور ہر وقت اپنی وسیع سلطنت کے غیر محفوظ علاقوں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ اس کھٹکے نے سلطان کی غیر ملکی حکمتِ عملی پر دور رس اثرات ڈالے۔ سلطان نے کبھی بھی دور دراز علاقے فتح کرنے کی کوشش نہ کی۔ اس کی تمام تر توجہ اپنی سلطنت کو منگول حملے سے بچانے پر مرکوز رہتی تھی۔ حتیٰ کہ انتظامی معاملے بھی اس طرح سے طے کئے جاتے تھے کہ منگول کے اچانک حملے کا سدِ باب بھی اس میں شامل ہو۔ بلبن نے تمام پرانے قلعوں کی مرمت کر دی تھی اور نئے بھی تعمیر کروائے تھے اور قابلِ اعتماد جرنیل متعین کئے تھے۔ بلبن نے نااہل فوجی افسروں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور اپنی زیرِ کمان مرکزی فوج کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ سلطان نے گکھڑوں پر زبردست تباہی نازل کی، کیوں کہ یہ چوری چھپے منگول کو ہندوستان پر حملے کرنے کی دعوت دیتے

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

تھے۔بلبن ہندوستان کا پہلا فرمانروا ہے،جس نے ہندوستان کے بچاؤ کے لئے شمال مغربی سرحدی حکمت عملی مرتب کی اور منگولوں کو ہمیشہ باہر دھکیلتا رہا۔

طغرل بیگ کی بغاوت (1280ء۔1279ء) طغرل بیگ جو کہ بلبن کا غلام تھا، گورنر بنال تھا۔دارالخلافہ سے بنگال کا بہت دور ہونا، ذرائع آمدورفت کی قلت اور بنگال کی ملیریا زدہ آب وہوا۔ان تینوں وجوہات کی رو سے دہلی کا بنگال پر کنٹرول کمزور تھا۔التمش نے بنگال کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنے بیٹے کو گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔التمش کے بعد بنگال سلطان کے قبضے سے ہروقت نکالنے کے لئے کوشش کرتا رہتا تھا۔چنانچہ طغرل بیگ نے علمِ بغاوت بلند کیا۔اس نے اپنی خودمختاری اعلان کر دیا۔خراج بھیجنا بند کر دیا اور اپنی بادشاہی کے سکے بھی جاری کرے شروع کر دیئے اور اپنا خطاب سلطان مغیث الدین مشہور کر دیا۔ان فتوحات سے سرشار ہو کر طغرل بیگ لکھنوتی تک آ گیا اور آتے ہی فوجوں کا قلع قمع کیا ان پے در پے شکستوں سے سلطان نے خود فوج کی کمان سنبھال لی۔اور بنگال جا پہنچا۔بلبن کی آمد سے طغرل بیگ اتنا دہشت زدہ ہوا کہ وہ اپنے دارالخلافہ سے بھاگ گیا لیکن سلطان نے اپنی ایک خاص جنگی چال سے اسے آن لیا۔طغرل بیگ وہاں سے بھی بھاگ نکلا لیکن بلبن کے کسی سپاہی کے ہتھے چڑھ گیا جس نے اسے فوراً قتل کر دیا۔سلطان نے اس سپاہی کو طغرل کش کا خطاب دیا۔ 1285ء میں سلطان محمد جو کہ بلبن کا چہیتا اور قابل ترین بیٹا تھا منگولوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔صدمہ سلطان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور 1286ء میں سلطان بلبن کی وفات ہوگئی۔

بلبن کے کارہائے نمایاں

بلبن کا چالیس سالہ دور آدھا بطور نائب السلطنت اور آدھا ایک مطلق العنان بادشاہ ہماری تاریخ میں ایک بے مثال واقعہ ہے۔وہ زمانہ نہایت ہی کشاکش اور آشوب کا دور تھا اور بلبن نے مشکلات کا مقابلہ نہایت ہی جواں مردی سے کیا۔اس نے سلطان کے عہدے کا وقار اور رعب بحال کیا۔اس کا دربار ایک عظیم الشان دربار تھا، جس میں شان وشوکت انتہا پر ہوتی تھی۔سلطان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت سنجیدہ مزاج تھا۔کبھی کسی نے اسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔جوانی میں شراب کا شوقین تھا لیکن سلطان بننے کے بعد اس سے مکمل طور پر پرہیز کیا۔ذاتی زندگی میں سلطان ایک مشفق باپ تھا۔اپنے وفادار ملازموں کے ساتھ سلطان کا سلوک نہایت ہی اچھا تھا۔لیکن حکم عدولی کرنے والوں کے لئے نہایت سخت سزا عام طور پر موت ہی نافذ کی جاتی تھی۔ایک جنگجو اور بہادر شاہ،اعلیٰ پایہ کا سیاست دان تھا۔اس نے نوزائیدہ مسلم ریاست کو تباہی سے بچایا۔انہی کارناموں کی وجہ ممکن ہوا کہ علاءالدین خلجی بعد از اں مغلوں کے سخت ترین حملوں کو دبانے میں کامیاب ہوا۔1286ء بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا کیقبا دتخت نشین ہوا،جس کی عمر صرف سترہ سال تھی، عیاشی کی لت میں پڑ گیا۔اس کا وزیر نظام الدین سب کچھ کرتا دھرتا تھا۔خود سارا وقت اپنی طاقت کو مستحکم بنانے میں گزارتا تھا تاکہ بالآخر تخت پر قبضہ کر سکے۔اس سے تمام سلطنت میں غیر یقینی کی فضا پھیل گئی۔اس نے بہت سے مخالفین کو ختم کروایا۔امراء ترک النسل اور پٹھان (خلجی) تھے، ان کی آپس میں کش مکش رنگ لائی۔آخرکار جلال الدین خلجی نے کیقباد کو مروا دیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔اس طرح سے خاندان غلاماں کا خاتمہ ہوگیا

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 16۔ ناقص مالیات نظام اور دیگر کس طرح مغل سلطنت کے زوال کا ثابت بنے؟ وضاحت کریں۔

جواب:

دنیاوی جاہ وجلال نے مغل بادشاہوں کو نااہل اور عیش پرست بنا دیا تھا اور انہوں نے اپنے امراء اور صوبے داروں کو امور سلطنت سونپ دیئے تھے جو خود اپنے حکمرانوں کی تقلید میں شاہانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ اس طرح عسکری نظام بھی متاثر ہوا۔مغلیہ حکومت کی بحرانی کیفیت سے ہندوستان میں آباد سکھوں اور مرہٹوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنی قوت کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔یورپی اقوام کی برصغیر میں آمد کے بعد سیاست نے رخ بدلا اور یہ اقوام مغلیہ حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض علاقوں پر قبضہ کرنے کیلئے آپس میں گلوگیر ہوگئیں۔دیسی ریاستوں کے تاجدار ان کے حواری بن گئے۔اسی عرصہ میں نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے مغلوں کی سیاسی قوت پر ایک اور کاری ضرب لگائی۔مسلمانوں کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔انگریزوں نے اس موقع پر ایسی حکمتِ عملی اختیار کی کہ پورے برصغیر پر قابض ہو گئے۔1857ء میں آخری مغل باشاہ بہادر شاہ کو تخت سے محروم کر دیا گیا اور مغلیہ حکومت کا چراغ گل ہوگیا۔

1۔ اخلاقی اقدار کا فقدان: اخلاقیات اسلام کی روح ہے۔اشاعت اسلام میں اسی لئے اخلاقیات نے اہم رول ادا کیا ہے۔غیرمسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کیہمہ گیر قوت کے آگے سرنگوں ہو کر اسلام قبول کیا۔ہندوستان میں اسلامی حکومت کے وقت تو اخلاقی اقدار پیش پیش رہی مگر آہستہ آہستہ معاشرے میں ان اقدار کو پسِ پشت ڈال دیا۔

سلاطین اور امراء نے غیر اسلامی شعائر کو اپنا لیا۔بداخلاقی اور بدکاری نے جنم لیا تو جہاں مذہبی تنزل ہوا وہاں سیاسی قوت کو بھی ٹھیس پہنچی۔مغل سلطنت کے آخری فرمانروا محمد شاہ عرف رنگیلا کی مثال تاریخ کے اوراق میں ملتی ہے جسے امورِ سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور مسلسل کئی ماہ تک بازارِ حسن میں بدمست رہتا تھا۔بادشاہوں کی تقلید میں امراء نے بھی اخلاق سے گرے ہوئے فعل اختیار کیے۔دنیا کی عیش پرستی اور دولت نے حکمرانوں کو راہ راست سے بھٹکا دیا۔قرآن پاک کی تعلیم سے بیزاری ان کے زوال پزیر ہونے کی سب سے پہلی وجہ تھی۔

2۔ نااہل جانشین: 1707ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے نااہل جانشین مغلیہ سلطنت کے وارث رہے۔شاہ عالم بہادر شاہ اول (1707ء تا1712ء)، جہاندار شاہ (1712ء تا1713ء)، فرخ سیر (1713ء تا1719ء)، رفیع الدرجات (1719ء) رفیع الدولہ، شاہجہان ثانی (1719ء) وغیرہ جیسے حکمرانوں میں سے اکثر عیش پرست اور تن آسان تھے۔اپنی نااہلیت کے باعث انتظامی قابلیت سے یکسر محروم تھے۔دولت کی فراوانی کی بدولت اولاد نرم و نازک کردار کی مالک تھی اور مشکلات کا سامنا کرنے سے قاصر، وزیروں کی سازشوں، سرکاری افسروں کی نااہلی اور تعیش نے حالات اور بھی دگرگوں بنا دیا تھا۔مختلف صوبے

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، ایل ایل بی، ایم اے اسلامک سٹڈیز کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یا ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

خودمختار ہو گئے تھے۔شاہی خزانے خالی ہو گئے۔شاہی دربار ناچ گانے اور رنگ رلیوں کا مرکز بن گیا تھا۔مغلیہ سلطنت کا دبدبہ ختم ہو گیا اور اس کی فوجی کمزوریاں عیاں ہو گئی۔سلطنت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔رشوت ستانی عام ہو گئی۔احترامِ قانون کا فقدان ہوا اور مغلیہ سلطنت کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہوئی۔اگر چہ مغلیہ حکومت کا بیرونی ڈھانچہ درخشاں نظر آتا تھا۔بہر حال مغلوں کی بدقسمتی تھی کہ نااہل اور تن آسان حکمرانوں کی سرپرستی نے سلطنت کو تباہی اور بربادی سے ہمکنار کر دیا۔ بیرونی طاقتوں نے ہندوستان میں مغلوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے لیے سازشوں میں مصروف ہو گئے اور بالآخر سلطنت کے خاتمے کو موجب بنے۔

3۔ **عسکری قوت کا انحطاط:** مغلوں کی فوجی طاقت کا انحطاط اورنگ زیب کی وفات سے شروع ہو چکا تھا۔بقول ہندو اور انگریز مؤرخین کے اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی اس کا موجب بنی مگر یہ الزام تنگ نظری پر مبنی ہے۔بہر حال اس صدی میں مرہٹوں اور سکھوں میں سیاسی بیداری کا عمل پیدا ہو چکا تھا اور وہ مسلمانوں کی بالادستی کو قبول کرنے کے خلاف جدوجہد میں مصروفِ عمل ہو چکے تھے۔بدقسمتی سے حکمران وقت کی نزاکت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔نئے فنونِ حرب اور جدید ہتھیاروں کے استعمال سے عاری تھے۔شاہجہان کے دور حکومت سے ہی مغل صوبے دار تن آسانی کا شکار ہو گئے تھے۔عیش وعشرت اور شراب نوشی نے انہیں جنگوں کے لڑنے کے قابل بنانے سے دور رکھا اور میدان جنگ میں جانے سے گھبراتے تھے۔اگر چہ بابر دریا تیر کر عبور کرتا تھا اور تیغ زن سرخ وسپید سپاہی تھا،مگر اس کے برعکس اورنگزیب کے جرنیل ریشمی لباس زیب تن کر کے پالکیوں میں سوار ہو کر میدان جنگ جاتے تھے۔فوج کے اندر تنظیم،اتحاد اور قوت کا فقدان تھا۔جرنیل اپنے باہمی جھگڑوں اور رقابتوں کے باعث فوجی تنظیم کی طرف کم توجہ دیتے تھے۔لہذا فوجی انحطاط کی ناگریز وجہ یہی تھی۔1857ء میں مغلیہ فوج جنگِ آزادی میں شکست سے دوچار ہوئی اور انگریزوں نے برصغیر پر اپنی گرفت کو مضبوط بنالیا۔

کاشان اکیڈمی

4۔ **درباری سازشیں:** تن آسان حکمران بادشاہ سلطنت کے آخری دور میں امورِ جہانبانی سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور مغلیہ دربار سازشوں کا اکھاڑہ بن گیا تھا۔وزراء اور امراء حکومت کی کلیدی اسامیوں پر فائض تھے اور وہ اپنی اپنی اجارہ داری اور افسر شاہی کو قائم ودائم رکھنے میں مصروف تھے۔جس کی وجہ سے سخت بدانتظامی رہی اور سازشوں کو خوب فروغ حاصل ہوا۔درباری امراء کی گروہ بندیاں زیادہ سخت ہو گئیں۔ملکی اور غیر ملکی امتیاز نہ رہا۔غیر ملکی پارٹی دو حصوں میں منقسم ہو گئی،یعنی ایرانی اور تورانی امراء،تورانی امراء سنی تھے اور مغلوں کے ہم وطن لہذا ان پر شاہی نوازشوں کی بارش ہوتی تھی۔ایرانی امراء شیعہ تھے اور تعداد میں کم تھے لیکن علمی استعداد کے باعث اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔پٹھان،عرب اور رومی بھی غیر ملکی امراء کے ساتھ تھے۔ہندوستانی امراء میں مقامی سردار بھی شامل تھے۔ان میں جاٹ اور راجپوت شامل تھے۔جتھہ بندی سے شاہی طاقت زوال پزیر ہوئی اور سید برادران باشاہ گر بن بیٹھے۔مزید برآں وزراء کے باہمی حسد اور نفاق نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔نظام الملک ، برہان الملک،عمادالملک اور نجیب الدولہ کی زندگیاں خودغرضی کا نمونہ تھیں۔جن کی خودغرضانہ پالیسیوں سے مغلیہ سلطنت کو سخت دھچکا لگا۔مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہ تھی جو اتحاد واتفاق کی فضا پیدا کرتی اور محلاتی سازشوں کا قلع قمع کرتی۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نظامِ حکومت تباہی سے ہمکنار ہوا اور اندرونِ ملک دوسری قوموں کو ابھرنے کا موقع ملا اور وہ آخر کا قابض ہو گئیں۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

6۔ **وسعتِ سلطنت:** مغلیہ حکمرانوں کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں۔قندھار اور ہرات تک ان کی رسائی تھی۔اورنگزیب کے عہد میں دکن کو بھی سلطنت میں شامل کر لیا گیا تھا۔جب تک مرکز میں مضبوط حکمران قابض تھے اور سلطنت کے دور دراز علاقوں میں سکون اور امن قائم رہا۔مگر نااہل حکمرانوں کے دور میں دور دراز کے علاقوں نے خودمختاری اختیار کر لی۔اس زمانے میں رسل ورسائل کے ذرائع بھی محدود ہوتے اور جب تک آمدورفت کے ذرائع چاک وچوبند نہ ہوں حکومت کی بقا ناممکن رہتی۔جب مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی تو دکن،اودھ اور بنگال خودمختار بن بیٹھے۔راجپوتانہ نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔بہر حال مرکز کی کمزوری تھی کہ سرحدیں بھی غیر محفوظ ہو گئی۔سلطنت کی وسعت اس قدر زیادہ تھی کہ اورنگ زیب کے بعد کسی مغل حکمران کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ اتنی وسیع وعریض سلطنت کو چلا سکتا تھا۔جونہی کمزور اور تن آسان حکمران برسرِ اقتدار آئے تو وسعت سلطنت میں کمی آنا شروع ہو گئی جس کے باعث مغلیہ حکومت زوال سے دوچار ہوئی اور پھر غیر ملکیا قدام کی برصغیر میں آمد اور اندرونِ ملک غیر مسلم قوتوں نت بھی سر اٹھایا اور سیاسی افق پر چھانے کے لئے مصروفِ عمل ہو گئیں۔

7۔ **غیر ملکی حملے:** مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں بیرونی حملوں کی وجہ سے حکومت کمزور ہو گئی۔پہلا حملہ مغل تاجدار محمد شاہ کے عہد میں ایرانی حکمران نادر شاہ نے 1739ء میں ہنداستان پر کیا۔نادر شاہ بقول بعض مؤرخین کے اپنے ساتھ تختِ طاؤس سمیت پچاس کروڑ کا سامان اور نقدی لے گیا۔اس حملے سے مغلیہ سلطنت پر کاری ضرب لگی اور وہ مفلوج ہو گئی۔صوبہ کابل کے علاوہ دریائے سندھ تک تمام علاقے پر ایران نے قبضہ جما لیا۔مزید برآں دہلی میں قتلِ عام سے مغلیہ سلطنت کی مالی حالت بھی خراب ہو گئی۔دوسرا حملہ غیر ملکی احمد شاہ ابدالی نے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کے عہد میں 1761ء میں کیا۔اگر چہ اس سے پہلے بھی احمد شاہ ابدالی نے چار بار مہم جائی کی تھی۔پہلی دفعہ 1748ء میں محمد شاہ کے عہد میں سرہند تک لشکرکشی کی۔دوسری دفعہ 1749 میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کر کے مغل گورنر معین الدین کو شکست دی اور اسے خراج کی ادائیگی پر پابند کر کے احمد شاہ ابدالی واپس چلا گیا۔پنجاب سے خراج کی عدم ادائیگی پر 1750ء میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر تیسرا حملہ کیا۔گورنر پنجاب عمادالملک نے ابدالی کی اطاعت تسلیم کر لی۔احمد شاہ چوتھی مرتبہ 1757ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا۔اور پانچویں دفعہ اس نے مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں شکست فاش دی۔جس کے باعث مرہٹوں کی فوقیت ملتا اور دہلی سے ختم ہو گئی اور شمالی ہند سے بھی مرہٹوں کا اقتدار اٹھ گیا۔پانی پت کی تیسری لڑائی کے بعد 15 فروری 1761ء میں انگریزوں نے پانڈی چری پر قبضہ کر کے برصغیر سے فرانس کا تسلط ختم کر ڈالا اور اس کے بعد مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کا وظیفہ خوار بن گیا۔گویا اس لڑائی کے دوررس نتائج یہ نکلے کہ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقبال کا ستارہ چمکا اور مغلیہ سلطنت زوال سے دوچار ہوئی۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

8۔ صوبوں کی خودمختاری: برصغیر پر نادر شاہ درانی کے حملے کے بعد محمد شاہ مغل بادشاہ کی حکومت بے حد کمزور ہو چکی تھی۔مرکز کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دکن، اودھ اور بنگال خودمختار ہو چکے تھے اور برائے نام مغلوں کے ماتحت تھے۔مالوہ، گجرات اور بندھیل کھنڈ پر مرہٹوں نے قبضہ جما لیا تھا۔میرٹھ سردار گھوجی بھونسہ نے بنگال، بہادر اور اڑیسہ پر حملہ کیا اور محمد شاہ مغل حکمران نے مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے پیشوا بالاج باجی راؤ کو مالوہ کا گورنر مقرر کر دیا۔کیونکہ محمد شاہ مرہٹوں کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔اس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹے طاقت پکڑ گئے۔نظام الملک جیسے گورنروں نے لامتناہی حب جاہ کی بدولت مرکزی حکومت کو بے وقعت کر دیا۔لہذ وزراء کی ہوسِ اقتدار نے مرہٹوں کو شمالی ہند کی جانب متوجہ کیا اور اس طرح مغل تاج دار مرہٹوں کے زیر اثر آ گئے۔پس مغلیہ سلطنت کی کمزوریاں عیاں ہونے لگی بعض مسلمان زعمانے مغلوں کی ساکھ اور احترام کو بحال کرنے کے لیے احمد شاہ ابدالی والئی افغانستان کو حملہ کرنے کی دعوت دی تا کہ مرہٹوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو ختم کیا جا سکے۔بقول مئورخین حضرت شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ کو قائل کیا کہ وہ مرہٹوں اور جاٹوں کی سرکوبی کرے۔بہرحال صوبائی خودمختاری کے باعث مغلوں کی حکومت کمزور ہوتی گئی اور برصغیر میں یورپی اقوام بالخصوص انگریزوں کو موقع میسر آیا کہ خودمختار صوبوں کے گورنروں کے ساتھ ساز باز کریں اور مغلوں کی حکومت کو ختم کر دیں۔بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان پر قابض ہو گئے۔

سوال نمبر 17۔ برصغیر پاک وہند کی ثقافت میں مغلوں کے علوم وفنون کی اہمیت بیان کریں۔

جواب۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

جب خاندان تیموری کے ایک فرزند بابر بادشاہ نے ہندوستان فتح کیا تو اِس سرزمین میں اسلامی تہذیب نے فروغ اور ترقی پائی۔اگر چہ مغلیہ دربار میں ایک ملا جلا ہندی ایرانی اسلوب وجود میں آیا تاہم اس کے ساتھ ساتھ ایک مقامی دبستان مصوری بھی بالخصوص راجپوتانہ میں فروغ پا تا رہا جو اوراقِ تاریخ میں ''مغلیہ دبستانِ مصوری'' کے نام سے تحریر کیا جاتا ہے۔آیئے ذیل میں ان دبستانِ مصوری کا مختصر سا مطالعہ کرتے ہیں۔

عہد بابر

بابر بادشاہ کے دربار میں جو تصویریں بنائی گئیں اُن کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔حالانکہ عربی مصادر سے پتہ چلتا ہے۔کہ یہ بادشاہ ایک عالم، فلسفی، سیاح جہانگشت، ماہر شکاری اور فطرت کا دلدادہ ہونے کے علاوہ فنونِ لطیفہ کا سرپرست بھی تھا۔تاہم اس کے عہد حکومت سے بہت کم تصاویر منسوب کی جا سکتی ہیں۔ کنیل (Kunnel) کی بحری جنگ کی تصویر اُس زمانے کی شہنشاہ جہانگیر کی ملکیت ایک البم میں ہے اور برلن کے سرکاری کتاب خانہ میں محفوظ ہے، اس میں بہزاد اور اس کے دبستان کا اثر صاف نظر آتا ہے۔بابر کے کتب خانے میں تصویری کتابوں کا نایاب ذخیرہ تھا۔جن میں وہ مصور کتب بھی شامل تھیں جو بابر نے ہرات کے مصوروں خصوصاً بہزاد کی تصویری تخلیقات بڑی تلاش کے بعد جمع کی تھیں۔

عہد ہمایوں

ہمایوں اپنے باپ بابر کا جانشین بنا گر اسے ایک افغان بادشاہ شیر شاہ نے شکست دے کر ملک سے نکال دیا۔ہمایوں نے اپنی جلاوطنی کے ایام ایران میں بسر کئے جہاں شاہ طہماسپ نے اس کی پذیرائی کی۔ہمایوں شاہ ایران کے دربار میں وہاں کے بڑے بڑے مصوروں کی تخلیقات سے آشنا ہوا۔چنانچہ تبریز میں اس نے خواجہ عبد الصمد شیرازی اور میر سید علی سے ملاقات کی۔اور بعدازاں 1549ء میں اس نے ان دونوں استادوں کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تا کہ اس کے لئید استانِ امیر حمزہ کو مصور کریں۔جس میں بادری اور جوانمردی کے فرضی کارناموں کا ذکر ہے۔اِس طرح وہ مصوری کے مغلیہ دبستان کے اصل بانی قرار پائے۔ہمایوں نیمیر سید علی کو نادر الملک کا خطاب بخشا نہ''داستان امیر حمزہ'' کی تصویر سازی کے آغاز ہی میں ہمایوں کا انتقال ہو گیا جو بعد میں اکبر کے عہد میں مکمل ہوئی۔داستان امیر حمزہ کی کل تصاویر کی اصلی تعداد چودہ سو تھی اور کپڑے کے خاصے بڑے بڑے قطعوں پر بنائی گئی تھیں۔

عہد اکبر

اپنے باپ کی طرح اکبر بھی فنون لطیفہ بالخصوص مصوری کا بڑا دلدادہ اور سرپرست تھا۔اپنی سکونت کے لئے اُس نے 1569ء میں ایک نیا شہر فتح پور سیکری بسایا۔ اس کے محلات کی دیواریں ایرانی اور ہندی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں سے آراستہ تھیں۔اکبر نے مصوری کے ایک سرکاری دبستان کی بنیاد رکھی جس سے تقریباً ایک مصور منسلک تھے۔ان میں بیشتر ہندو تھے، جو ایرانی مصوروں کی رہنمائی میں کام کرتے تھے۔ابوالفضل کی آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مصوروں نے فارسی نظم ونثر کی کتابوں کے لئے تصویریں بنائی تھیں۔مقامی مصوروں نے یہ فن صرف ان ہنرمندوں ہی سے نہیں سیکھا جو دربار شاہی کے ساتھ وابستہ تھے بلکہ شاہی کتاب خانہ میں بھی ایسے شاندار قلمی نسخے موجود تھے جنہیں بہزاد، میرک اور سلطان محمد نے مصور کیا تھا۔اکبر کے درباری مصوروں نے ان میں سے بعض بہترین تصویروں کی نقلیں تیار کیں جن کا ایک نمونہ میٹرو پالیٹن میوزیم کے مجموعہ میں بھی موجود ہے۔یہ ہفت پیکر کا ایک نسخہ ہے جسے شہنشاہ اکبر کے لئے تیار کیا گیا تھا۔988ھ 1580ء کی تاریخ درج ذیل ہے اور اس کی پانچ تصویروں پر بہزاد کے دستخط موجود ہیں مگر ان کو مستند نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان تصویروں کا انداز بہزاد کا نہیں بلکہ بین طور پر تیموری دَور کے اوائل کا ہے۔ان کی رنگ آمیزی اور دیگر خصوصیات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عہد اکبری میں پندرھویں صدی کے نسخے سے نقل ہوئی تھیں۔اکبر نامہ کا ایک نفیس مگر نامکمل نسخہ چسڑ ابیٹی کے مجموعہ میں محفوظ ہے۔اس میں مکند اور گوردھن کی بنائی ہوئی تصویریں شامل ہیں۔جو میٹرو پالٹین میوزیم کے وسیع ذخیرہ میں بھی موجود ہیں۔عہد اکبری کی مصوری کی ایک خاص مثال''تیمور نامہ'' کے ایک نسخہ میں دیکھی جاتی ہے جس میں طبقہ امراء کے دوترک قیدیوں کو تیمور کے دربار میں باز یاب ہوتے دکھایا گیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ اُسے دھرم داس نے بنایا تھا۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک کلاسز کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم ایڈ، ایم اے، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی کی ہاتھ سے لکھی ہوئی انفرادی مشقیں، امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

اس میں مغلوں کے اسلوب کی تمام خصوصیات میں یعنی ایرانی، ہندی اور یورپی عناصر کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ میٹرو پالیٹن میوزیم میں عہدِ اکبری کی بنی ہوئی کئی اور کتابی تصویریں محفوظ ہیں۔ ان میں فرخ بیگ، ترسنگھ، منوہر اور کھیم کرن کی دستخطی تصویریں بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں مہا بھارت کے فارسی ترجمہ رزم نامہ کے ایک قلمی نسخے کی تین تصاویر بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ ان میں بہترین تصویر وہ ہے جس میں سری کرشن گوردھن پربت اُٹھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عہد جہانگیری جہانگیری بھی فنونِ لطیفہ کا بڑا سرپرست تھا۔ اس کے زمانے کی تصویریں مجموعی طور پر مغل طرز کی ہیں۔ لیکن ان میں ابھی تک ایرانی اثرات نظر آتے ہیں۔ جہانگیر کے ذاتی میلان کتابی مصوری کی بہ نسبت ایسی تصاویر کی طرف زیادہ تھا جن میں اس کے واقعاتِ زندگی اور نباتات اور حیوانات کی نقاشی کی جائے کیونکہ فطرت پرست ہونے کی وجہ سے ان چیزوں میں اس کی دلچسپی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ وہ سفر میں دو تین درباری مصوروں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا تاکہ وہ اہم واقعات کو تصویر کشی کے ذریعے محفوظ کرلیں۔ منصور، مراد اور منوہر پرندوں اور جانوروں کی تصویر کشی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ منصور پھولوں کی تصویریں بھی بناتا تھا۔ چنانچہ اس کی اس مہارت کا ذکر توزکِ جہانگیری میں کئی جگہ ملتا ہے۔ اُستاد منصور "نادر العصر" ہو چکا ہے اور نقاشی میں اس زمانے نے کوئی شخص اس کا ہم پایہ نہیں۔

جہانگیر کے فن مصوری سے دلچسپی کے پیش نظر برطانوی سفیر سر طامس نے مغربی مصوروں کی تصویریں جہانگیر کو پیش کیں۔ بعدازاں مزید مغربی تصاویر سے جہانگیر کے لئے بھیجی گئیں، جن کی بدولت ہندوستان کے مصوروں کو انگریزوں کے فنِ مصوری سے آگاہ ہونے کا موقع ملا۔

عہد مغلیہ اور خطاطی۔

مختلف فن میں ماہر لوگوں کی اکثریت: ہندوستان میں ہر شعبے سے متعلقہ ماہرین فن آسانی سے مل جاتے تھے۔ جہاں کسی کام کو نمٹانے کے لئے بلاتردد پایہ تکمیل تک پہنچانے والے لوگ موجود ہوں تو اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مغلیہ دور میں عمارات بننے کی وہی وجہ بنی۔ یہ لوگ نسل در نسل یہی کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔

ماہرین فن تعمیر: عمارات کی تعمیر اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک اس کو بنانے والا ذہن موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے زیر اثر فن تعمیر کے شعبے کو بہت ترقی ملی۔ کیونکہ بادشاہ کے پاس عمارت کا ڈھانچہ موجود ہوتا تھا۔ اس کی تعمیر کے لئے مزدور اور دولت موجود ہوتی تھی۔ لیکن اس کی خواہشات کے عین مطابق عمارت کو ڈھالنے کا ذمہ ماہرین فن تعمیر کے پاس تھا۔

پرامن ماحول: ذہنی سکون ایک ایسی دولت ہے۔ جو اگر میسر نہ ہو تو انسان کسی طرح کی ذمہ داری سے عہدہ براہ نہیں ہو سکتا۔ مغلیہ حکومت میں فن تعمیر کو عروج حاصل ہونے میں پرامن ماحول کا بہت عمل دخل ہے۔ مغل بادشاہوں میں صرف بابر اور ہمایوں کو زیادہ تعمیرات کرنے کا موقع نہ ملا۔ دوسرے بادشاہوں نے اپنے پرامن ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ذاتی ذوق: کوئی کام اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس کے کرنے والے ذاتی دلچسپی کا اظہار نہ کریں۔ بابر سے لے کر اورنگ زیب تک تمام بادشاہ اس میدان میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ اور اسی ذوق نے انہیں ایسی شاندار عمارات بنوانے پر مجبور کیا۔ جن کی شان وشوکت سے ہم انحراف نہیں کر سکتے۔

بادشاہ کے کردار کا عکس: مغلیہ دور کی ہر عمارت اپنے تعمیر کنندہ کے ذوق و کردار کا عکس پیش کرتی ہے۔ ان عمارات کو بنوانے کا مقصد بادشاہوں کے نزدیک اپنی ذات کا منوانا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے ذات کا اظہار عمارت کی صورت میں کیا۔

خام اشیاء کی سہولت: مغل بادشاہ شاہجہان اپنے ذہنی رجحانات کی بدولت اس فن کو آگے بڑھا رہے تھے۔ وہاں رجحانات ایک دور میں فن تعمیر کی ترقی میں یہ وجہ سب سے اہم ہے۔ کہ خام اشیاء آسانی سے مل جاتی تھیں۔

مسئلہ روزگار: فن تعمیر کی ترقی کی ایک بڑی وجہ روزگار کے مسئلہ کو حل کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ مغل باشاہ بہت رعایا پرور تھے۔ اور وہ عمارات کی تعمیر سے ہزاروں لوگوں کو روزگار مہیا کرنا چاہتے تھے۔

مغلیہ فن تعمیر کے مختلف ادوار: مغلیہ فن تعمیر کو فن کی ترقی کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس فن نے بتدریج کئی ترقی کی منازل طے کیں۔ اور آخر کار شاہجہانی دور میں یہ فن انتہائے کمال کو پہنچا۔

بابر کا دور: مغلیہ فن تعمیر کا آغاز بابر کی پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی پر فتح یاب کے بعد سے ہوتا ہے۔ تزک بابری سے پتہ چلتا ہے۔ کہ بابر تیموری روایات کا صحیح قلعدار اور سرپرست تھا۔ اسے نہ صرف علوم وفنون اور قدرتی مناظر سے دلچسپی تھی۔ بلکہ اسے خاندانی روایات کے مطابق فن تعمیر سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ بابر جتنا عرصہ ہندوستان رہا۔ لڑائیوں میں مصروف رہا۔ اس لئے اسے اپنے ذوق کو اجاگر کرنے کے زیادہ موقع نہ مل سکا۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے ذوق کے لئے کچھ عمارات بنوائیں۔ بابر نے برصغیر میں بارہ دریاں اور چہار باغ بنوا کر اپنے ذوق کو تسکین دی۔ بابر نے باغات میں سدا بہار اور پھل دار درخت لگوانے کے علاوہ مختلف قسم کے پھولوں سے سجایا۔ باغ کے دوران ایک بلند کرسی پر بارہ دری بنائی گئی۔ باغ میں داخل ہونے کے لئے پختہ اینٹوں کی روش ہوتی تھی۔ روشوں کے بیچ میں نہر اور فوارے چلتے تھے۔ روشوں کے قریب ہی درخت لگائے جاتے تھے۔ بابر کا زمانہ اقتدار صرف چند سالوں پر مشتمل تھا۔

ہمایوں کا دور: ہمایوں کا عہد حکومت پرآشوب دور تھا۔ بیچارہ ہمایوں چند ماہ سے زیادہ سکون سے حکومت نہ کر سکا۔ اور اس نے پندرہ سال بڑی کسمپرسی میں جلاوطنی میں گزارے۔ اس کے باوجود جتنے لمحات اسے میسر آئے۔ اس نے تعمیرات کی طرف خاص توجہ دی۔ پہلے دس سال کی حکومت میں جنگ وجدل اور ہنگامی حالات کے باوجود

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔ گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

اس نے دین پناہ کا شہر تعمیر کروایا۔ اور آگرہ کا ہفت ایوان محل تیار کروایا۔ جس میں سات ایوان سات ستاروں کے نام سے منسوب تھے۔ ہر روز دربار منعقد کرنے کے لئے ایوان منتخب کیا۔ اس کے علاوہ بابر کے چند ایک تعمیری منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

اکبر کا عہد: اکبر اعظم کے عہد کی عمارات سے معلوم ہوا ہے کہ اکبر کا فن تعمیر ہندوستانی ایرانی اور اسلامی فنون تعمیر کا مرقع ہے۔ اس کے عہد میں مغلیہ فن تعمیر کو رواج ہوا۔ اور مزید ترقی کی منازل اس فن نے اسی کے دور میں طے کیا۔

اکبر کے دور کی تعمیرات کی خصوصیات: دور اکبر میں فن تعمیر نے مزید ترقی کی۔ اس دور میں سنگ سرخ کا استعمال کثرت سے ہوا۔ راجپوت فن کے گہرے اثرات اس کے عہد کی عمارات میں دکھائی دیتے ہیں۔ سنگ سرخ اسے بہت پسند تھا۔ اکبری دور میں گبند کے بارے میں ایک جدت اختیار کی گئی۔ اس دور میں دوہرے گبند اور عمارات کی بلندی کا اصول ترک کر دیا گیا۔ عمارتوں میں ہندوانہ طرز کے ستون اور برآمدے کے دروازوں کی تعمیر شہری اسلوب پر کی گئی۔

دور اکبری کی عمارات: اکبر کو بھی فن تعمیر سے خاص لگاؤ تھا۔ اس کے عہد میں حکومت میں نہ صرف مساجد اور باغات تعمیر کروائے گئے بلکہ بے شمار قلعے، تالاب مینار اور سرائیں بھی تعمیر ہوئیں۔

ہمایوں کا مقبرہ: مقبرے کی تعمیر کا آغاز 1564ء میں ہوا۔ اکبر دور کی اس عمارت سے اکبر کی روادارانہ پالیسی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں ہندوانہ طرز تعمیر کی بعض چیزیں اختیار کی گئیں۔ ہشت پہلو کرہ جس میں ہمایوں اور دس دوسرے افراد کی قبریں ہیں۔ سنگ مرمر سے مزین محرابیں اس عمارت کے قابل ذکر حصے ہیں۔ اس مزار کے ادھر کسی زمانے میں ایک مدرسہ ہوتا تھا۔ جواب نابود ہو چکا ہے۔

کاشان اکیڈمی

اس مقبرے کی کرسی 22 فٹ بلند ہے۔ اس کے ارد گرد قرآن خوانی کے لئے چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ عمارات کے چاروں کونوں پر مینار ہیں۔ اصل قبر کے اوپر ایک بلند و بالا قبر ہے۔ جس کے کندھے پہلوانوں کی طرح ابھرے ہوئے ہیں۔ بیرونی طور پر یہ گبند معمولی طور پر بلند نظر آتے ہیں۔

0334-5504551

قلعہ آگرہ: اکبر نے آگرہ میں جو قلعہ بنوایا ہے۔ وہ تمام کام سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔ یہ ایک عظیم عمارت 4249 فٹ لمبی اور 260 فٹ چوڑی ہے۔ اس عمارت سے ہندوانہ طرز تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ تر شہتری اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں محرابیں نہیں ہیں۔

Download Free Assignments from

فتح پور سیکری: یہ شہر کچھ عرصہ تک اکبر کا دارالحکومت بھی رہا ہے جو آگرے سے چھبیس میل کی مسافت پر موجود ہے۔ اکبر نے اس زمانے میں جو عظمت بخشی اس کے کھنڈرات آج تک اس کے گواہ ہیں۔ اس شہر کے بارے میں لین پول لکھتا ہے۔ ہندوستان میں اس تباہ شدہ شہر سے زیادہ حسرتناک اور خوبصورت کچھ نہیں یہ ایک پریشان خواب کی خاموش تاریخ ہے۔

Solvedassignmentsaiou.com

بلند دروازہ: جامع مسجد فتح پور سیکری کا جنوبی دروازہ جسے بلند دروازہ کہا جاتا ہے۔ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی بلندی 167 فٹ ہے۔ اس کے علاوہ الہ آباد کا 40 ستونوں والا محل مدتوں اکبر کی عظمت کے گن گاتا رہا۔

قلعہ لاہور: لاہور کا قلعہ بھی اکبر کی آج بھی ستار رہا ہے۔ شہر کے وسعت میں تعمیر کی گئی یہ عمارت اپنی بلندی اور سادگی کی بناء پر مغلوں کے سنہری دور کی یاد دلاتی ہے۔ اس کے علاوہ اکبر نے سرائیں۔ تالاب۔ محل۔ مینار بنوائے۔

عہد جہانگیری: تعمیرات کے لئے کیونکہ ایک پرامن ماحول کے ساتھ ذاتی دلچسپی کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے جہانگیری عہد میں ہمیں تعمیرات کے میدان میں کوئی خاص کام نہیں کیا۔ تاہم کچھ عمارات قابل ذکر ہیں۔ لاہور کے شاہی قلعے میں موتی مسجد اور خوابگاہ اس نے تعمیر کروائی۔ نور جہاں جو جہانگیر کی شریک حیات تھی۔ کیونکہ وہ بھی اسی دور سے تعلق رکھتی تھی۔ اور اس کی عہد ثقافت کی سربراہ تھی۔ اس نے اپنے اعتماد الدولہ کا مزار بنوایا۔ باغ دلکشا میں جہانگیر کا مقبرہ جو آج تک اہل لاہور کے لئے تفریحات کا مرکز ہے۔ نور جہاں کا ہی بنوایا ہوا ہے۔ جہانگیر نے باغات میں خاص دلچسپی لی۔ کشمیر میں شالا مار باغ اور نشاط باغ آج بھی دور رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔ اس زمانے میں رنگ دار شیشوں سے چھتوں کو مزین کی گیا۔ یعنی نقاشی عام ہو گئی۔ شیخوپورہ میں جہانگیری عہد کے ایک تاریخی عمارت ہرن مینار بھی ہے۔

عہد شاہجہانی: شاہجہانی عہد تعمیرات کا سنہری دور تھا۔ اور فن تعمیر کے عروج کا زمانہ تھا۔ امن و خوشحالی کے اس دور میں ایک مغل بادشاہ کو اپنے ذوق کا بلند مظاہرہ کرنے کا موقع ملا۔ تاج محل۔ موتی مسجد آگرہ۔ جامع مسجد اور تخت طاؤس ان میں سے ہر ایک اپنی مثال آپ ہے۔ سفید رنگ کے استعمال نے ان عمارات کو چار چاند لگا دیئے۔

سوال نمبر 18۔ مغلوں کے دور عروج کے اہم مذہبی تحریکوں کا تنقیدی جائزہ لیں۔

جواب۔

مہدوی تحریک: مہدوی تحریک کا آغاز خون پور سے ہوا۔ اس کے بانی سید محمد جون پوری 1443ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کو میراں مہدی اور میراں جی بھی کہتے تھے۔ آپ 1604 میں فوت ہو گئے۔ ان کی تحریک ان کی زندگی میں ہی نہ صرف برصغیر بلکہ اس کی سرحدوں تک پھیل گئی۔ لیکن 1945 میں جب انہوں نے امام مہدی ہونے کا دعوی کیا تو سختی سے مخالفت کی گئی۔ سید محمد کا اپنا زمانہ تو مغلیہ سے پہلے کا تھا۔ لیکن انکی تحریک میں شامل ہونے والے افراد کی زندگیوں کے زاہدانہ رنگ کی وجہ سے اس تحریک کی حیثیت ایک اصلاحی تحریک کی تھی۔ اس تحریک کے زیر اثر ملک میں شرع کی پابندی اور زہد و توکل کی فضاء پیدا ہو گئی۔ پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں ایرانی بلوچستان میں مہدوی تحریک کے ارکان ذکری ہیں۔

شیعی اثرات: برصغیر جنوبی ایشیاء اور ایران کے قطعات خاصے پرانے ہیں۔ برصغیر کے مسلم دور حکومت میں غزنویوں کے دربار میں ایرانی اثرات زیادہ بڑھ

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس، گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

گئے۔سرکاری زبان بھی فارسی تھی۔ان کا اثر ہمایوں سے ہوا ہمایوں 1540 میں شکست کھا کر ایران چلا گیا۔ایران کے بادشاہ نے اس سے اچھا سلوک کیا اور شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد 1555 میں جب ہمایوں نے واپس آ کر ہندوستان کی حکومت دوبارہ حاصل کی تو یہ لوگ شیعہ تھے۔اس بے بعد مغل دور میں شیعہ شامل ہو گئے۔کشمیر پر مغل قبضے کا محرک بھی شیعہ سنی فساد بنا۔

شطاری سلسلہ: تصوف کے مختلف سلسلوں میں ایک سلسلہ شطاریہ بھی ہے۔یہ سلسلہ مشہور صوفیا یزید بسطامی کی طرف منسوب ہے۔شمالی ہند میں عبداللہ شیطاری نے اسے جاری کیا۔اس سلسلے میں توحید پر بڑا زور تھا۔لیکن اسلامی شریعت پر عمل کم تھا۔موسیقی کے اشغال سے رغبت کا رجحان عام تھا۔ان کی عام زندگی میں ظاہری شان وشوکت کا رجحان زیادہ ہے۔شریعت اسدیہ کی پابندی کا انداز بھی عام تھا۔شیخ محمد غوث گوالیاری نے 1562ء میں وفات پائی۔شطاری سلسلے کی توسیع میں ان کا نام نمایاں ہے۔ان کے طریقوں یوگیوں اور بیراگیوں کے اشغال کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔بابر اور ہمایوں جیسے بادشاہ بھی شطاری کے معتقد تھے۔نیز شاہ ولی اللہ کا محدث نے شطاری اشغال کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔

مجددی سلسلہ۔

اکبری دور کے بعد سلسلہ مجدیہ نے مذہبی اصلاح و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔سلسلہ مجددیہ سلسلہ نقشبندیہ کی ایک شاخ ہے جو شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیسے منسوب ہے۔دراصل اس سلسلے کو شیخ احمد کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے ہندوستان میں جاری کیا تھا۔حضرت خواجہ باق باللہ تقریباً 1597ء میں لاہور وارد ہوئے اور تقریباً ایک سال تک یہیں قیام پذیر رہے۔یہ وہ زمانہ تھا جب (1585ء سے 1598ء) اکبر نے لاہور کو دارالحکومت بنایا ہوا تھا۔اس زمانے میں لاہور میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔اس قحط کے دوران میں حضرت خواجہ موصوف کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنا کھانا تک غریبوں میں تقسیم کرا دیتے تھے۔اِس دوران میں حاکم لاہور قلیج خان سے ان اک بڑا دوستانہ رہا۔قلیج خان اس قدر دینی حقیقت رکھنے والا تھا کہ اس نے شاہی فرامین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عیسائی پادریوں کو مراعات سے محروم رکھا۔وہ خود مدرسے میں جا کر روزانہ تین گھنٹے تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتا تھا۔اس کے اس اہتمام کی وجہ سے لاہور میں علوم اسلامیہ کو قبول عام حاصل ہوا تھا۔بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ لاہور سے دہلی تشریف لے گئے اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے مشغول رہے۔نومبر 1603ء میں چالیس برس کی عمر میں فوت ہو گئے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

حضرت مجدد الف ثانی کی جائے پیدائش اور شجرہ:

حضرت مجدد الف ثانی 26 جون 1564ء کو سرہند میں پیدا ہوئے۔آپ کا شجرۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا کر ملتا ہے۔اُن کے پہلے استاد اور مرشدان کے اپنے والد مخدوم عبدالاحد تھے۔اس کے بعد اُنہوں نے خواجہ باقی باللہ اور شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے فیض حاصل کیا۔یہ تینوں بزرگ دینی حمیت کے لیے خاص شہرت رکھتے تھے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کو لاہور سے کاص تعلق رہا۔ اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ کے اشارے پر آپ نے لاہور کو مرکز بنایا اور اپنے مرشد کے وصال (30 نومبر 1603ء) تک یہیں مقیم رہے۔اور پھر واپس اپنے وطن سرہند تشریف لے گئے۔اکبری کی پیدا کردہ بعض گمراہیاں جہانگیر کے عہد میں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے احیائے دین کے لئے اِن دونوں بادشاہوں کے پھیلائے گئے گمراہ نظریات کے خلاف جہاد کیا۔حتیٰ کہ جہانگیر کے منہ پر بھی حق کا اظہار کرنے سے گریز نہ کیا۔آپ کی اس جرأت اور بیباکی نے جہانگیر کو آپ سے خائف کر دیا اور اُس نے آپ کو ایک سال کے لئے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی اسی دینی غیرت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال نہ کہا تھا:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

سلسلہ تبلیغ اور جدوجہد:

آپ نے 10 دسمبر 1624ء میں سرہند میں انتقال فرمایا اور وہیں پر دفن ہوئے۔حضرت مجدد کا زمانہ جہانگیر کا زمانہ تھا۔اس دور مین شاہی دربار تو الحاد کے حملے سے باہر نکل آیا تھا لیکن مجموعی فضا میں اسلام کے خلاف رجحانات عام تھے،جن میں ایک خطرناک رجحان یہ تھا کہ ہندو مذہب کو جارحانہ انداز میں از سرِنو رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔حضرت مجدد نے ''صلح کل'' مشرب سے ہٹ کر اسلامی حمیت کو بنیاد بنایا۔اُنہوں نے حق اور باطل کے مابین سمجھوتے کی شدت سے مخالفت کی۔اس سلسلے میں اسلام کا واضح تصور (آپ کے لئے آپ کا دین اور میرے لیے میرا دین) کا ہے جو آپ کے پیش نظر رہا۔چنانچہ حضرت مجدد نے رام اور رحیم کے ایک ہونے کے تصور کی سختی سے مخالفت کی اور واضح کیا کہ یہ دونوں ایک نہیں ہو سکتے کیونکہ رام ''مخلوق'' اور رحیم ''خالق'' ہے۔

حضرت مجدد کے سلسلۂ تصوف میں سنتِ رسول کی پابندی اور اصحابِ رسول کی متعین کردہ حدود کی اتباع پر بہت زور ہے۔وہ تمام غیر شرعی رسوم سے منع کرتے تھے۔ہندوستانی رسوم و رواج کے زیر اثر دین میں جو بدعات رائج ہو گئیں تھیں،حضرت مجدد الف ثانی نے ان سے سختی کے ساتھ روکا اور اسلامی شریعتکی پابندی کو لازمی قرار دیا۔چنانچہ شریعت و طریقت کے باہم میلات سے ایسا معاشرہ قاء مہوا جو دین کا پابندی اور اسلامی تعلیمات کا دلدادہ تھا۔جس میں تصوف کا اپنا مقام تھا لیکن شریعت کی پابندی لازمی تھی۔حضرت مجدد نے احیائے اسلام کی جو تحریک چلائی وہ جلد ہی پورے ملک میں پھیل گئی۔آپ کے سینکڑوں خلفاء ملک کے کونے

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یا ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی، امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

کونے میں پھیل گئے تھے۔سندھ میں آپ کے پوتے شیخ سیف الدین کے ایک خلیفہ مخدوم ابوالقاسم کی کوشش سے اس سلسلے کی اتنی اشاعت ہوئی کہ کوئی اور سلسلہ اس کے برابر نہ رہا۔مخدوم ابوالقاسم 1726ء میں فوت ہوئے۔ان کے خاص مرید مخدوم محمد معین سندھی تفسیر اور حدیث کے امام اور علمائے حق کے سردار مانے جاتے تھے۔

تحریک اور مریدان:

پنجاب اور سرحد میں مجددی سلسلے کو سندھ سے بھی کہیں زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔حضرت مجدد کی زندگی ہی میں یہاں ایک زبردست مرکز قائم ہو گیا تھا بعد میں آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم اور خلیفہ شیخ آدم بنوری نے اس تحریک کو بہت وسعت دی۔شیخ آدم بنوری کے ایک سو خلفاء اور ایک لاکھ مرید تھے۔وہ سفر پر جاتے تو ہزاروں پٹھان ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔جب وہ 1642ء میں لاہور آئے تو ایک کثیر جماعت ان کے ہمراہ تھے۔کان بھرنے والوں نے شاہجہان کو بدگمان کیا کہ شیخ آدم چاہے تو آپ کی سلطنت کا تختہ اُلٹ سکتا ہے۔اس نے خائف ہو کر شیخ کو حج پر روانہ کر دیا۔حج کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ ہی میں قیام کیا اور 25 دسمبر 1663ء کو 47 سال کی عمر میں وفات پا کر مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ان کے خلفاء میں لاہور کے شیخ سعدی، کوہاٹ کے حاجی عبداللہ اور پشاور میں شیخ نور محمد پشاوری ولد اخوند درویزہ خاص طور پر مشہور ہوئے۔اُن کے ایک خلیفہ سید عبداللہ اکبر آبادی بھی تھے جن سے شاہ ولی اللہ کے والد اور چچا دونوں نے فیض حاصل کیا تھا۔کشمیر میں نقشبندی سلسلے کے ایک اور بزرگ خاوند محمود نقشبندی عرف حضرت خواجہ ایشاں کی کوششیں زیادہ بارآور ہوئیں۔خواجہ موصوف 5 نومبر 1642ء کو لاہور میں فوت ہو کر وہیں دفن ہوئے۔

کاشان اکیڈمی

فرقہ روشنیہ

روشنیہ فرقے کے مخصوص عقائد اور شریعت محمدی سے ان کی آزاد منشی کے علاوہ ان کا جارحانہ انداز بھی حکومت اور عوام کے لئے اعتراض کا سبب بنا۔انہوں نے رہزنی اور لوٹ مار کا انداز اختیار کر لیا۔یہ انداز ان کی آزادی روی کا فطری نتیجہ تھا۔کیونکہ جو شریعت کی پابندی کی پرواہ نہیں کرتا، اسے قانون کی پابندی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔بہر حال ان کا یہ طرز عمل حکومت وقت کے ساتھ تصادم کا باعث بن گیا۔چنانچہ پیر روشن کے مریدوں اور مغل افواج میں جھڑپوں کا سلسلہ چل نکلا۔یہ کشمکش جاری تھی کہ 1572ء میں روشنیہ فرقہ کے بانی بایزید انصاری کا انتقال ہو گیا۔لیکن ان کے جانشینوں اور مغلوں کی کشمکش جاری حتی کہ شاہجہان کے زمانے میں اس فرقے کے خلیفہ عبد القادر اور ان کے خاص رفقاء دربار شاہی سے وابستہ ہو گئے۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

روشنیہ فرقے میں اسلامی شریعت سے آزادی کا رجحان عام تھا۔ہندو بھی اس فرقے سے منسلک ہوتے رہے اور ان کے بعض عقائد و رسوم بھی اس فرقے کا حصہ بن گئے تھے۔اس فرقے کے لوگوں میں ننگے پھرنے کا رجحان بھی پیدا ہو گیا تھا۔مردوں عورتوں کا کھلم کھلا میل ملاپ اور ناچ گانا بھی ان کے اشغال کا حصہ بن گئے تھے۔اسلام کے بنیادی ارکان تک میں تبدیلیاں کر دی گئی تھیں۔اس لئے روشنیہ فرقے پر یہ الزام عائد کیا جاتا تھا کہ انہوں نے ایک نئی شریعت جاری کر دی ہے۔روشنیہ فرقہ پاکستان ہی کے موجودہ علاقے سے ابھرا اور یہیں سے اس کی خوب اشاعت ہوئی۔اس کے بانی کو ادب اور موسیقی پر بڑی دسترس حاصل اور اب تک پختوں ادب و موسیقی پر اس کے گہرے اثرات کا اعتراف کیا جاتا ہے لوگوں کے مذہبی جذبات کو متاثر کرنے کے لئے ان دونوں ذرائع کو بڑے موثر انداز میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔اس کے باوجود اس علاقے میں روشنیہ فرقہ اب ناپید ہو چکا ہے۔

قادری سلسلہ۔ شاہجہان کے عہد میں لاہور میں قادری سلسلے کے ایک بزرگ حضرت میر محمد المعروف میاں میر نے بڑی شہرت پائی۔ان کا سن وفات بھی 1635-36 ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاہ بلاول قادری کے ہمعصر تھے۔شاہجہان نے ایک دفعہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہو کر نذرانہ پیش کیا تھا۔شاہ بلاول نے اسے قبول کر لیا لیکن میاں میر نے قبول نہیں کیا تھا۔شاہجہان نے میاں میر کو شاہ بلاول قادری کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے تو نذرانہ قبول کر لیا لیکن آپ نے نذرانہ قبول نہیں کیا۔تو میاں میر نے شاہ بلاول کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ:

''انکی مثال دریا کی سی ہے اور میری مثال تالاب کی سی۔دریا میں کوئی پلید چیز گر جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا لیکن تالاب میں کوئی پلید چیز گر جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے'' میاں میر ریاضت و عبادت اور ہدایت و تلقین میں بڑے مشہور تھے۔تاہم ان پر وحدت الوجود کے فلسفے کا رنگ غالب تھا اور ان کے مسلک میں شریعت کی پابندی کا خاص اہتمام نہیں تھا۔اس لحاظ سے وہ اپنے معاصر قادری بزرگ شاہ بلاول قادری سے بہت مختلف تھے۔یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ معاصر قادری بزرگ شاہ میاں میر کی وجہ سے سرکاری دربار میں ایک ایسا رجحان فروغ پانے لگا جس میں اسلامی شریعت سے انحراف کی راہ کھلتی ہے۔راوا شکوہ میاں میر کا بڑا معتقد تھا۔میاں میر کے خلیفہ ملا شاہ قادری تھے، گرمیوں میں کشمیر اور سردیوں میں لاہور ان کا مرکز ہوتا تھا۔ان سے متعلقہ ایک روایت ہے کہ کشمیر کے شیعہ سنی اختلافات میں ان کے مناظرہ و تلقین کی وجہ سے ہزاروں مخالفین دائرہ اہل سنت میں داخل ہو گئے۔ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سر عام چاروں خلفاء کی تعریف کرتے تھے۔ان پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا۔داراشکوہ لاہوری قادریوں کے وجودی اسلوب کا ایک نمائندہ نمونہ تھا۔وہ میاں میر کا خاص مقصد تھا لیکن جب اس نے باقاعدہ بیعت کا ارادہ کیا تو میاں میر وفات پا چکے تھے۔لہٰذا 1639ء میں وہ ملا شاہ قادری کا باقاعدہ مرید ہوا۔داراشکوہ نے ''صلح کل'' مشرب کے نام پر ہندومت اور اسلام دونوں کو تلاش حق کے دو طریقے قرار دیا تھا اور دونوں میں مطابقت ثابت کرنے کی کوشش کی۔

سوال نمبر 19۔ درج ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

1۔ شاہ ولی اللہ

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

جواب۔

حالات زندگی۔ شاہ ولی اللہ 21 فروری 1703ء کو دہلی میں پیدا ہوئے (یعنی اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار برس پہلے ان کی ولادت ہوئی)۔ان کے خاندان کے کئی افراد اصحابِ قلم وتلوار ہوگزرے تھے۔شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم بڑے جید عالم اور پارسا بزرگ تھے۔اُنہوں نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی تھی۔چنانچہ شاہ ولی اللہ نے پندرہ برس کی عمر میں اپنے والد کی نگرانی میں اپنی رسمی تعلیم مکمل کرلی۔پھر والد کے انتقال کے بعد 19 برس کی عمر میں دہلی میں باقاعدہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، جو بارہ سال تک جاری رہا۔

1730ء میں شاہ صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے اور قریباً ڈیڑھ سال تک وہیں مقیم رہ کر علمائے دین سے فیض حاصل کیا۔9 جولائی 1732ء کو واپس دہلی تشریف لائے اور ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

اُس زمانے میں لوگ قرآن مجید پڑھتے تو تھے لیکن اس کے مفہوم ومعانی پر توجہ نہیں دیتے تھے،اس لئے شاہ ولی اللہ نے ضرورت محسوس کی کہ قرآن مجید کا ترجمہ کیا جائے، چنانچہ علماء کی مخالفت کے باوجود لکھے پڑھے لوگ کی سہولت اور فہم قرآن کا ذوق پیدا کرنے کے لئے انہوں نے 1738ء میں قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کردیا۔

قرآن وحدیث کے تراجم کی بُنیاد۔ ''سب سے بڑا اس کام شاہ صاحب کا یہ ہے کہ سب سے پہلے ان ہی میں ہندوستان میں قرآن وحدیث کے ترجمے کی بنیاد بڑی جرأت اور ہمت سے کام لے کر بالآخر ڈال دی تھی۔اگرچہ خود اُنہی نے فارسی میں قرآن کا بھی ترجمہ کیا اور حدیث کی قدیم ترین کتاب مؤطا امام مالک کا بھی ترجمہ فارسی ہی میں کیا کہ اُن کے زمانے تک غالباً اُردو عام طور سے لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں بنی تھی۔جو بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے،وہ فارسی ہی میں لکھتے پڑھتے تھے۔

اُنہوں نے عربی اور فارسی میں قریباً سینتیس کتابیں تصنیف کیں۔ان کی کتابوں کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے لئے اسلام کی نئے سرے سے تشریح کی جائے تاکہ ان میں صحیح اسلامی اقدار پھر سے جلوہ گر ہوں۔ان میں مساوات پیدا کی جائے۔دولت کی منصفانہ تقسیم کا نظام رائج کیا جائے اور صحیح اسلامی خطوط پر مسلم معاشرہ قائم کیا جاسکے۔اُنہوں نے اپنے دارالعلوم کے لئے نیا نصاب مرتب کیا تاکہ پرانے نصاب میں سے زبان وقواعد کی پیچیدگی، یونانی، ہندی اور فلسفے کی آمیزش کے اثرات دور کئے جاسکیں۔شاہ ولی اللہ بلاشبہ ایک بڑے مفکر، عالم دین اور صوفی تھے۔اُنہوں نے اجتہاد کی ضرورت کا احساس دلایا۔

مشغلہ۔ شاہ ولی اللہ قریباً سینتیس کتابوں کے مصنف تھے۔کچھ کتابوں کے نام ہم نے لکھ دیئے۔کوشش کریں کہ ان کی فارسی کتابوں کی فہرست مرتب ہوجائے۔آپ چاہیں تو ان کتابوں کے موضوعات بھی معلوم ہوسکتے ہیں۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

2۔ تحریک جہاد۔

جواب۔

تحریک جہاد۔

پس منظر۔ شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے شاہ عبدالعزیزؒ تھے۔وہ دیکھ کہ برصغیر میں مسلمانوں کی عملی زندگی بے راہ روی کا شکار ہورہی ہے۔وہ معاشرتی اور سیاسی طور پر زوال اور پستی کی طرف جارہے ہیں۔اس لئے سکھ اور انگریز انہیں دبائے چلے جارہے ہیں۔انہوں نے ایک ایسی تحریک کی ضرورت محسوس کی جو مسلمانوں کی کمزوریوں اور گمراہیوں کو دور کرکے ان میں اتحاد، یک جہتی اور بیداری پیدا کرسکے۔یہ تحریک عملی جدوجہد سے اسلام کا وقار اور جلال دوبارہ مستحکم کرنے کے قابل ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ سکھوں کے ظلم وستم کے واقعات کے سبب خود ان کے خلاف جہاد کرنے کے خواہشمند تھے۔لیکن بڑھاپے کے سبب اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔البتہ جب سرسید احمد بریلوی نے اس سلسلے کا آغاز کیا اور بیعت کی غرض سے دہلی سے باہر جانے لگے تو شاہ عبدالعزیز نے اپنا عمامہ اور اپنی قبا خود انہیں پہنا کر رخصت کیا۔شاہ صاحب جولائی 1823ء کو انتقال کرگئے لیکن انہوں نے جان نثار اور سرگرم کارکنوں کی جو جماعت تیار کی تھی،انہوں نے تحریک کا کام آگے بڑھایا، چنانچہ تحریک جہاد کے سلسلے میں سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور تیتو میر شہید کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ا۔ **سید احمد شہیدؒ۔** سید احمد شہید 9 نومبر 1786ء میں رائے بریلی (یو۔پی بھارت) میں پیدا ہوئے۔بچپن میں انہیں تعلیم سے رغبت نہیں ہوئی لیکن نوجوانی میں خود بخود تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے دینی تعلیم اور روحانی فیض حاصل کیا اور قریباً چار سال دہلی میں رہ کر واپس بریلی آگئے۔1810ء کے آغاز میں امیر خان (والی ٹونک) کے ہاں سواروں میں بھرتی ہوگئے اور 1816ء تک سپہ گری کے فن میں مہارت حاصل کی، پھر دہلی چلے گئے، وہاں انہوں نے اپنے دینی جوش وخروش اور قوت عملی سے ایسی مثال قائم کردی کہ بہت سے لوگ ان کے پیروکار بن گئے۔ان کی تبلیغ کا سلسلہ بہت کامیاب ہوا۔چنانچہ شاہ عبدالعزیز کے داماد مولانا عبدالحیؒ، شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسمٰعیلؒ، شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحٰق جیسے فاضل لوگوں نے ان کی بیعت کرلی۔سید احمد شہیدؒ نے کسی باقاعدہ جدوجہد سے پہلے حج ادا کرنے کا پروگرام بنایا۔اس مقصد کے لئے وہ ایک قافلے کی شکل میں 30 جولائی 1821ء کو رائے بریلی سے روانہ ہوئے۔ان کے قافلے میں قریباً چار سو افراد شامل تھے۔یہ قافلہ نومبر 1821ء میں کلکتہ پہنچا، یہاں قریباً تین مہینے تک رہا۔یہاں روزانہ کم وبیش ایک ہزار افراد بیعت کے لئے آتے تھے۔الگ الگ ہر شخص سے بیعت لینا مشکل تھا،اس لئے ساتھ آٹھ دستاریں کھول کر لوگوں کے ہاتھ میں دی جاتیں،لوگ انہیں جابجا تھام لیتے اور بیعت کے الفاظ بلند آواز سے پڑھتے جاتے۔

سید احمد شہید نے سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کرتے ہوئے حسب ذیل اطلاع نامہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھیجا:

''سکھ قوم عرصے سے لاہور اور دوسری جگہوں پر قابض ہے اور ان کے ظلم کی کوئی حد نہیں رہی۔انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو بلاقصور شہید کیا اور ہزاروں کو

میٹرک ،ایف اے،آئی کام ،بی اے،بی کام ،بی ایڈ،بی ایس،ایم اے،ایم ایڈ،ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں اور ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں
میٹرک سے لیکر ایم اے ،ایم ایس سی ،ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں
دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

ذلیل کیا۔مسجدوں میں نماز کے لئے اذان دینے کی اجازت نہیں اور ذبیحہ گاؤں کی قطعی ممانعت ہے۔جب ان کا ذلت آمیز ظلم وستم نا قابل برداشت ہو گیا تو حضرت سید احمد نے خالصتاً حفاظت دین کے لئے کئی مسلمانوں کو کابل اور پشاور کی طرف لے جا کر انہیں خواب غفلت سے گایا اور ان کو جرات دلا کر آمادہ عمل کیا۔الحمد اللہ کہ ان کی دعوت پر کئی ہزار مسلمان راہِ خدا میں لڑنے کو تیار ہو گئے تھے اور سکھ کفار سے 21 دسمبر 1826ء کو جہاد شروع ہو گیا"

۱۱ جنوری 1827ء کو علاقے کے مذہبی رہنماؤں اور رئیسوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو امیر المومنین تسلیم کر لیا۔1830ء کے آکر میں مجاہدین نے پشاور فتح کر لیا اور باقاعدہ اسلامی نظام نافذ کر دیا گیا،جس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل اصلاحات عمل میں آئیں۔

۱۔ زیر قبضہ علاقوں میں عدالتی فیصلوں کے لئے قاضی مقرر کئے گئے۔
۲۔ منشیات کی فروخت پر پابندی لگادی گئی۔
۳۔ عشر اور زکوۃ کی وصولی کے لئے تحصیلدار مقرر کئے گئے۔
۴۔ اصلاح معاشرہ اور دعوت اسلام کے لئے داعیان دین کا تقرر کیا گیا۔
۵۔ لڑکیوں کے نکاح کے لئے لڑکے والوں سے بڑی بڑی رقوم لینے کا رواج تھا،اس رواج کی حوصلہ شکنی کی گئی۔
۶۔ خواتین حق وراثت سے محروم تھیں،خواتین کے حقوق کی ادائیگی کے لئے پہلے ترغیب وتاکید اور پھر شرعی قوانین کا سہارا لیا گیا۔
۷۔ پٹھان قبیلے باہمی جنگ وجدل کا شکار تھے۔ان کی دشمنی کو محبت میں بدلنے کے لئے ان قبیلوں کی آپس میں صلح ومفاہمت کا انتظام کیا گیا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

کئی ایک معرکوں کے بعد 1830ء میں قریباً دو ماہ تک پشاور سید احمد شہید کے ہاتھ میں رہا۔یہاں انہوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اپنا ایک سکہ بھی جاری کیا۔لیکن حالات اس رخ پر جا رہے تھے کہ انہیں جلد ہی پشاور سے روانہ ہونا پڑا۔پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سردارانِ پشاور سے سازش کر کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈال وادی اور اس شاندار تنظیم کو کمزور کر دیا۔

سوال نمبر 20۔ 1707 سے 1857 تک سندھ اور بلوچستان کے سماجی اور سیاسی حالات پر روشنی ڈالیں۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

جواب:

رہائش: زیر نظر دور میں شہر تو معدودے چند ہی تھے جیسے لاہور، ملتان، پشاور اوران میں زیادہ تر وہی لوگ رہتے تھے جو سرکاری مالزم تھے یا کاروبار کرتے تھے۔آبادی کا نوے فیصدی سے زیادہ حصہ دیہات میں رہتا تھا،جہاں مکان کچے ہوتے تھے لیکن اس وقت دیہات خود کفیل تھے اور اپنی ضروریات کی چیزیں خود ہی پیدا کرتے تھے۔

لباس: مرد عام طور پر دھوتی اور قمیص پہنتے تھے۔عورتیں بھی اکثر یہی لباس استعمال کرتی تھی۔یہ لباس عموماً سوت کا بنایا جاتا تھا اور دیہات میں ہی تیار ہوتا تھا۔مردانہ لباس عموماً گاڑھے کا ہوتا تھا اور زنانہ پھول دار۔عورتیں چادر یا پھلکاریاں بھی اوڑھتی تھیں،البتہ سرحد کے مرد اور عورتیں دونوں عموماً شلوار قمیض پہنتے تھے۔

ختنہ: ہر بچے کی پیدائش پر عقیقے کی رسم ادا کی جاتی تھی اور ساری برادری کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔شرع کے مطابق بچے کے لیے دو بکرے اور بچی کے لیے ایک بکرا قربان کیا جاتا تھا۔

عقیقہ: ہر بچے کی پیداء پر عقیقے کی رسم ادا کی جاتی تھی اور ساری برادری کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔شرع کے مطابق بچے کے لیے دو بکرے اور بچی کے لیے ایک بکرا قربان کیا جاتا تھا۔

شادی بیاہ: اس رسم میں مختلف النوع سرگرمیاں کی جاتی تھیں۔پہلے منگنی ہوتی تھی۔اس کے بعد ہر تہوار پر تحائف بھیجے جاتے تھے۔شادی کی تاریخ کا تعین کرنے کے بعد لڑکی کو مایوں بٹھایا جاتا تھا۔پھر مہندی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔اس کے بعد نکاح ہوتا تھا۔لڑکے والے ولیمہ کرتے تھے۔شادی بہت دھوم دھام سے کی جاتی تھی خواہ اس کے لئے قرض لینا پڑے۔سرحدی علاقوں میں شادی بیاہ کے موقع پر اظہار فائرنگ کر کے کیا جاتا تھا جبکہ میدانی علاقوں میں آتشبازی وغیرہ چھوڑی جاتی تھی۔

پیشے: اکثر آبادی کا تعلق زراعت سے تھا جبکہ شہری لوگ ملازمت اور کاروبار کرتے تھے۔زراعت کے علاوہ معماری،نجاری،آہنگری،راج گیری وغیرہ بھی بہت سے لوگوں کے پیشے تھے۔

لوگ: لوگ زیادہ تر کاشت کار تھے لیکن ان کے علاوہ دیہات میں لوہار،ترکھان،معمار،جولاہا،موچی،حجام،دھوبی،چمار وغیرہ بھی موجود تھے جو معاشرے کے بہت اہم اور بنیادی کام انجام دیتے تھے۔لیکن اس کے باوجود کمین یعنی گھٹیا سمجھے جاتے تھے۔

2۔ کشمیر کے سماجی حالات: کشمیر کے ہر محنت کش کے ہاتھ جب تک کام کرتے تو اس کے ہونٹ گنگناتے،یہی کشمیریوں کی زندگی کا انداز اور اسی کا پرتوان کے رسم و رواج پر تھا۔کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور اس لئے ان کے ہاں سب سے زیادہ وہ رسمیں رائج ہوئیں جو اسلامی نظامِ حیات کی دین تھیں۔بچے کی پیدائش،چھٹی، عقیقہ اور ختنہ کی رسمیں قریب قریب وہی طریق اپنائے ہوئے تھیں جو پاکستان کے موجودہ صوبوں میں رائج تھا۔فرق صرف اتنا تھا کہ کشمیری اپنے ہاں کے ماحول کے مطابق اس کی جزئیات میں کمی بیشی کر لیتے تھے اور اس میں مقامی رنگ پیدا ہو جاتا تھا۔اس سلسلے میں نمکین چائے اور تنبول یعنی تحفے تحائف کی خاص گرم بازاری رہتی تھی۔بچے کی پیدائش ہو یا اس کا عقیقہ یا زرِ کاستہ کی تقریب جس میں بچے کے پیدائشی بال کاٹے جاتے تھے۔نمکین چائے اور تنبول اس کے لازمی اجزاء سمجھے جاتے تھے۔شادی کی رسم بہت سی رسموں کا مجموعہ تھی۔ان میں قابلِ ذکر میز رات یعنی دلہن کی حنابندی کی رات اور وہ دعوت تھی جو دلہن کے ہاں براتیوں کو ایک بڑے اہتمام،

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

بڑے وقار اور کامل سکوت میں دی ہوتی تھی۔ان دعوتوں کا سب سے آخری جز وکشمیریوں کی لذیز غذا گوشتابہ ہوتا تھا۔کشمیر کی عام خوراک چاول، ہاک (ساگ)،اور مچھلی تھی۔

کشمیر میں زیادہ تر آبادی دیہاتوں پر ہی مشتمل تھی اور سب سے اہم پیشہ زراعت تھا۔ بعض علاقوں میں کاشتکار اور زمیندار بھڑیں پالتے اور ان کی اون سے شال، لوئیاں اور دیگر گرم پارچات تیار ہوتے تھے۔دیگر صنعتوں میں شامل تھیں۔کھڈیوں پر ریشمی کپڑا بننا، قالین بافی، گبر سازی، نمدہ سازی، اخروٹ کی لکڑی کا کام اور پیپر وغیرہ ۔کشمیر کی آبادی کا بیشتر حصہ ایک لمبا سا کرتہ پہنتا تھا جسے فِرن یا پھِرن کہتے تھے، جس کی لمبائی ٹخنوں تک ہوتی تھی۔سیوے کشمیر کا قومی لباس چہرے پر مقطع داڑھی، سر پر گول پگڑی، جسم پر ایک ڈھیلا ڈھالا فرغل، ٹانگوں میں شرعی یا چوڑی دار پاجامہ اور کاندھے پو اونی یا سوتی چادر بن گیا تھا۔مسلمان خواتین اپنے سر پر پگڑی کی طرح ایک گول رومال باندھا کرتی تھیں جو قصا کہلاتی تھی اور قصا کے اوپر والی اوڑھنی کو پوڑی کہا جاتا تھا۔

3۔ سندھ کے رسم ورواج:

رہائش: زیادہ تر لوگ دیہاتوں میں رہتے تھے جو ہر لحاظ سے خود کفیل تھے۔صرف تھوڑی سی آبادی ٹھٹھہ، حیدرآباد وغیرہ کے شہروں میں آباد تھی جو حکومتوں کے صدر مقام تھے۔

لباس: دیہاتی لوگ شلوار قمیض پہنتے تھے۔سر پر ٹوپی کا عام رواج تھا۔یہ ٹوپی مختلف رنگوں کے دھاگوں اور جڑے ہوئے شیشوں سے بنائی جاتی تھی۔مردوں کے کندھوں پر اجرک ہوتی تھی۔عورتوں کا لباس بھی شلوار قمیض پر مشتمل تھا۔وہ سر پر دوپٹہ اوڑھتی تھیں۔

پیشہ: زیادہ تر لوگ کاشتکار تھے۔چاول یہاں کی اہم ترین فصل تھی۔شہری لوگ ملازمت اور کاروبار کرتے تھے۔

شادی بیاہ: جب کسی لڑکی کو پسند کر لیا جاتا تھا تو بڑے بوڑھے منگنی کے لیے جاتے تھے۔جب شادی کی تاریخ رکھی جاتی تھی تو لڑکی کو الگ کمرے میں بٹھا دیا جاتا تھا۔اس رسم کو "ونواہ" کہا جاتا تھا۔شادی کی تاریخ عام طور پر ایک ہفتہ بعد کی ہوتی تھی۔جس کے دوران لڑکی الگ بیٹھی رہتی تھی۔

ماتم: اگر کسی کا عزیز فوت ہو جاتا تو تین دن تک اس گھر میں چولہا نہیں جلایا جاتا تھا اور دوسرے عزیز کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتے تھے۔سوم اور چہلم وغیرہ جیسی رسوم ادا نہیں کی جاتی تھی۔

ختنہ: بچے کی پیدائش کے بعد تین سال کی عمر تک عام طور پر ختنہ کرا دیا جاتا تھا۔

میڑھ: کسی تنازعے کو حل کرنے کیلئے لوگ کسی بزرگ کی معیشت میں اکٹھے ہو کر قرآن پاک ساتھ لے کر جاتے تھے۔میڑھ کو ناکام واپس کرنا اس کی بے عزتی تصور کیا جاتا تھا۔سندھی معاشرہ بنیادی طور پر زرعی معاشرہ ہونے کی وجہ سے خود کفیل تھا اور کافی حد تک پنجاب کے معاشرے سے ملتا جلتا تھا۔شادی بیاہ کی رسموں میں اسراف سے کام لیا جاتا تھا۔سندھ میں گندم اور چاول کے علاوہ کھجور بافراط پیدا ہوتی تھی۔

4۔ بلوچستان کے سماجی حالات:

منگنی: بڑی بوڑھیاں جب کسی لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں تو خاندان کے سربراہ لڑکی کے والدین کو اطلاع دے کر ان کے گھر جاتے تھے اور منگنی کی شرائط طے کر لیتے تھے۔

شادی بیاہ: لڑکے کے خاندان سے ایک معزز شخص لڑکی والوں کے پاس جا کر ان سے شادی کی تاریخ ٹھہرا لیتا تھا۔اس کے بعد شادی کی تیاریاں شروع ہوتی تھیں۔لب و پرداچ لڑکی کی تیاریاں شروع ہوتی تھیں۔لب و پرداچ لڑکی والوں کو پہنچا جاتا تھا۔لڑکی والوں کی طرف سے صرف عورتیں خوشی مناتی اور گیت گاتی ہیں۔مرد سنجیدہ اور خاموش رہتے تھے۔البتہ لڑکے والے اپنی استطاعت کے مطابق خوشیاں مناتے تھے۔

سنت: اسلامی شریعت کے مطابق لڑکوں کا ختنہ کیا جاتا، جسے بلوچی میں سنت یا چل بری کہتے تھے۔ختنے کی رسم حیثیت کے مطابق بڑی دھوم دھام سے کی جاتی تھی۔

میڑھ: فریق مخالف کے گھر معافی مانگنے اور تصفیہ کی درخواست کرنے کیلئے چند مخصوص آدمیوں کے بھیجنے کو میڑھ کہتے ہیں۔

ماتم: مردے کو دفن کرنے کے بعد بلوچ کئی دن تک ماتم کرتے تھے۔مرد ایک طرف بیٹھ کر فاتحہ قرآنی کرتے، عورتیں گھر میں نوحہ خوانی کرتی تھیں۔نوحہ خوانی کرنے والی خاص عورتوں کو دور دور سے بلایا جاتا تھا۔

خون بہا: بلوچستان میں کسی شخص کے رتبے کے مطابق خون بہا لیا جاتا تھا جو تین سو روپے سے لے کر ایک لاکھ تک ہوتا تھا۔

مہمان نوازی: بلوچ فطرتاً مہمان نواز تھے۔غریب سے غریب بلوچ بھی اپنے گھر آئے ہوئے مہمان کو پیٹ بھرا اچھا کھانا کھلاتا تھا۔مہمان خانہ بلوچی کے ہر گاؤں کا لازمی حصہ تھا اور صاحب استطاعت لوگ اپنے اپنے مہمان خانے الگ بھی بنواتے تھے۔

باہوٹ: اس کے معنی ہیں کسی شخص یا اشخاص کو اس کے یا ان کے دشمنوں سے اپنی حفاظت میں لے کر پناہ دینا۔بلوچ اس پر اس شدت سے کاربند تھے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

پوشاک: پہلے زمانے کے بلوچ بیس سے چالیس گز گھیر کی شلوار پہنتے تھے۔قمیض کی آستین ہاتھ کے پہنچوں سے بھی فٹ بھر لمبی ہوتی تھی۔عورتوں کا لباس ایک لمبا فراک نما جامگ ہوتا تھا۔مرد خاص انداز میں پگڑی باندھتے تھے۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک ایف اے آئی کام بی اے بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

رہائش: دورزیرتبصرہ میں بلوچ خانہ بدوش تھے۔موسم کے مطابق زمین پر چلتے پھرتے رہتے تھے۔جہاں پانی اورسبزہ ہوتا وہیں اپنے ڈیرے ڈال لیتے تھے۔

سیاہ کاری: بلوچ ننگ وناموس کے معاملے میں بہت حساس تھے اسی لئے وہ سیاہ کاری پر بہت سخت اقدام کرتے تھے۔سیاہ کاری کسی مرداورعورت کے درمیان ناجائز تعلقات کوکہتے ہیں۔اس جرم کی سزامرداورعورت دونوں کے لئے موت تھی۔بلوچستانی سماج قبائلی تھاجس میں سرداراورقبائلی کے درمیان وڈیرےاورمعتبر یاٹھکری اور کماش آتے تھے،گویاسماج میں مساوات نہ تھی لیکن اچھاسرداروہی سمجھاجاتا تھاجوقبائلی اقداراوراطوار کاپابند ہو،اپنے قبائلیوں کی عزت وناموس کامحافظ ہواورانہیں ان کی سطح پررہ کرملتاہو۔اقداراوراطوار کاایک نمایاں پہلوانتقام جوئی تھا۔اور یہ اس حدتک بڑھی ہوتی تھی کہ اس کا تاریخی مقابل ومماثل بلکہ اس کاہیولے دورجاہلیت کےعربوں کی رسم ثارتھی۔جس کےتحت انتقام نسلاً بعدنسلاً منتقل ہوتارہتاتھاتاوقتیکہ یہ پوراہوجائے۔کچھ یقیناً مثبت اقدارتھیں جیسے مذکورہ بالاکوٹ یاسید یابڑی بوڑھی کی مداخلت پرلڑائی فوراًبندکردینایاکم ازکم اسے چادردےکرعزت سے رخصت کردینا،اگردشمن کسی زیارت میں داخل ہوجاتے تواس پروارنہ کرنا،بصورت لڑائی بچوں،عورتوں اورہندوؤں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔یہ اقداردراصل قبائل کی صدیوں کی باہمی زندگی،جدوجہد،جنگ وجدل اورنقل مکانی ونقل وطنی کانچوڑتھیں۔

سوال نمبر21۔ سرسید کی تعلیمات کااثرموجودہ پاکستان میں شامل علاقوں میں کس طرح مرتب ہوا؟ تجزیہ کریں

جواب۔

کاشان اکیڈمی

مسلمانوں کی اصلاح کے لئے سرسیداحمد خان نے ''تہذیب الاخلاق'' نام کا رسالہ جاری کیااوراس کی مدد سے مجلسی اصلاحات کابیڑہ اٹھایا۔مذہب اورمجلسی حالات پرسرسید کےخیالات آزادنہ تھے۔وہ فی الفورتبدیلیوں کےقابل نہ تھے،جن کی وجہ سےعوام الناس میں بحران پھیل سکنے کاخطرہ ہوتاہے۔سرسید کےمطابق اسلام ایسامذہب ہے جس میں عقلی یااستدلالی رنگ بہت زیادہ ہے۔چنانچہ انہوں نےتحریک احیاءالعلوم کی بنیادرکھی تاکہ اپنی حفاظت علم کی قوت سےکرسکیں۔اس طرح علی گڑھ نے وہ حیثیت حاصل کرلی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تمام اُمیدیں اوراُمنگیں اسی سے وابستہ ہوگئیں۔نصب العین وہی رہا، جوہمیشہ سے مسلمانوں کارہاصرف طریقہ کاربدل گیا۔

0334-5504551

دارالعلوم علی گڑھ کےنشانِ امتیاز (Insignia) میں کھجوررکھی گئی (کیونکہ اس پھل پرکبھی دورِخزاں نہیں آتا)۔دارالعلوم علی گڑھ کےطلبا کی یونیفارم وہی ہووہی ہوئی جوامیرالمومنین(ترکی) کالباس تھاتاکہ مسلمان یہ سمجھتےرہیں کہ انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنےکی حکمت عملی کےباوجودمسلمانانِ ہندعالمگیرمسلم برادری کےجزو ہیں۔بقول سرسیدمسلمانوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ ان کےایک ہاتھ میں قرآن ہواوردوسرے میں علوم مغربی اورسرپرلاالہ الااللہ کاتاج ہو۔

Download Free Assignments from

Solvedassignmentsaiou.com

رسالہ تہذیب الاخلاق:

مسلمان قوم کی بہبودکےلئےاورتحریک احیاءالعلوم کومزیدقوت محرکہ بخشنےکےلئےسرسیداحمد خان نے24دسمبر1870ءمیں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔سرسید کےنزدیک رسم ورواج کی اندھادھندتقلیدترقی کےراستے میں رکاوٹ ہے۔اس رسالے کامقصدلوگوں کووہم پرستی سےبچانااوران کےبرےنتائج سےآگاہ کرناتھا۔دوم ملت کی بہتری کےلئےنت نئی تجویزیں سوچنااورکھلم کھلابحث کی دعوت دیناتاکہ انہیں مزیدبہتربنایاجاسکے۔سوم اپنی بات شگفتہ الفاظ میں بیان کرناتاکہ مادری زبان ترقی کرسکے۔

مختصراًتہذیب الااخلاق کےاہم مقاصدفردکےاخلاق کی اصلاح وتکمیل اورشائستگی اورقومی عزت کااحساس ہونا۔قومی کوجدیدترقیات کی طرف راغب کرنا۔علمی نقطہ نظرکی اصلاح،دینی زاویہ کی اصلاح،ادب وانشاءکےلئےذوق پیداکرنا،اردوزبان کی قومی حیات اوراجتماعی افکارکاترجمان بنانا وغیرہ تھے۔

تہذیب الاخلاق میں سرسید کےبعدسب سےزیادہ لکھنےوالےبزرگ محسن الملک ہی تھے۔ان کےمضامین میں مغربی علمیت پائی جاتی ہے۔ان کےپاس ادیب کاقلم اورفلسفی کاذہن تھاوہ معمولی موضوعات کواپنےفلسفیانہ تجربےسےکچھ کاکچھ بنادیتےتھے۔

آل انڈیامسلم ایجوکیشنل کانفرنس: سرسیداحمد خان کےعظیم کارناموں میں ایک آل انڈیامسلم ایجوکیشنل کانفرنس بھی ہے۔اس کانفرنس کامقصدمسلمانوں کی تعلیمی کاوشوں کوتیزکرناتھا۔اس کانفرنس کاپہلااجلاس 27دسمبر1886ءمیں علی گڑھ میں ہوا۔سرسید کی زندگی میں اس کانفرنس کےکل گیارہ اجلاس وقتاًفوقتاًہوئے۔اس کانفرنس کےمفیدنتائج سرسیدنےخوداپنی زندگی میں ہی دیکھنےشروع کردیئےتھے۔اس کانفرنس نےمسلمانوں کوتعلیم کےلئےآبِ حیات کاکام دیا۔کانفرنس کی کوششوں سےمختلف مقامات پرسکول قائم ہوئے پنجاب میں انجمن حمایت اسلام کی تعلیمی کاوشیں بھی اسی کانفرنس کی مرہونِ منت ہیں۔علی گڑھ میں خواتین کےلئےایک کالج قائم ہوا۔کانفرنس کی کاوشوں سے1903ءمیں دہلی میں ایک شعبہ اُردوقائم ہوا۔جس کےپہلےسیکرٹری مولاناشبلی نعمانی تھے،جن کی زیرِقیادت قابلِ قدرکتابیں شائع ہوئیں۔

سرسیدہندوؤں اورمسلمانوں میں خوشگوارتعلقات کےخواہاں تھے۔وہ ان دونوں کوایک دلہن کی دوآنکھیں سمجھتےتھے۔ان کےہندواحباب کاحلقہ بہت وسیع تھا۔جس کےساتھ انہوں نےعام لوگوں کی بھلائی کےلئےکام کیاتھا۔سرسیدنےسائنٹیفک سوسائٹی جن مقاصد کےلئےقائم کی،اُن میں ایک یہ بھی تھاکہ اُردوکوترقی دےکرعلمی کتابوں کی تالیف اورتراجم کئےاوراُردوڈکشنریاں بنانےکاکام خودسرسیدنےاپنےذمہ لیاتھا۔

جب1885ءمیں انڈین نیشنل کانگریس ظہورمیں آئی توسرسیدنےشروع میں ہی ایسارویہ اختیارکیاکہ مسلمان اس سےپرےرہیں۔انگریزوں کےبعد ہندوستان ہندوؤں کی اکثریت حکومت کی حقدارہوگئی جوکہ مسلمانوں کےلئےزیرِقابل ہوگی۔کانگریس کاساتھ دینامسلمانوں کےگلےپرچھری پھیرنےکےمترادف ہے۔سول سروس میں داخلےکےامتحان مقابلہ کی سرسیدنےشدیدمخالفت کی۔ان کاخیال تھاکہ ہندوستان میں ہندومسلمان اورپارسی جیسی مختلف قومیں آبادہیں اوریہ لیاقت،

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

تعلیم اور دولت کے لحاظ سے برابر نہیں ہیں۔اگر سول سروس کی ملازمتیں مقابلہ کے امتحان کے ذریعہ سے بھری گئیں تو جو قوم پسماندہ ہے نقصان میں رہے گی۔یعنی مسلمان گھاٹے میں رہیں گے۔مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی گئی۔اس کا کام مسلمانوں کے حقوق کے انگریزی حکومت کے سامنے ترجمانی کرنا تھا اور عوامی ایجی ٹیشن کو روکنا تھا جو کہ حکومت کے برخلاف ہو۔تحریک علی گڑھ جس کے وہ بانی تھی وہ قوم کو عین اسی سمت لے گئی اور ایک قدم کے بعد دوسرا قدم اٹھا۔جداگانہ سیاسی، پھر جداگانہ قومیت جو کہ بالآخر تحریکِ پاکستان کا پیشرو بنی۔بقول بابائے اُردو مولوی عبدالحق]'اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ قصرِ پاکستان کی بنیاد میں سب سے پہلی اینٹ اسی پیر و مرشد سر سید احمد خان) کے مبارک ہاتھوں میں رکھی'' سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی تعلیمی بنیادیں اتنی استوار کیں کہ وہ پاکستان بنانے کے قابل ہو گئے۔اس طرح سے ان کے معاصر سید امیر علی نے اپنے آپ کو مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں حصہ دلانے کے لئے وقف کیا۔

سوال نمبر 22۔ یورپی اقوام کی ہندوستان آمد کے کیا اثرات ہوئے؟ تنقیدی جائزہ لیں۔

جواب۔

1757 کی جنگ پلاسی کے بعد لارڈ کلائیو کا فاتحانہ لشکر، ہندوستان میں انگریز راج کے عروج کی سمت پہلا قدم برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی یا برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی یا برطانوی شرق الہند کمپنی جسے انگریزی (CompanyIndiaEastBritish) کہا جاتا ہے، جزائر شرق الہند میں کاروباری مواقع کی تلاش کے لیے تشکیل دیا گیا ایک تجارتی ادارہ تھا تاہم بعد ازاں اس نے برصغیر میں کاروبار پر نظریں مرکوز کر لیں اور یہاں برطانیہ کے قبضے کی راہ ہموار کی۔1857ء کی جنگ آزادی تک ہندوستان میں کمپنی کا راج تھا۔اس کے بعد ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے زیر نگیں آ گیا۔برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو 1600ء میں ملکہ الزبتھ اول کے عہد میں ہندوستان سے تجارت کا پروانہ ملا۔1613ء میں اس نے سورت کے مقام پر پہلی کوٹھی قائم کی اس زمانے میں اس کی تجارت زیادہ تر جاوا اور سماٹرا وغیرہ سے تھی۔جہاں سے مصالحہ جات برآمد کر کے یورپ میں بھاری داموں بیچا جاتا تھا۔1623ء میں جب ولندیزیوں نے انگریزوں کو جزائر شرق الہند سے نکال باہر کیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی تمام تر توجہ ہندوستان پر مرکوز کر دی۔1662ء میں بمبئی بھی اس کے حلقہ اثر میں آ گیا۔اور کچھ عرصہ بعد شہر ایک اہم تجارتی بندرگاہ بن گیا۔1689ء میں کمپنی نے علاقائی تسخیر بھی شروع کر دی جس کے باعث بالآخر ہندوستان میں برطانوی طاقت کو سربلندی حاصل ہوئی۔1858ء میں یہ کمپنی ختم کر دی گئی اور اس کے تمام اختیارات تاج برطانیہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔تاہم 1874ء تک کچھ اختیارات کمپنی کے ہاتھ میں رہے۔ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی 1602ء میں بنی تھی مگر برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی سے زیادہ بڑی ثابت ہوئی۔ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس 4785 بحری جہاز تھے جبکہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس 2690 جہاز تھے۔انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی دنیا کی پہلی لمٹڈ کمپنی تھی۔اس کے 125 شیئر ہولڈرز تھے اور یہ 72000 پاؤنڈ کے سرمائے سے شروع کی گئی تھی۔

1487ء میں ایک پرتگالی جہاز ران بارتھولومیوڈیاز ایک زبردست طوفان کی بنا پر مغربی افریقہ کا چکر کاٹ کر کامیاب ہو گیا تھا۔1497ء میں مشہور پرتگالی جہاز ران واسکوڈے گاما اپنی بحری مہمات پر روانہ ہوا۔اس نے ڈیاز کی پیروی کرتے ہوئے موزمبیق تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کر لی۔یہاں پر ایک عرب جہاز ران کی مدد سے 1498ء میں ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ میں لنگر انداز ہوا۔مقامی راجہ زیمورن نے اس کا اچھا استقبال کیا اور اسے کچھ مراعات بھی دیں۔چونکہ عرب ہندوستان میں یورپی اقوام کو پسند نہ کرتے تھے۔کیونکہ پرتگالیوں کے ہندوستان میں آنے سے عرب و ہند کے مابین تجارت کو خاصا نقصان پہنچا تھا،اس لئے ان کی مخالفت کی وجہ سے واسکوڈے گاما کو تین ماہ قیام کے بعد واپس جانا پڑا۔

تعارف و محرکات۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا اصل نام'' گورنرز اور لندن کے تاجروں کی کمپنی برائے تجارت'' تھا۔یہ 1600ء میں لندن میں وجود میں آئی۔اس کا برصغیر سے تجارت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔برصغیر اس اجازت نامہ میں درج نہ تھا جس کے تحت اس کمپنی کو ایسٹ انڈیز سے تجارت کرنے کا چارٹر ملا تھا۔مگر سازگار حالات اور ہمارے حکمرانوں کے ذہنی اور فکری تساہل نے برصغیر کو ان کے قدموں کی دھول بنا دیا۔یہ کمپنی چائے، نمک، کاٹن سے لے کر افیون تک کی تجارت کرتی تھی۔اس کا واحد منشور پیسہ کمانا تھا۔ان کے نزدیک جائز اور ناجائز ذرائع آمدنی میں قطعاً کوئی فرق نہیں تھا۔کالی مرچ کی تجارت پر ہالینڈ کی کمپنی کا کنٹرول تھا۔برطانوی تاجر ڈچ کمپنی سے شدید مقابلہ میں تھے۔برطانوی کمپنی نے''سورت'' کے مقام پر اپنے تجارتی بحری جہاز کھڑے کرنے شروع کیے۔اس وقت تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ بہت تھوڑے عرصے میں پورے برصغیر پر حکومت قائم کر لینگے۔اس ادارے کے چوبیس ڈائریکٹرز اور ایک گورنر تھا جو تمام لندن میں بیٹھے تھے۔ڈچ اور پرتگالی کمپنیوں سے دشمنی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک فوج بنانے کا جواز دیا۔

مغل بادشاہ اور دستور کی حیثیت۔

برصغیر کی بدقسمتی کا آغاز ایک معصوم طریقے سے شروع ہوا۔1612ء میں تھامس مور مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں پیش ہوا۔جہانگیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کیا۔یہ دستاویز پڑھنے کے قابل ہے کیونکہ اس معاہدہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ماضی کے حاکم بالکل آج کی طرح اپنی ناک سے آگے دیکھنے میں قاصر تھے۔جہانگیر کو بالکل اندازہ نہ ہوا کہ اس نے اپنی حکومت کو کتنے بڑے طوفان کے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔میں اس معاہدہ کی چند شقیں آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔کمپنی اور برطانیہ کے تمام تاجروں کو برصغیر کی ہر بندرگاہ کو استعمال کرنے کی غیر مشروط اجازت دے دی گئی۔انکو پورے برصغیر میں کسی بھی مقام پر رہنے کی آزادی بھی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

دی گئی۔

کمپنی کا آئین اور ہندوستان۔ یہ بھی لکھا گیا اس کمپنی کے دشمن (پرتگال) یا کسی اور طاقت کو انھیں نقصان نہیں پہنچانے دیا جائے گا۔ کمپنی کے تاجر پورے برصغیر میں کسی بھی مقام پر خرید و فروخت کرنے کے لیے آزاد ہونگے۔ آخری شرمناک نکتہ یہ تھا کہ اس دوستی اور محبت کے عوض ادارے کے جہاز بادشاہ کے محل کے لیے جو بھی نوادرات اور امیرانہ تحفے لائینگے، انکو خوشی سے قبول کیا جائے گا۔ ہاں ایک اور اہم شرط یہ بھی تھی کہ یہ تمام مراعات صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہونگی اور اس کے علاوہ کسی کو بھی یہ حق نہیں دیا جائے گا۔ اس معاہدہ میں برصغیر کے عام آدمی کے خون چوسنے کی ہر شرط موجود تھی۔ اس کے عوض بادشاہ کے لیے صرف راحت اور فرحت کا سامان مہیا کرنا لازم تھا۔ لندن میں کمپنی کے ڈائریکٹرز کو جب اتنی بڑی خوشخبری سنائی گئی تو انھیں اس کامیابی پر یقین نہیں آرہا تھا۔ مگر یہ حقیقت تھی۔ بہت تھوڑے عرصے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت، مدارس، بمبئی اور کلکتہ میں فیکٹریاں تعمیر کر دیں۔ 1647 تک ان کی 23 فیکٹریاں مختلف شہروں میں مکمل ہو چکی تھیں۔ ہر فیکٹری میں برصغیر سے نوے مقامی آدمیوں کو کام کرنے کی اجازت تھی۔ مگر ادارے کا منیجر جسے گورنر بھی کہا جاتا تھا، ہمیشہ انگریز ہوتا تھا۔ یہ تمام فیکٹریاں قلعہ کی مانند تھیں۔ مغل بادشاہوں کی عاقبت نااندیش عنایت اس حد تک بڑھ گئی کہ 1717ء میں کمپنی کے سامان اور مال پر ہر قسم کا ٹیکس بھی معاف کر دیا گیا۔ مگر لندن میں بیٹھے ہوئے بادشاہ اپنے تجارتی اداروں کے مالی مفاد کے معاملے میں بہت زیرک تھے۔ برصغیر میں کامیابی کا رجحان دیکھ کر چارلس دوم نے ایک حکم نامہ جاری کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو زمین پر قبضہ کرنے، فوج رکھنے، بین الاقوامی معاہدے کرنے، جنگ اور امن کے لیے اقدامات کرنے کی مکمل آزادی دے دی گئی۔ حتیٰ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو کرنسی چھاپنے کا اختیار بھی دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ انکو اپنے مفتوحہ علاقوں پر فوجداری عملداری کا نایاب اختیار بھی عطا کر دیا گیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے بنیادی طور پر کمپنی پر اپنی دھاک اور برتری قائم رکھی ہوئی تھی۔ ایک برطانوی بحری قزاق ہنری ایوری نے اورنگ زیب کے خزانے کے بحری جہاز ''فتح محمد'' اور گنج سوائی کو لوٹ لیا تھا۔ اس خزانے کی مالیت چھ سے سات لاکھ برطانوی پاؤنڈ تھی۔ نتیجہ میں، اورنگ زیب نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی فیکٹریاں برباد کر ڈالیں۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

تاج برطانیہ۔

تاج برطانیہ نے ہنری ایوری کی سرکاری سطح پر مذمت کی اور مغل بادشاہ سے معافی مانگی۔ میں نواب سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا جنھوں نے کمپنی کے بڑھتے ہوئے اثر کو محسوس کیا مگر قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ اس کے بعد اس تجارتی جن کے سامنے کوئی بھی نہ ٹھہر سکا۔ شاہ عالم ثانی نے کمپنی سے جنگ لڑی مگر وہ ہار گیا۔ اس کی آنکھیں نکال دی گئیں اور اسے مکمل طور پر رسوا کر دیا گیا۔ انگریز بہادر نے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ آج آپ برطانیہ کے کسی لارڈ یا پرانی فیملی کی دولت کی بنیاد پر نظر ڈالیں تو وہ برصغیر کی لوٹ مار سے منسلک ہوگی۔ 1857ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو تاج برطانیہ نے قومی تحویل میں لے لیا۔ فکر انگیز بات یہ ہے کہ کیا مغل کمزور تھے یا ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجر طاقتور تھے۔ آپ قدرت کے قوانین پر دوبارہ نظر دوڑائیں۔ آپ کو مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے ذمے دار عناصر سمجھ میں آجائیں گے۔ ہمارا رویہ ہمارا سب سے بڑے دشمن تھا اور ہے۔ آپ آج کے معروضی حالات کا جائزہ لیجیے۔ آپ اپنے ملک کو دیکھیے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک نئی اور جدید شکل آپ کے سامنے بھیانک چہرہ لیے کھڑی ہوئی ہے۔ ہمارے ملک کے 90 فیصد وسائل پر تیس سے چالیس لوگ قابض ہو چکے ہیں۔ اس بات کو کسی بھی جدید لفظ کا لبادہ پہنا دیں۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ ملکی دولت کے غیر فطری ارتکاز کے بعد چند لوگ کچھ دہائیوں سے ہمارے سیاسی، انتظامی اور نظام عدل پر قابض ہو چکے ہیں۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

<u>انگریزوں کے مقابلے میں فرانسیسیوں کی ناکامی کے اسباب</u>:۔

<u>فرانسیسیوں کی ناکامی کے عام اسباب</u>: انگریز کمپنی کی کامیابی اور فرانسیسی کمپنی کی ناکامی کے اسباب کو جاننا ایک تاریخ کے طالب کے لیے نہایت ضروری ہے۔ 1761ء میں انگریز کے ہاتھ پانڈیچری کی فتح سے ہم انگریزی اور فرانسیسی کشمکش اقتدار کے مکمل خاتمے کی طرف پلٹ آتے ہیں۔ 1763ء میں ہندوستان میں فرانسیسی علاقوں کو بالکل دبا دیا گیا اور 1770ء میں فرانسیسی کمپنی کا دیوالیہ نکل گیا۔ ان حالات میں انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی ہی میدان میں رہ گئی۔ جواب ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو مستحکم کرنے کے قابل تھی۔ الفرڈ لائل کے الفاظ میں ہندوستان میں تجارتی یا عسکری کامیابی کے لیے دو بنیادی شرائط نہایت ضروری تھیں۔

1۔ ساحلی علاقوں پر مضبوط مراکز کا قیام 2۔ یورپ کے ساتھ براہِ راست قیام کی خاطر عمدہ تجربہ کی تشکیل

اب انگریزوں نے سمندر پر بھی فوقیت حاصل کرنا تھی۔ اس کے برعکس فرانسیسی خشکی پر بھی اپنا دبدبہ قائم نہ رکھ سکے۔ ان کی بدقسمتی یا انفرادی نااہلیت نہ تھی بلکہ وہ نامساعد حالات تھے جنھوں نے انگریزوں کے ساتھ ان کی کشمکش اقتدار کا فیصلہ کر دیا تھا۔

<u>فرانسیسی کمپنی کی ناکامی کے اسباب</u>: ۔ فرانسیسی درجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ہندوستان میں اپنی حکومت زیادہ عرصہ تک قائم نہ کر سکے۔

<u>انگریز کمپنی کی بہتر مالی حالت اور حکومت کی حمایت</u>: ۔ انگریزی کمپنی تجارت کی بدولت مالا مال ہوگئی۔ کیونکہ انگریزوں نے اس مقصد کو نہیں بھلایا کہ وہ یہاں تجارت کی غرض سے آئے ہیں۔ برطانوی حکومت اکثر کمپنیوں سے قرض لیا کرتی تھی۔ ڈائریکٹرز پارلیمان میں کمپنی کی نمائندگی کرتے تھے۔ فرانسیسی کمپنی کی نجی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ وہ قومی خزانے پر ایک بوجھ سمجھی جاتی تھی اگرچہ انگریزی کمپنی ایک نجی فرم تھی لیکن ملی حکومت اور انگریز حکومت اس کی پشت پر تھے۔ اس کے برعکس فرانسیسی کمپنی ملکی حکومت کا ایک شعبہ ہونے کے باوجود ملکی عوام و حکومت سے خاطر خواہ حمایت کے حصول میں ناکام رہی۔ لہٰذا اس کی ناکامی ضروری تھی۔

<u>تجارتی مقاصد</u>: ۔ انگریز کمپنی نے یہ بات ایک لمحہ کے لئے بھی نظرانداز نہیں کی کہ اس کا اصل مقصد تجارت کی ترقی ہے۔ چنانچہ انگریز جنگ کے دنوں میں بھی تجارت کر کے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اس کے برعکس فرانسیسی کمپنی تجارت سے لاپرواہ ہو کر فضول جنگوں میں اپنا روپیہ برباد کرتی رہی۔ نتیجے کے طور پر 1741ء کے بعد فرانسیسیوں کی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، ایف اے، ڈپلومہ اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

تجارت بہت حد تک زوال پذیر ہوگئی۔

انگریز کمپنی کے معاملات میں حکومت کی عدم مداخلت: ۔برطانوی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں بالکل مداخلت نہیں کرتی تھی۔ جو اپنے لئے خود کام کرتی تھی۔ کمپنی ہی اپنی حکمت عملی اور خوشحالی کی ذمہ دار تھی۔خود مختاری بااثر تجارتی فرم کی حیثیت سے وہ دیانت دار اور مستعد افراد کو ترقی کے بڑے مواقع فراہم کرتی جو اس کی ترقی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے۔اس کے برعکس فرانسیسی کمپنی کو ایک سرکاری ادارے کا درجہ حاصل تھا۔ملکی معلامات میں بسا اوقات ناجائز طور پر دخل اندازی کرتی تھی۔ان حالات میں کمپنی کی ناکامی ضروری تھی۔

انگریزوں کا بہترین طریق کار اور بحری برتری: ۔انگریزوں نے ہندوستانی رسم ورواج، حالات، سیاست وعقائد کا گہرا مطالعہ کیا۔اپنے مفاد کی خاطر انہوں نے مناسب ذرائع اختیار کرکے کامیابی حاصل کی۔فرانسیسی مقامی رسم ورواج، تہذیب وثقافت سے واقف نہ تھے۔جس کی بناء پر وہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ ان کی بحری فوقیت تھی۔تمام راستے ان کے قبضے میں تھے۔انگلستان کو ان دنوں سمندر کی ملکہ کا نام ملا ہوا تھا۔انگریز بڑی آسانی سے سامان حرب ہندوستان میں پہنچا سکتے تھے۔فرانسیسیوں کی بحری طاقت زوال پذیر تھی۔وہ انگریزوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

لالی کی غلط حکمت عملی: ۔اس میں شک نہیں کہ لالی بحیثیت سپاہی بہادر تھا اور انسان کی حیثیت سے دیانتدار تھا۔لیکن اس میں ایک اچھے سالار کی خوبیوں کی بڑی کمی تھی۔جس کی بناء پر وہ انگریزوں کے مقابلے میں اپنی غلط حکمت عملی کی بدولت کامیاب نہ ہوا۔اگر وہ ڈوپلے کی پالیسی اختیار کرتا اور اس کے مشورے پر چلتا تو کوئی طاقت بھی اسے ہندوستان میں فرانسیسی اقتدار کے قیام سے باز نہ رکھ سکتی۔

کاشان اکیڈمی

حیدر آباد سے بسے کی واپسی: ۔لالی نے حیدر آباد سے بسے کو بلا کر سخت غلطی کی۔بے کی مدد سے اس کی طرف روانگی کے فوراً بعد انگریزوں نے شمالی سرکار پر قبضہ کرلیا اور انہوں نے نظام دکن کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔لہٰذا دکن سے فرانسیسی اقتدار کا جنازہ نکل گیا۔

0334-5504551

بہتر تجاری مقاصد اور ولیم پٹ کی حکمت عملی: ۔انگریز کمپنی کی تجاری کوٹھیوں کی جائے وقوع فرانسیسی تجاری مراکز کی نسبت بہت بہتر ثابت ہوئی۔بمبئی، مدراس، کلکتہ ترتیب وار ماہی پانڈ یچری، چندر نگر کے مقابلے میں بلاشبہ سیاسی اور تجارتی لحاظ سے بہتر مقامات تھے۔انگریزوں کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ انگلستان کے وزیر جنگ ولیم پٹ کی زبردست جنگی حکمت عملی تھی۔اس نے جنگ کا انتظام اس طریقے سے کیا کہ فرانس کی تمام تر توجہ یورپ کے معاملات میں ہی مبذول رہی۔ان حالات میں فرانس ہندوستان میں اپنی کمپنی کو کسی قسم کی مدد نہیں بھیج سکتا تھا۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

انگریزوں کی کامیابی کے لئے فرانسیسیوں کی غلطیاں: ۔

فرانس کی غلط حکمت عملی: ۔فرانس یورپی جنگوں میں اس قدر منہمک رہا کہ اس نے کالبرٹ کی اصلی حکمت عملی، تجاری اور نوآبادیاتی توسیعی عزائم کو بالکل نظر انداز کردیا تھا۔ان مسلسل جنگوں نے فرانس کی اقتصادی حالت کو بالکل تباہ وبرباد کردیا تھا۔اقتصادی استحکام کی عدم موجودگی میں فرانسیسی حکومت اپنی کمپنی کی مالی امداد کرنے سے بالکل معذور تھی۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فرانس ہندوستان میں ہم وطنوں کے مفاد کی خاطر لڑ رہا تھا۔ضرورت کے مطابق مدد نہ بھیجی گئی اور یہ غلطی ہندوستان میں موجود فرانسیسیوں سے ہوئی۔انہوں نے اپنی تمام تر توجہ تجارت پر مرکوز کرنے کی بجائے علاقے کی تسخیر کا کام سنبھال لیا۔

فرانس کے ذرائع اور انتظامی خرابی: ۔انگلستان مدت تک یورپی ملکوں کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہا۔اس لئے انگلستان کے ذرائع محفوظ تھے اور جب فرانس کے خلاف جنگ میں شریک ہونا پڑا تو انگلستان میں نہ تو روپے کی کمی تھی اور نہ ہی سپاہی کچھ کم تھے۔اس کے برعکس فرانس میں ان دنوں یورپ کے آدھے ممالک برسر پیکار تھے۔وہ اپنے ذرائع اور وسائل برباد کر چکا تھا۔اس لئے انگلستان کا مقابلہ فرانسیسی ہندوستان میں نہ کر سکے۔فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظم ونسق میں مقامی اعتبار اور ہندوستان دونوں میں بے اندازہ خرابیاں تھیں۔سرکاری افسر دیانتدار اور مستعد نہ تھے۔اچھے افسروں کی قدر نہ کی جاتی تھی۔

لوئی پانزدہم کی تنگ نظری اور فرانسیسی حکومت کی ناجائز مداخلت: ۔فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی شروع سے ہی حکومت کا ایک ماتحت ادارہ تھا۔جو دوسرے شعبوں کی طرح نظم ونسق میں انحطاط کا شکار تھی۔سرکاری فرم ہونے کے باوجود اسے پوری امداد نہ ملتی تھیہ۔بلکہ بسا اوقات ناجائز دخل اندازی کے ذریعے بنے بنائے کام کو بگاڑ دیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ فرانسیسی کمپنی اپنے ملازمین سے اچھا سلوک نہ کرتی تھی۔

ڈوپلے کی واپسی: ۔ڈوپلے کی قابل قدر تجاویز، منصوبے اور عظیم الشان مشرقی سلطنت کے ارادے فرانسیسی حکومت کی حوصلہ شکن پالیسی کے باعث جامع عمل نہ پہن سکے اور مخالفین نے بہت جلد اس کے منصوبوں کو مٹی میں ملا دیا۔اس موقع پر جب ڈوپلے کی مساعی سے فرانسیسی اقتدار نقطۂ عروج پر پہنچ رہا تھا حکومت نے اس کو واپس بلا لینے کا عقل مندانہ فیصلہ کرکے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری۔نیا گورنر (لالی) حالات کو سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل محروم تھا۔

سوال نمبر 23۔ درج ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

1۔ سندھ اور بلوچستان میں جدوجہد آزادی

جواب۔

سندھ کی جدوجہد۔

برصغیر پاک وہند کے وہ علاقے جن پر آج پاکستان کی آزاد مسلم سلطنت قائم ہے۔نااہل مغل حکمران کے دور حکومت میں احمد شاہ ابدالی اور اس کے جانشینوں کی

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

ماتحتی میں چلے گئے ۔ چالیس برس کے قریب ان علاقوں کے لئے انہی کی طرف سے گورنر مقرر ہو کر آتے رہے جس کے بعد سندھ کے شمالی علاقوں کے مقامی جاگیردار خود مختار بن بیٹھے۔ان کے بعد جنوبی سندھ کے رئیسوں نے سر اٹھایا اور وہ بھی خود مختار ہو گئے ۔ سرکش اور خود مختار سرداروں میں سندھی، بلوچی، مغل اور سید وغیرہ شامل تھے لیکن زیادہ شہرت کلہوڑا، داؤد پوتہ تالپور خاندانوں کے حصے میں آئی ۔ سندھ مغل صوبے کی بجائے آزاد اور خود مختار ریاستوں میں بٹ گیا۔1736ء میں سندھ میں مغل حکومت کا آخری گورنر صادق علی خان اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد صوبہ میاں نور محمد کے تصرف میں آ گیا۔اس کا تعلق کلہوڑا خاندان سے تھا۔1782ء تک کلہوڑا خاندان کسی نہ کسی صورت میں سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت ختم ہوگئی۔اور تالپور خاندان کا اقتدار قائم ہو گیا۔

تالپور خاندان کے بزرگ سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں بلوچستان آئے تھے۔ان کا جدِ امجد کا نام ''ٹالہ'' اور حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب کی اولاد میں بتایا جاتا ہے۔اگر یہ صحیح ہے تو ممکن ہے ٹالہ، طلحہ کی بگڑی ہوئی صورت ہو۔سندھ میں آنے کے بعد ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر اس علاقے کے طول وعرض میں ان کی متعدد بستیاں آباد ہو گئیں۔تالپوروں کی یہی کثرت ان کی قوت کی بنیاد بنی اور آخر کار ان کی تعین سرداروں نے 1843ء تک سندھ پر ''میران سندھ'' کے عنوان سے اپنی حکومت قائم رکھی۔ان تینوں کے صدر مقام حیدرآباد میر پور خاص اور خیر پور تھے۔

''فروری 1843ء میں سندھ، برطانوی فرمانروائی میں شامل ہو گیا''۔

تالپور خاندان کے حکمران آپ کی لڑائیوں میں الجھے رہے۔جن کی بنا پر ان کی قوت میں کمی آ گئی اور یوں انگریزوں کو سندھ میں در آنے کا موقع ملا۔1843ء مین انگریزوں نے سارے سندھ پر قبضہ کر لیا۔البتہ خیر پور کے تالپور سردار کا مختصر سا علاقہ دیسی ریاست کی صورت میں بچ گیا۔کیونکہ اس نے اپنے بھائیوں سے ناطہ توڑ کر انگریزوں سے جوڑ لیا تھا۔اور ان سے جنگ آزمائی کے بجائے ان کی بالادستی کو تسلیم کر دیا۔

بلوچستان میں آزادی کی جدوجہد: ہندوستان میں انگریز تسلط کے خلاف نفرت اور تشدد کا جو زبردست طوفان اٹھا، اس کی صدائے بازگشت موجودہ پاکستان کے گوشے گوشے میں بھی سنائی دی اور بلوچستان میں واقع قلات اور بالائی سندھ میں جیکب آباد اور شکار پور ایسے دور افتادہ مقامات بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔انگریز اس مسلح جدوجہد آزادی کے آغاز سے تقریباً پندرہ برس قبل سندھ پر قابض ہوئے تھے اور ان کو وہاں پر صورت حال کے قابو میں رہنے کا اس قدر اطمینان تھا کہ ملتان میں شورش کی اطلاع ملی تو انہوں نے سندھ کی قوی ترین رجمنٹ فرسٹ فیوز ملیر کو بلا تامل کمک کے طور پر وہاں ارسال کر دیا۔اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ خود سندھ میں بھی تشویشناک افواہیں گردش کرنے لگیں اور سندھ کی فرنگی انتظامیہ جواب تک مصلحت بینی سے کام لیتے ہوئے اس نازک موضوع پر کھلے بندوں اظہار خیال کرنے سے اجتناب کر رہی تھی، بالآخر جولائی کے مہینے میں اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی کہ باغی عناصر سندھ کے اندر بھی رخنہ ڈال چکے ہیں۔وہ کسی بھی وقت افراتفری پھیلا سکتے ہیں۔اسی اثناء میں سندھ میں تعینات فوج کے بنگالی دستوں سے بہت سے سپاہی نہ صرف روپوش ہو گئے بلکہ صوبے کے مختلف علاقوں میں جا کر انگریزوں کے حامی سپاہیوں کو بھی اعلان جہاد کرنے پر اکسانے لگے۔صورتحال سے نمٹنے کیلئے انگریزوں نے جہاں اور بہت سی احتیاطی تدابیر اختیار کیں وہاں سرکاری اہلکاروں کو یہ ہدایت بھی کی کہ بغاوت پر اکسانے والے عناصر کو پکڑ کر قریبی تھانوں میں پولیس کے حوالے کر دیں اس کے علاوہ اعلان کیا گیا کہ اس قسم کے افراد کے بارے میں ضروری اطلاعات متعلقہ حکام تک پہنچانے میں کوتاہی کرنے والے اشخاص کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لی جائیں گی اور باغیانہ افواہیں پھیلانے کے مجرم افراد کو سزائے موت دی جائے گی۔باغیوں کی سرکوبی کے سلسلے میں اگر چہ انگریزوں کو دوسرے علاقوں کی طرح سندھ میں بھی مقامی بااثر علاقوں کی بھرپور اعانت حاصل رہی۔بعض سندھی اکابرین نے فرنگی حکمرانوں سے سرکوبی کی روایت کو بھی تقویت بخشی۔سندھ کے جتوئی قبیلہ کے سردار، امام بخش خان اور ترین افغانوں سے تعلق رکھنے والے خان بہادر الف خان اسی آخری قبیلے کے محبِّ وطن لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔اول الذکر نے اس کی قیمت ہزاروں روپے سالانہ منافع والی اپنی اراضی کی ضبطی اور مؤخر الذکر نے ایک ہزار روپیہ سالانہ سرکاری وظیفہ پر پابندی کی صورت میں ادا کی۔ان کی انگریز دشمنی کے سلسلے میں اس جسارت کی سزا اُن کے بعد ان کی اولادیں بھی بدستور بھگتتی رہیں۔

2۔ اینگلو فرانسیسی کشمکش۔

جواب۔

فرانسیسی درج ذیل وجوہات کی بناء پر ہندوستان میں اپنی حکومت زیادہ عرصے تک قائم نہ کر سکے۔

i) انگریز کمپنی کی بہتر مالی حالت اور حکومت کی حمایت: انگریزی کمپنی تجارت کی بدولت مالا مال ہوگئی کیونکہ انگریزوں نے اس مقصد کو نہیں بھلایا کہ وہ یہاں تجارت کی غرض سے آئے ہیں۔برطانوی حکومت اکثر کمپنیوں سے قرض لیا کرتی تھی ڈائریکٹرز پارلیمان میں کمپنی کی نمائندگی کرتے تھے فرانسیسی کمپنی کی نجی مالی حالت بہت کمزور تھی وہ قومی خزانے پر ایک بوجھ سمجھی جاتی تھی اگر چہ انگریزی کمپنی ایک نجی فرم تھی لیکن ملکی حکومت اور انگریز حکومت اس کی پشت پر تھے۔اس کے برعکس فرانسیسی کمپنی ملکی حکومت کا ایک شعبہ ہونے کے باوجود ملکی عوام وحکومت سے خاطر خواہ حمایت کے حصول میں ناکام رہی لہٰذا اس کی ناکامی ضروری تھی۔

تجارتی مقاصد: انگریز کمپنی نے یہ بات ایک لمحہ کیلئے بھی نظر انداز نہیں کی کہ اس کا اصل مقصد تجارت کی ترقی ہے چنانچہ انگریز جنگ کے دنوں میں بھی تجارت کر کے فائدہ اٹھا رہے تھے اس کے برعکس فرانسیسی کمپنی تجارت سے لاپرواہ ہو کر فضل جنگوں میں اپنا روپیہ برباد کرتی رہی نتیجے کے طور پر 1741ء کے بعد فرانسیسیوں کی تجارت بہت حد تک زوال پذیر ہوگئی۔

iii) انگریز کمپنی کے معاملات میں حکومت کی عدم مداخلت: برطانوی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں بالکل مداخلت نہیں کرتی تھی۔جو اپنے لئے خود کام

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی ،الفا، اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی ،امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

کرتی تھی کمپنی ہی اپنی حکمت عملی اور خوشحالی کی ذمہ داری تھی خود مختاری بالاثر تجارتی فرم کی حیثیت سے وہ دیانت دار اور مستعد افراد کو ترقی کے بڑے مواقع فراہم کرتی جو اس کی ترقی کیلئے ہروقت کوشاں رہتے اس کے برعکس فرانسیسی کمپنی کو ایک سرکاری ادارے کا درجہ حاصل تھا ملکی معاملات میں بسا اوقات ناجائز طور پر دخل اندازی کرتی تھی۔ان حالات میں کمپنی کی ناکامی ضروری تھی

iv) انگریزوں کا بہترین طریق کار اور بحری برتری: انگریزوں نے ہندوستانی رسم و رواج' حالات' سیاست وعقائد کا گہرا مطالعہ کیا اپنے مفاد کی خاطر انہوں نے مناسب ذرائع اختیار کر کے کامیابی حاصل کی ۔فرانسیسی مقامی رسم و رواج' تہذیب وثقافت سے واقف نہ تھے' جس کی بناء پر وہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ ان کی بحری فوقیت تھی ۔تمام راستے ان کے قبضے میں تھے۔انگلستان کو ان دنوں سمندر کی ملکہ کا نام ملا ہوا تھا۔ انگریز بڑی آسانی سے سامان حرب ہندوستان میں پہنچا سکتے تھے۔فرانسیسوں کی بحری طاقت زوال پذیر تھی ۔وہ انگریزوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

v) لالی کی غلط حکمت عملی: اس میں شک نہیں کہ لالی بحیثیت سپاہی بہادر تھا اور انسان کی حیثیت سے دیانتدار تھا۔لیکن اس میں ایک اچھے سالار کی خوبیوں کی بڑی کمی تھی ۔جس کی بناء پر وہ انگریزوں کے مقابلے میں اپنی غلط حکمت عملی کی بدولت کامیاب نہ ہوا۔اگر وہ ڈوپلے کی پالیسی اختیار کرتا اور اس کے مشورے پر چلتا تو کوئی طاقت بھی اسے ہندوستان میں فرانسیسی اقتدار کے قیام سے باز نہ رکھ سکتی۔

vi) حیدرآباد سے بسے کی واپسی: لالی نے حیدر آباد سے بسے کو بلا کر سخت غلطی کی ۔ بسے کی مدراس کی طرف روانگی کے فوراً بعد انگریزوں نے شمالی سرکار پر قبضہ کر لیا اور انہوں نے نظام دکن کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا لہٰذا دکن سے فرانسیسی اقتدار کا جنازہ نکل گیا۔

vii) بہتر تجارتی مقاصد اور ولیم پٹ کی حکمت عملی: انگریز کمپنی کی تجارتی کوٹھیوں کی جائے وقوع فرانسیسی تجارتی مراکز کی نسبت بہت بہتر ثابت ہوئی بمبئی مدراس' کلکتہ ترتیب اور ماہی پانڈ یچری' چندر نگر کے مقابلے میں بلاشبہ سیاسی اور تجارتی لحاظ سے بہتر مقامات تھے۔انگریزوں کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ انگلستان کے وزیر جنگ ولیم پٹ کی زبردست جنگی حکمت عملی تھی اس نے جنگ کا انتظام اس طریقے سے کیا کہ فرانس کی تمام تر توجہ یورپ کے معاملات میں ہی مبذول رہی ۔ان حالات میں فرانس ہندوستان میں اپنی کمپنی کو کسی قسم کی مدد نہیں بھیج سکتا تھا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

انگریزوں کی کامیابی کیلئے فرانسیسوں کی غلطیاں:

i) فرانس کی غلط حکمت عملی: فرانس یورپی جنگوں میں اس قدر منہمک رہا کہ اس نے کالبرٹ کی اصلی حکمت عملی' تجارتی اور نوآبادیاتی توسیع عزائم کو بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔ان مسلسل جنگوں نے فرانس کی اقتصادی حالت کو بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا۔اقتصادی استحکام کی عدم موجودگی میں فرانسیسی حکومت اپنی کمپنی کی مالی امداد کرنے سے بالکل معذور تھی ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فرانس ہندوستان میں ہم وطنوں کے مفاد کی خاطر لڑ رہا تھا ضرورت کے مطابق مدد نہ بھیجی گئی اور یہ غلطی ہندوستان میں موجود فرانسیسوں سے ہوئی انہوں نے اپنی تمام تر توجہ تجارت پر مرکوز کرنے کی بجائے علاقے کی تسخیر کا کام سنبھال لیا۔

ii) فرانس کے ذرائع اور انتظامی خرابی: انگلستان مدت تک یورپی ملکوں کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہا۔اس لئے انگلستان کے ذرائع محفوظ تھے اور جب فرانس کے خلاف جنگ میں شریک ہونا پڑا تو انگلستان میں نہ تو روپے کی کمی تھی اور نہ ہی سپاہی کچھ کم تھے اس کے برعکس فرانس میں ان دنوں یورپ کے آدھے ممالک برسرپیکار تھے وہ اپنے ذرائع اور وسائل برباد کر چکا تھا اس لئے انگلستان کا مقابلہ فرانسیسی ہندوستان میں نہ کر سکے فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظم ونسق میں مقامی اعتبار اور ہندوستان دونوں میں بے اندازہ خرابیاں تھیں سرکاری افسر دیانتدار اور مستعد نہ تھے اچھے افسروں کی قدر نہ کی جاتی تھی۔

iii) لوئی پانزدہم کی تنگ نظری اور فرانسیسی حکومت کی ناجائز مداخلت: فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی شروع سے ہی حکومت کا ایک ماتحت ادارہ تھا جو دوسرے شعبوں کی طرح نظم ونسق میں انحطاط کا شکار تھی سرکاری فرم ہونے کے باوجود اسے پوری امداد نہ ملتی تھی بلکہ بسا اوقات ناجائز دخل اندازی کے ذریعے بنے بنائے کام کو بگاڑ دیا جاتا تھا ۔اس کے علاوہ فرانسیسی کمپنی اپنے ملازمین سے اچھا سلوک نہ کرتی تھی۔

iv) ڈوپلے کی واپسی: ڈوپلے کی قابل قدر تجاویز' منصوبے اور عظیم الشان مشرقی سلطنت کے ارادے فرانسیسی حکومت کی حوصلہ شکن پالیسی کے باعث جامہ عمل نہ پہن سکے اور مخالفین نے بہت جلد اس کے منصوبوں کو مٹی میں ملا دیا اس موقع پر جب ڈوپلے کی مساعی سے فرانسیسی اقتدار نقطہ عروج پر پہنچ رہا تھا حکومت نے اس کو واپس بلا لینے کا عقل مندانہ فیصلہ کر کے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری نیا گورنر (لالی) حالات کو سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل محروم تھا۔

v) فرانسیسی کمپنی کی ملازمین کی حوصلہ شکنی: انگریز کمپنی اپنے ملازمین کی ہمت افزائی اور قدر کرتی تھی لیکن اس کے برعکس فرانسیسی اپنے ملازمین کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کرتے ڈوپلے کو اپنی خدمات کے عوض مفلسی اور کونٹ لالی کو پھانسی نصیب ہوئی اس بے رحمانہ سلوک کی وجہ سے فرانسیسی کمپنی کے ملازمین کے دلوں میں کوئی کارہائے نمایاں انجام دینے کا ولولہ باقی نہ رہا تھا۔

سوال نمبر 24۔ برصغیر پر حملہ کے وقت ہندوؤں کی مذہبی اور سماجی حالت پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

جواب:

شمالی ہندوستان میں برصغیر خصوصاً پاکستان کا موجودہ علاقہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندو تہذیب وثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا۔سرحد، بلوچستان میں یعنی قابل اور

میٹرک سے لیکر ایم اے ، ایم ایس سی ، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک ، ایف اے ، بی اے ، بی کام ، بی ایڈ ، ایم اے ، ایم ایڈ ، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

قندھار سے مسلمانوں کی آمد ملتان تک بدھ مت کا دور دورہ تھا۔سندھ میں برہمنوں کی طاقت اور فوقیت حاصل تھی۔لیکن ہندو ثقافت کا شاندار دور ختم ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔گپت خاندان کی شادی شان وشوکت اور استحکام اشوک کا انصاف اب پرانے زمانے کی کہانیاں تھیں ۔ ہندو حکمران پرش کی وفات کے پانچ سال بعد تک برصغیر میں طائف املکو کا یعنی خودمختاری کے رجحانات کا دوردورہ تھا۔کوئی ایک مرکزی حکومت قائم نہ ہوسکی۔مختلف جگہوں پر زمینداریاں اور جاگیریں تھیں۔جس کا بس چلتا اپنی جاگیریں توسیع کر لیتا اور دوسروں کی جاگیریں توسیع یعنی چھین لیتا۔پنجاب پر پانچ صدی عیسوی سے راجپوت حکمران تھے۔سندھ پر برہمنوں نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔بلوچستان میں کئی قبائلی سردار حکومت کر رہے تھے۔اور کشمیر بھی مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔اس دور میں صرف قنوج،اجمیر، بنگال،اور دکن میں کچھ ہندو راجاؤں نے ریاستوں کو مقام دیا۔ برصغیر میں مرکزیت اور یہاں کے باشندے میں ہندوستانی ہونے کا شعور بھی موجود نہیں تھا۔

معاشرتی حالات: مسلمانوں کی آمد سے قبل برصغیر کا معاشرہ مختلف طبقوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔فرعون نے تو معاشرے کے دو گروہ بنائے تھے۔ایک امیر اور دوسرا غریب لیکن برہمنوں نے برصغیر میں کئی ذاتوں کو طبقوں کی صورت دے رکھی تھی۔ذاتوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

۱۔ برہمن ۲۔ کھشتری ۳۔ ویش ۴۔ شودر

برہمن: یہ سب سے بلند ذات تصور کی جاتی تھی ان کو معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

کھشتری: برہمن کے بعد طاقتور ذات کھشتری تھی۔ان کا کام ملک کی حفاظت تھا۔

ویش: یہ تیسری ذات تھی یہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

شودر: یہ سب سے نچلی ذات ہے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

معاشرتی اور مذہبی حالات:

اخلاقی انحطاط: ذات پات کا یہ نظام اخلاقی کمزوریوں کا سبب بنا ہر طبقہ دلی طور پر دوسرے سے نفرت کرتا تھا۔معاشرتی بنیاد پر ظلم وستم موجود تھا۔

معاشرتی رسمیں: شادی معاشرے کی بنیادی رسم ہے۔ہندو معاشرے میں بچپن میں شادی عام تھی۔شادی صرف خاندان یا ذات کے طور پر ہی ہوسکتی ہے۔برہمن کو صرف چار شادیاں کرنے کی اجازت تھی۔شوہر مر جاتا تو بیوہ کو دوبارہ دوسری شادی کی عمر بھر اجازت نہ تھی۔

Download Free Assignments from

عورت کا مقام: ہندو معاشرے میں عورت کم تر اور ذلیل ترین مخلوق تھی۔ہندو دھرم کے مطابق بچپن میں لڑکی کو باپ کی فرمانبردار ہونا چاہئے۔جوانی میں شوہر کی خدمت کرنی چاہیے۔

Solvedassignmentsaiou.com

بودو باش: ہندوؤں کا رہنا سہنا غلاظت آمیز تھا۔یہ اپنے جسم کے کسی حصے کے بال نہ تراشتے تھے۔جسم زیادہ تر ننگا رہتا تھا۔ناخنوں کو بڑھانے الگ الگ کھانا کھاتے اور بچا کھچا کھانا پھینک دیتے۔

تعلیم: ہندومت میں تعلیم حاصل کرنے کا حق صرف برہمنوں کو تھا۔باقی تمام ذاتوں کے لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

ذہنی ماحول: برصغیر کو اگر دیہاتی معاشرہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔دیہات آج بھی یہاں کے سیاسی اور معاشرتی امور کی نگرانی کر رہا ہے۔زمینداروں اور دیہی برادریاں دیہات میں قائم ہیں یہ صورتحال مسلمانوں کی آمد سے پہلے موجود تھی۔

معاشی حالات تجارت: برصغیر میں تجارت ویش کے ہاتھ میں تھی جو نسل درنسل اپنے کام کے ماہر ہوتے ۔ یونان، چین،مصر اور عرب تک ان کے تجارتی قافلے جاتے تھے۔ان کے تجارتی قافلے بندرگاہوں میں بحری جہاز،تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔مالابار اور دیبل کی بندرگاہیں قابل ذکر ہیں۔ویش کو اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ برہمن کو پیش کرنا پڑتا ہے۔

زراعت: برصغیر بنیادی طور پر زرعی علاقہ ہے اس کا معاشرہ بھی زرعی معاشرہ تھا دیہات قائم ہونے نے زمینداریاں وجود میں آئیں۔لوٹ کھسوٹ یا ایک سلسلہ جاری ہوا۔ زراعت میں ترقی نہ ہونے کے برابر تھی۔دریاؤں کے اردگرد کھیتی باڑی ہوتی تھی۔یہ کام کسان کا تھا کسان کا کام بے حد ہوتا تھا۔جو بے حد غریب تھا۔اس کے باوجود پاکستان کا علاقہ برصغیر کے لئے اناج مہیا کرتا رہا تھا۔کسی حد تک زراعت دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر ہوتی تھی۔

سودی کاروبار: تجارت اور زراعت کا دارومدار روپے پر تھا۔عام تاجر کے پاس لگان،قحط اور لوٹ مار کے بعد تباہی کے بعد پیسہ بچتا ہی کہاں تھا۔چنانچہ ضرورت کے وقت اسے ساہوکار سے روپیہ قرض لینا پڑتا ہے اس سود کی شرح عموماً دس فی صد سالانہ تک ہوتی سود کی رقم پر سود مرکب وصول کیا جاتا۔

عام معاشی حالت: ساتویں صدی عیسویں میں برصغیر میں عام معاشی حالات دل گردوں تھی۔روپیہ سونا چاندی،اور قیمتی جوہر برہمنوں اور ساہوکاروں کے پاس ہوتے تھے۔عوام ایک وقت کے بعد دوسرے وقت کی روٹی کی تلاش میں رہتے۔غربت کے باعث عوام لباس نہ پہن سکتی زیادہ سے زیادہ لنگوٹی ان کے پاس ہوتی۔رفتہ رفتہ چارے سے جسم ڈھانپا چاہیے۔مسلمانوں نے یہاں تک لوگوں کو شلوار قمیض اور پاجامہ سے روشناس کرایا۔چنانچہ سندھ،بلوچستان،سرحد نے شلوار قمیض کا رواج حاصل کیا جوا،قمار بازی عام تھی۔ملاوٹ،فریب،قتل عام تھی۔

سوال نمبر 25۔ غوری کے دور حکومت کے اہم کارناموں کا تنقیدی جائزہ لیں۔

جواب۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔ گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

غوری خاندان (dynastyGhurid) یا غوری (GhoridsیاGhurids) (فارسی: سلسلہ غوریان) مشرقی ایرانی نژاد سابقہ بت پرست اور بعد میں سنی اسلامی (ممکنہ طور پر تاجک) وسطی افغانستان کے صوبہ غور کے خطے میں شروع ہونے والی سلطنت کے بانی تھے۔ سلطنت غوریہ 552ھ تا 603ھ تک قائم حکومت تھی جس کو برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ غوری خاندان کی اس حکومت کو تاریخ میں ''آل شنسب'' کی حکومت بھی کہا جاتا ہے۔

اہمیت

یہ سلطنت سور پشتون قبیلہ کے حکمران تھے۔ غوری خاندان کی حکومت سلطنت غزنویہ کے خاتمے کے بعد قائم ہوئی اگر چہ یہ حکومت صرف 50 سال قائم رہی لیکن تاریخ اسلام میں اس کو اس وجہ سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس کے زمانے میں شمالی ہند اور بنگال میں پہلی مرتبہ اسلامی حکومت کی بنیادیں پڑی۔ غوری خاندان شروع میں خاندان غزنی کی حکومت کا باجگذار تھا اور کابل اور ہرات کے درمیان غور کے پہاڑی علاقے پر اس کی حکومت تھی۔ اس علاقے کا مرکز فیروز کوہ تھا۔ غور کے باشندے نسلاً تاجک تھے۔ اس وقت تک اسلامی تاریخ میں جن قوموں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا وہ عرب، ایرانی، ترک اور بربر تھے۔ غوریوں کے دور حکومت میں تاجک پہلی مرتبہ اسلامی تاریخ کی ایک عظیم قوم کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔

سلطنت کا قیام

سلطان ابراہیم غزنوی (451ھ تا 492ھ) کے بعد غور کے حکمران ملک عزالدین حسین نے خودمختاری حاصل کر لی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین سوری حکمران ہوا۔ اس نے بہرام شاہ غزنوی (512ھ تا 547ھ) کے زمانے میں غزنی پر حملہ کیا اور شہر پر قبضہ کر کے سلطان کا لقب اختیار کیا لیکن بہرام شاہ نے جلد ہی غزنی کو اس سے چھین لیا اور سیف الدین کو قتل کرا دیا۔ جب سیف الدین کے بھائی علاؤ الدین حسین کو اطلاع ملی تو اس نے بھائی کا انتقام لینے کے لیے غزنی پر حملہ کر دیا اور شہر کو آگ لگا دی اور سات دن تک قتل عام کیا۔ اس ظالمانہ اقدام پر وہ تاریخ میں علاؤ الدین جہانسوز کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 551ھ میں علاؤ الدین جہانسوز کا انتقال ہو گیا۔ غور کے علاقے میں اس وقت تک قرامطہ اور اسماعیلی فرقے کا بہت اثر تھا اور علاؤ الدین بھی ان کا ہم عقیدہ تھا لیکن جب اس کا لڑکا سیف الدین ثانی جو سنی عقیدے کا تھا، تخت پر بیٹھا تو اس نے غور کے علاقے سے قرامطہ کا اثر ختم کر دیا۔

غیاث الدین اور شہاب الدین

غور کے خاندان کے حقیقی اہمیت دو بھائیوں غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری کے زمانے میں حاصل کی جو سیف الدین ثانی کے چچا زاد بھائی تھے اور سیف الدین کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ غیاث الدین غوری نے 567ھ بمطابق 1173ء میں غزنی کو مستقل طور پر فتح کر لیا اور شہاب الدین محمد غوری کو سلطان معزالدین کا خطاب دے کر غزنی میں تخت پر بٹھایا۔ غیاث الدین نے اس دوران ہرات اور بلخ بھی فتح کر لیے اور ہرات کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ سلطان شہاب الدین غوری اگر چہ اپنے بھائی کا نائب تھا لیکن اس نے غزنی میں ایک آزاد حکمران کی حیثیت سے حکومت کی اور پاکستان اور شمالی ہندوستان کو فتح کر کے تاریخ میں مستقل مقام پیدا کر لیا۔ 598ھ میں اپنے بھائی کے انتقال کے بعد وہ پوری غوری سلطنت کا حکمران بن گیا۔

شہاب الدین کی فتوحات

شہاب الدین غوری نے اپنی فتوحات کا آغاز ملتان اور اوچ سے کیا اور 1175ء میں دونوں شہر فتح کر لیے، اس کے بعد 1179ء میں پشاور اور 1182ء میں دیبل کو فتح کر کے غوری سلطنت کی حدود کو بحیرہ عرب کے ساحل تک بڑھا دیا۔ بعد ازاں شہاب الدین نے 1186ء میں لاہور پر قبضہ کر کے غزنوی خاندان کی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم کر دی۔ فتح لاہور کے بعد شہاب الدین نے بھٹنڈہ فتح کیا، جس پر دہلی اور اجمیر کے ہندو راجا پرتھوی راج چوہان ایک زبردست فوج لے کر اس کے مقابلے پر آیا اور تلاوڑی کے میدان میں شہاب الدین کو شکست دی، لیکن شہاب نے اگلے ہی سال پچھلی شکست کا بدلہ چکاتے ہوئے نہ صرف پرتھوی راج کو شکست دی بلکہ وہ جنگ میں مارا بھی گیا۔ شہاب نے آگے بڑھ کر دہلی اور اجمیر کو فتح کر لیا اور اس کے سپہ سالار بختیار خلجی نے بہار اور بنگال کو زیر نگیں کیا، یوں پورا شمالی ہندوستان اور پاکستان مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

کھوکھروں کا قبول اسلام

شہاب الدین کے زمانے میں غیر مسلموں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا۔ دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان کھوکھر نامی ایک قوم آباد تھی جن کے یہاں ایک مسلمان قید تھا۔ اس مسلمان قیدی کی تبلیغ سے یہ قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ پاکستان میں بلوچستان کے پہاڑی علاقوں کے پٹھان بھی اسی زمانے میں اسلام لائے۔

ہرات کی ترقی

اس تمام مدت میں شہاب الدین محمد غوری کا بھائی غیاث الدین ہرات پر حکومت کرتا رہا۔ اس نے ہرات شہر کو بڑی ترقی دی اور وہاں ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی موجود ہے اور شہر ہرات کی سب سے اہم اور بڑی عمارت ہے۔ غیاث الدین نے 46 سال حکومت کی اور 598ھ میں اس کے انتقال کے بعد شہاب الدین محمد غوری ہرات میں بھائی کی جگہ پوری غوری سلطنت کا بادشاہ ہو گیا۔

خاتمہ

غوریوں اور خوارزم شاہی سلطنت کے درمیان جنگوں کا سلسلہ پرانا تھا اور انہی لڑائیوں کے سلسلے میں شہاب الدین 601ھ میں خوارزم تک پہنچ گیا لیکن وہاں

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم اے، ایم ایس سی، بی ایس، ایم ایڈ، ایم فل، پی ایچ ڈی کی اسائمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں، ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی، امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

اس کو شکست ہوئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ محمد غوری جنگ میں کام آ گیا۔ اس خبر کے پھیلنے پر پنجاب کے کھوکھروں نے بغاوت کر دی۔ محمد غوری فوراً پنجاب آیا اور بغاوت فرو کی لیکن بغاوت فرو کرنے کے بعد جب وہ واپس جا رہا تھا تو دریائے جہلم کے کنارے ایک اسماعیلی فدائی نے حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ شہاب الدین محمد غوری کی شہادت کے ساتھ غوری خاندان کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ ہرات اور غزنی کے علاقوں پر خوارزم شاہ کی حکومت قائم ہو گئی اور برصغیر پاک و ہند میں محمد غوری کے وفادار غلام اور دہلی میں سلطان کے نائب قطب الدین ایبک نے ایک مستقل اسلامی حکومت قائم کر لی۔

معروف شخصیات

غوریوں کے زمانے کے علما میں امام فخر الدین رازی (543ھ تا 606ھ بمطابق 1149ء تا 1209ء) کا نام بہت ممتاز ہوئے۔ وہ پیدا تو رے میں ہوئے لیکن زندگی کے آخری 24 سال غزنی اور ہرات میں گزارے۔ ہرات میں ان کے لیے ایک مدرسہ قائم کر دیا گیا تھا جہاں وہ درس دیتے تھے۔ امام رازی نے علم کلام اور فقہ میں کئی اہم کتابیں لکھیں لیکن ان کی شہرت تفسیر کبیر کی وجہ سے ہے جو قرآن کی بہترین تفسیروں میں شمار ہوتی ہے۔ سلطان غیاث الدین غوری کے عقائد کی اصلاح میں امام رازی کا بڑا ہاتھ تھا۔ ان کی اصلاحی کوششوں کی وجہ سے ہی باطنی ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ عہد غوریہ کی دوسری اہم شخصیت خواجہ معین الدین چشتی متوفی 633ھ بمطابق 1235ء کی ہے۔ وہ شہاب الدین غوری کے زمانے میں ہندوستان آئے اور اجمیر میں رہائش اختیار کی اور وہاں غیر مسلموں میں اسلام پھیلایا۔

سوال نمبر 26۔ سومنات کی فتح کے سیاسی، مذہبی، علمی اور سماجی اثرات پر روشنی ڈالیں۔

جواب۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سلطان محمود غزنوی کا اصل نام ابوالقاسم محمود اور خطاب یمین الدولہ تھا۔ اس کی پیدائش 2 اکتوبر 971 اور بعض تاریخی حوالوں میں نومبر 971 میں ہوئی۔ ابتدائی عمر میں ہی قرآن حفظ کرنے کے علاوہ اسلامی فقہ اور علم وحدیث میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ سلطان محمود غزنوی کا باپ سبکتگین ایک ترک غلام تھا جو کہ بلاشبہ افغانستان کا پہلا خود مختار بادشاہ بھی کہلاتا ہے۔ سبکتگین کی حکومت خراسان' ہرات' بخارا' مکران' خضدار' جلال آباد' پشاور' اٹک اور بلوچستان کے بیشتر علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب سبکتگین کی وفات اگست 997 میں ہوئی تو اس وقت سلطان محمود اپنے باپ کی طرح سے نیشاپور کا حاکم مقرر تھا اور سلطان کا بھائی اسماعیل جو باپ کی وفات کے موقع پر غزنی میں موجود تھا' نے اپنی تاج پوشی کا اعلان کر دیا۔ سلطان محمود نے پہلے خطوط و کتابت کے ذریعے بھائی اسماعیل سے بات کرنے کی کوشش کی جب کوئی حل نہ نکلا تو 998 میں غزنی پر حملہ کر دیا۔ اسماعیل کی حکومت ختم کر کے خود غزنی کی سلطنت سنبھال لی۔

سلطان محمود کا جرنیلوں سے روابط

سلطان محمود جن کو اسلامی تاریخ کے چند عظیم جرنیلوں میں شامل کیا جاتا ہے' کی فوج کم و بیش ایک لاکھ تھی اور فوج میں عرب' غوری' سلجوق' افغان' مغل کے علاوہ دس سے پندرہ ہزار ہندو سپاہی بھی شامل تھے۔ ہندستان سے جتنے بھی فوجی بھرتی کیے جاتے تھے۔ وہ بیشتر ہندو ہوتے تھے۔ ان کا کمانڈر بھی ہندستانی ہوتا تھا جس کو سپہ سالار ہندوان کہا جاتا تھا۔ ہندو فوجی افسروں میں چند ایک قابل ذکر نام بیر پال' چک ناتھ' زناش' بجے راہ اور سوہنی راؤ شامل تھے۔ عباسی خلیفہ نے 999 میں سلطان محمود کو یمین الدولہ کا خطاب عطا کیا جس کی مناسبت سے سلطان محمود کے خاندان کی حکومت کو یمینی سلطنت بھی کہا جاتا ہے۔ محمود غزنوی نے ہرات کے قریب صحرا کنارے ایک خاص شہر ''ہاتھی نگر'' تعمیر کیا کہ ان خطوں کی گرم آب و ہوا ہندوستان کے موسموں سے مطابقت رکھتی تھی۔ پھر اس نے ہندستان سے لائے ہوئے سینکڑوں ہاتھیوں کی پرورش اس شہر میں کی۔ ہاتھیوں کے ساتھ انہیں سدھارنے والے بھی ہندستان سے منگو لائے گئے اور یوں ہاتھی اس شہر میں خوش و خرم ہو گئے۔ محمود ہر برس ان ہاتھیوں کی مدد سے ہندستان پر حملہ آور ہوتا اور واپسی پر انہیں غزنی کی بجائے ہرات کے قریب اس ہاتھی نگر میں واپس بھیج دیتا تھا۔ سلطان محمود غزنوی جس کی سب سے بڑی وجہ شہرت ہندستان پر سترہ حملے ہیں' کی بنیادی وجہ جان لینا انتہائی ضروری ہے۔ موجودہ پاکستان کے علاقے شہر لاہور سے پشاور تک کا علاقہ ایک ہندو راجہ جے پال کے زیر سلطنت تھا۔ جے پال اور سلطان محمود کے باپ سبکتگین کی ایک جنگ پشاور اور جلال آباد کے علاقوں میں 986 میں ہوئی تھی' جس میں جے پال کو شکست ہوئی اور سبکتگین کی سلطنت دریائے سندھ کے ساتھ اٹک تک پھیل گئی تھی۔ سلطان محمود نے حکومت سنبھالتے ہی پشاور تک کے علاقوں میں چھوٹی چھوٹی مہمات کر کے اپنی سلطنت کو مضبوط کیا تو راجہ جے پال جو کہ پہلے ہی اپنی شکست کا بدلہ لینے کو بے تاب تھا' نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور غزنی پر حملے کے لئے نکل پڑا۔ 1001 میں پشاور کے قریب راجہ جے پال اور سلطان محمود کی فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ راجہ جے پال کو شکست ہوئی اور پورے خاندان سمیت گرفتار ہو گیا۔ مذاکرات اور ایک بھاری تاوان کے عوض رہائی کے بعد جے پال واپس لاہور آیا' چونکہ لڑائی سے پہلے جے پال اپنے اردگرد کے راجاؤں سے مدد لیکر گیا تھا اس لئے شکست کے بعد نہایت شرمندگی کی حالت میں اپنی حکومت بیٹے انند پال کے حوالے کر کے خود لاہور کے ایک دروازے کے پرانے برگد کے درخت کے پاس ایک بہت بڑی چتا جلائی اور جل مرا۔

سومنات پر دوسرہ حملہ

سلطان محمود غزنوی نے دوسرا حملہ جو کہ 1004 کو ہوا۔ بھنڈا یا بھیرہ جو کہ دریائے ستلج کے قریبی علاقوں پر مشتمل ریاست پر کیا جس کا راجہ بجی راؤ تھا۔ تیسرا حملہ ملتان کے حاکم ابوالفتح کے خلاف 1006 میں کیا لیکن راستے میں ہی دریائے سندھ کے کنارے جے پال کے بیٹے انند پال کے ساتھ مڈبھیڑ ہو گئی۔ سخت جنگ کے بعد انند پال کو شکست ہوئی اور بعض روایات کے مطابق وہ کشمیر پناہ لینے کے لئے بھاگ گیا۔ انند پال کو شکست دینے کے بعد سلطان محمود نے ملتان کا رخ کیا اور ملتان کو فتح کرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ ملتان کا حاکم جے پال کے پوتے سکھ پال کو مقرر کیا جو اسلام قبول کر چکا تھا۔ جلد ہی سلطان محمود کو پھر ملتان جانا پڑا جہاں پر سکھ پال نے بغاوت کر دی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل، پی ایچ ڈی کی ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یا ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

تھی۔ 1008 میں سلطان نے سکھ پال کو شکست دے کر معزول کر دیا۔اسی دوران انند پال جو کہ شکست کھا کر کشمیر بھاگ گیا تھا نے واپس آ کر ایک بار پھر سلطان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔اس کے ساتھ ہی انند پال نے اردگرد کے راجاؤں سے مدد لیکر ایک بہت بڑا لشکر اکٹھا کر دیا۔1008 کے آخری دنوں میں ایک بار پھر دریائے سندھ کے قریب اٹک کے علاقے میں جنگ کا آغاز ہوا۔خونریز جنگ کے بعد انند پال کو ایک بار پھر شکست ہوئی۔ 1009 کے آخری مہینوں میں ایک بار پھر سلطان محمود نے ہندستان پر حملہ کر کے پہلے نرائن پور کی ریاست کو فتح کیا اور پھر 1010 میں ملتان کے گردونواح کے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے۔ 1014 میں سلطان نے انند پال کے بیٹے لوجن پال کو موجودہ کوہستان کے علاقے میں شکست دی اور مزید لوجن پال کی مدد کے لئے کشمیر سے آئے ہوئے ایک بڑے لشکر کو بھی شکست فاش سے دوچار کیا۔1015 میں سلطان محمود نے کشمیر پر حملہ کیا لیکن برف باری کے باعث راستے بند ہونے پر بغیر جنگ کے ہی واپس آنا پڑا۔1018 میں سلطان محمود نے پہلی بار پنجاب کے پار دریائے جمنا کے علاقے میں اپنی فوج کو اُتارا اور ہندوؤں کے مذہبی مقام متھرا کو فتح کرنے کے بعد ایک مشہور ریاست قنوج کا محاصرہ کر لیا۔قنوج کے راجے نے سلطان سے صلح کا پیغام بھیجا اور سلطان کا باجگزار بننا قبول کر لیا۔1019 میں قنوج کی ملحقہ ریاست کالنجر کے راجہ گنڈا نے قنوج پر حملہ کر کے راجہ کو قتل کر دیا اس کی خبر جب سلطان محمود تک پہنچی تو وہ اپنے مطیع راجے کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے نکلا اور کالنجر پر حملہ کر کے اسے شکست فاش سے دوچار کیا۔راجہ لوجن پال اور راجہ گنڈا جو کہ سلطان محمود سے شکست خوردہ تھے۔دونوں نے مشترکہ طور پر ایک بڑے حملے کی تیاری کی اور ایک بار پھر 1019 میں ہی سلطان کو دوبارہ ان دونوں کی سرکوبی کے لئے ہندستان کا سفر کرنا پڑا۔نتیجتاً دونوں راجاؤں کو شکست ہوئی اور ہندستان سے ہندوشاہی راج کا خاتمہ ہو گیا۔

کاشان اکیڈمی

سومنات کے سماجی اور سیاسی حالات۔

سلطان محمود غزنوی 1020ء سے 1025ء کے درمیانی عرصے میں سلطنت کے شمالی مغربی حصے اور دریائے فرات کی وادیوں میں فتوحات میں مشغول رہا۔ اسی عرصہ میں سلطان محمود کو اپنے مخبروں سے یہ اطلاعات متواتر مل رہی تھیں کہ شمالی اور وسطی ہندستان کی تمام ریاستیں سلطان سے شکست کھانے کے بعد بدلہ لینے کے لئے ہاتھ پیر مار رہی ہیں اور اب کی بار ایک مشترکہ حملے کی تیاری ہے،اس کے لئے گجرات کے علاقے کاٹھیاوار میں ایک بہت ہی مشہور مندر سومنات کو مرکز بنایا گیا ہے۔ سومنات سمندر کے کنارے ایک عظیم الشان مندر تھا' جسے پورے ہندستان میں ہندوؤں کے درمیان ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔مندر میں موجود شیوا کے بت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیوا بت کو غسل دینے کے لئے تازہ پانی روزانہ کی بنیاد پر دریائے گنگا سے لایا جاتا تھا۔جنگ کی تیاریاں زوروشور سے جاری تھیں کہ سلطان نے پیشگی حملے کی تیاری شروع کر دی۔غزنی سے سومنات تک فاصلہ تقریباً 2600 کلومیٹر بنتا ہے جس میں سے 500 کلومیٹر طویل مشکل ترین صحرائے چولستان اور راجستھان بھی پڑتا تھا۔اکتوبر 1025 میں سلطان کی فوج تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ غزنی سے روانہ ہوئی۔تین مہینوں کی مسافت کے بعد جنوری 1026 میں سومنات مندر کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ہندستان کے طول وعرض سے مہاراجے اور راجواڑے اپنی اپنی فوج کے ساتھ مندر کی حفاظت کے لئے موجود تھے۔جنگ کا آغاز ہوا اور ایک سخت مقابلے کے بعد سلطان محمود فتح یاب ہوا۔مندر کو توڑ ڈالا گیا۔یہی وہ مشہور جنگ ہے جس کی بنا پر بعض مورخین نے سلطان محمود کی ذات کو ایک لٹیرا مشہور کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔سومنات کے بعد سلطان محمود کی ہندستان پر آخری لڑائی 1027 میں ہوئی جو کہ دریائے سندھ سے دریائے بیاس کے درمیانی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔آخری دو تین سال سلطان محمود غزنوی بیمار بھی رہا اپنی آخری جنگی مہم 1029 میں ایرانی علاقے رے میں انجام دی اور رے کے حاکم آل بویہ کو شکست دی اور کہا جاتا ہے کہ دق اور سل کے مرض میں مبتلا ہو کر اپریل 1030 میں 59 سال کی عمر میں غزنی میں وفات پائی۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سومنات اور تعلیمی معاملات۔

دہلی یونیورسٹی کی پروفیسر رومیلا تھاپر نے اپنی کتاب'' سومناتھ: تاریخ کی بہت سی آوازیں(historyofvoicesmanythe:Somantha)'' میں محمود غزنوی کے مشہور سومنات حملے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔اس نے سومناتھ مندر پر نویں صدی سے اٹھارویں صدی تک سنسکرت گجراتی ہندی فارسی تمام زبانوں کے پرانے مخطوطے اور 1951 میں سومناتھ کی تیسری کھدائی سے ملنے والے نوادرات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔خاص کر گیارہویں اور بارہویں صدی کے ہندو شاعروں کی شاعری اور کچھ سفرناموں کا خاص ذکر کیا ہے۔ان کتابات میں سے کچھ تو محمود غزنوی کے حملے سے بھی پہلے کے ہیں۔رومیلا تھاپر نے سینکڑوں کتابوں' مقالوں اور قدیم سنگی کتبوں کے حوالے سے یہ حقیقت دریافت کی ہے کہ سومناتھ جو سومناتھ پٹن،سوم شاور پٹن اور دیو پٹن کے نام سے بھی مشہور تھا۔کبھی بھی محمود نے برباد نہ کیا۔تھاپر کا کہنا ہے کہ ان زمانوں میں بڑے اور اہم مندروں کی جاگیریں ہوتی تھیں اور ان کے اندر نذرانوں کی صورت میں جمع شدہ بے پناہ دولت ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ جب کوئی ہندو راجہ بھی ان خطوں میں یلغار کرتا تو وہ بھی ان مندروں کو لوٹتا تھا اور اکثر اپنی فتح کی نشانی کے طور پر وہاں ایستادہ بت اپنے ساتھ لے جاتا تھا تو محمود نے بھی وہی کچھ کیا جو اس سے پیشتر ہندو راجے کرتے آئے تھے۔لیکن سب کچھ ویسا نہیں ہوا جیسا آج بیان کیا جا رہا ہے۔اس عہد کے کسی مخطوطے یا دریافت ہونے والے پتھر پر یہ نقش نہیں ہے کہ محمود کے حملے کے بعد سومنات اجڑ گیا بلکہ یہ درج ہے کہ اس کی یلغار کے بعد سومنات بدستور آباد رہا اور وہاں پرستش ہوتی رہی۔

رومیلا تھاپر کی تحقیق کے مطابق یہ انگریز حکمران تھے جنہوں نے ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کی حکمت عملی کے تحت اس نظریے کو فروغ دیا۔خاص طور پر 1857 کی جنگ آزادی کے بعد جس میں مسلمان اور ہندو یکساں طور پر شامل تھے اور یہ ہندوؤں کے لئے خاص تھا کہ دیکھو مسلمان تم پر کیسے کیسے ظلم ڈھاتے رہے ہیں۔انہوں نے سومنات کو برباد کر دیا جب کہ ہم تمہاری عبادت گاہوں کی تعظیم کرتے ہیں۔اس مہم کا آغاز گورنر جنرل لارڈ ایلن برو(brough Ellen) کی برطانوی پارلیمنٹ کی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس، گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

1843 کی اس بحث سے ہوتا ہے جسے (gatesofproclamationThe) یعنی دروازوں کی برآمدگی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دنیا کی کسی بھی کتاب اور زبان میں 1857 سے پہلے محمود غزنوی بطور لٹیرا کا ذکر نہیں ملتا۔ وائسرائے ہند JohnCharles1862-1858canningEarlViscountThe نے جنگ آزادی کے بعد محمود بطور لٹیرا کا بھرپور پرچار کیا۔ اس نے برطانوی پارلیمنٹ میں ایک تقریر میں اس بات کا ذکر کیا جسے پارلیمنٹ نے بھاری اکثریت سے منظور کر کے پورے ہندستان میں پھیلایا۔ اور برطانوی و ہندستان کے انگریزی اخبارات نے اس پر مسلسل لکھنا شروع کیا۔ تھاپر کا کہنا ہے کہ اب بھی لوک گیتوں میں محمود غزنوی کے گن گائے جاتے ہیں۔ سومنات کے فقیر اور سادھو محمود غزنوی کو ایک داستانوی ہیرو گردانتے ہیں۔ اگر وہ محض ایک لٹیرا ہوتا' مندروں کا دشمن ہوتا تو ہندو لوک گیتوں میں اس کی توصیف کیوں کی جاتی۔ بعدازاں ہم نے بھی انگریزوں کے تخلیق کردہ اس نظریے کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا۔ تھاپر نے یہ بھی لکھا ہے کہ سومنات کے علاقے میں بے شمار مسلمان تاجر آباد تھے جو گھوڑوں کا بیوپار کرتے تھے۔ ان میں عرب بھی شامل تھے جنھوں نے مقامی عورتوں سے شادی کر کے ہندوستانی تہذیب کو اپنا لیا تھا۔ مارکو پولو نے بھی اپنے سفرنامے میں سومنات اور گجرات کے علاقے کے بیوپاریوں کا ذکر کیا ہے' جو ایران سے گھوڑے لا کر ہندوستان میں فروخت کرتے تھے۔ یہ بیوپاری باہر سے گھوڑے' شراب اور دھاتیں درآمد کرتے تھے اور ہندوستان کے کپڑے' مصالحے' جواہرات' لکڑی اور تلواریں برآمد کرتے تھے۔ سومنات کا علاقہ تجارت کا ایک اہم مرکز تھا۔

معاشی استحکام۔

کاشان اکیڈمی

تھاپر کی تحقیق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کوہستان نمک میں جو مندر تھے وہ بہت غریب تھے' دولت صرف تھانیسر' ملتان اور سومنات کے مندروں میں تھی' ان مندروں سے حاصل ہونے والی دولت سے محمود کی فوج کی تنخواہیں دی جاتی تھیں اور ان میں سے بیشتر ہندو ہوتے تھے اور ان مندروں پر حملہ کرنے والوں میں شامل ہوتے تھے' ہندوستان میں جتنے بھی فوجی بھرتی کیے جاتے تھے ان کا کمانڈر بھی ہندوستانی ہوتا تھا جس کو سپہ سالار ہندوان کہا جاتا تھا اور وہ محمود کا وفادار ہوتا تھا۔ محمود غزنوی کے دور کے دریافت شدہ کتبات جو جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، اپی گرافیا انڈیکا اور انڈین اینٹی کواری میں شائع ہو چکے ہیں۔ محمود غزنوی نے 1026 میں سومناتھ پر حملہ کیا تھا اس کے 12 سال بعد 1038 میں گوا کے مقامی راجہ کدمب نے سومناتھ کا شاہی سفر کیا جس پر ایک سفرنامہ بھی لکھا تھا۔ جو سنسکرت زبان میں چھپا ہے۔ اس کے مطابق مندر کو تباہ نہیں کیا گیا بلکہ محمود کی فوجوں نے اس کی بے حرمتی کی تھی۔ اور سومناتھ مندر کی خطے میں سیاسی بالادستی ختم کی تھی۔ اور حملے کے بعد اسے دوبارہ مرمت کر لیا گیا تھا۔ اور مندر کی رونق برقرار رہی۔ گوا سے سومناتھ تک کے سفر کا ایک احوال 1125 کی ایک تحریر میں بھی ملتا ہے۔ اس شاہی سفر میں بادشاہ کا جہاز سمندری طوفان میں تباہ ہو گیا تھا اور ایک عرب بیوپاری نے بادشاہ کی جان بچائی تھی۔ اس مدد کے عوض بادشاہ نے عرب بیوپاری کے پوتے کو ایک علاقہ کا منتظم بنایا اور اسے مسجد بنانے کی اجازت دی تھی۔

0334-5504551
Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

سومنات اور راجھستان کا مندر۔

بارہویں صدی کے گجراتی چولوکیا خاندان کے راجہ کمار پال کے مطابق راجھستان کا مگران مندر شان و شوکت میں سومناتھ سے کم تر تھا۔ سومناتھ کے قریب منگرال سے ملنے والے بارہویں صدی کے ایک کتبے کے مطابق سومناتھ مندر میں دیوی دیوتاؤں پر چڑھاوؤں کی صورت میں بہت مال آتا تھا۔ گیارہویں صدی کی ایک مہارانی نے حکم نامہ جاری کیا تھا کہ سومناتھ مندر آنے والے یاتریوں کے سفر کو ٹیکس فری کیا جائے اور وہ راستے میں دریا پل یا کسی مقامی راجہ کے علاقے سے گزرنے پر کوئی ٹیکس ادا نہ کریں۔ بارہویں صدی تک سومناتھ مندر اس قدر امیر ہو چکا تھا کہ سونے چاندی کے انبار لگ چکے تھے۔ چولوکیا بادشاہ کمار پال کے کتبے سے پتہ چلتا ہے اس نے سومناتھ کے تحفظ کے لئے ایک گورنر مقرر کیا تھا جس کا کام مندر کی دولت کو مقامی ابھیرا راجاؤں کی ڈکیتی و لوٹ مار سے بچانا تھا۔ کمار پال نے بھاو برہسپتی کو 1169 میں سومناتھ کا گند یعنی راہب اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ اس راہب اعلیٰ کی اہم ذمہ داری مندر کو آباد رکھنا اور ویران ہونے سے بچانا تھا کیونکہ محمود غزنوی کے بعد مندر خستہ حال ہو چکا تھا جس کا تعلق حملے سے نہیں بلکہ خستہ حالی کی ایک وجہ کل یگ یعنی بیوپاریوں کی جانب سے مندر کی مالی سرپرستی چھوڑ دینا تھا۔

دوسرا مندر کی عمارت بہت زیادہ پرانے ڈھنگ کی تھی جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

تیسری وجہ مندر سمندر کے بہت قریب ہونے کی بنا پر سمندری لہریں اور نمی عمارت کو نقصان پہنچاتی تھی۔ اس کے کچھ سال بعد 1216 میں اس وقت کا چولوکیا بادشاہ سومناتھ مندر کو مالوہ کے ہندو راجاؤں کی لوٹ مار سے بچاتا رہا تھا۔ بھدر کالی کے کتبے کے مطابق بھو برہسپتی کا دعوی ہے کہ وہ ہے جس نے کمار پال کو تیار کیا تھا کہ وہ مندر کو دوبارہ تعمیر کرے۔

اس کا کہنا ہے کہ اصل مندر سونے کا بنا ہوا تھا جس کو بعد میں سونا ہٹا کر چاندی کے مندر میں بدل دیا گیا اور آخر میں چاندی ہٹا کر پتھروں کا مندر بنا دیا گیا۔ مندر کی آمدنی اور بارے راہبوں کے معاوضے بڑھانے کے لئے برہمپوری گاؤں کے محصولات کا استعمال کیا گیا تھا۔ اتنے زیادہ تاریخی سنسکرت پراکرت اور جینی کتابات میں محمود غزنوی کے حملے کا ذکر نہ ہونا حیران کن ہے۔ ان میں اگر کچھ لکھا گیا ہے تو اتنا کہ مندر خستہ ہو گئے ہیں ان کی تعمیر ضروری ہے اور مندر کے بتوں کے توڑنے کا جو ذکر آیا ہے وہ سب مقامی ہندو راجاؤں کے بارے ہیں جو دولت لوٹنے کے لئے سومناتھ مندر پر حملے کرتے تھے۔ محمود غزنوی کے حملے اگر اتنے ہی سنگین جذبات کو زخمی کر دینے والے اور ناقابل برداشت ہوتے جیسے کہ اب دعوے کیے جاتے ہیں۔ تو حملوں کے دو سو برس بیت جانے کے بعد ان کو اس طرح نہ بھلا دیا جاتا کہ کسی کتبے میں محمود غزنوی کی طرف سے مندر کی تباہی اور لوٹ مار کا ذکر نہیں ملتا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

اگر ذکر ہے تو صرف اتنا کہ محمود واپس جاتے ہوئے سومناتھ پٹن میں ایک مختصر فوج چھوڑ کر دب شالم کو اپنا گورنر قائم کر گیا تھا۔محمود غزنوی کے ایک معاصر شاعر دھن پال جو مالوہ کے بھوج دربار کا شاعر تھا نے اپنی شاعری نے محمود کی گجرات پر مہم کا ذکر کیا ہے۔محمود راجستھان کے ستیہ پور کے مقام پر جین مندر میں مہاویر مجسمے کو توڑنے میں ناکام رہا جبکہ سومناتھ کے بڑے بت کو توڑا ضرور مگر مندر کو تباہ اور مال کی لوٹ مار نہیں کی۔اسی طرح پر بھار سوری نے بھی لکھا ہے کہ محمود کے ہاتھی مہاویر مجسمے کو نہیں توڑ سکے تھے۔حتی کہ کشمیر کا مشہور شاعر بلہانا جو محمود کے 50 سال بعد 1076 میں سومناتھ آیا۔گجرات کے چولو کیا دربار میں رہا۔ایک ناٹک کرن سندری بھی لکھا۔گجرات کے لوگوں کے تفصیلی حالات لکھے اور محمود غزنوی کے ملتان میں اسماعیلی شیعوں پر حملہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے مگر محمود غزنوی کے سومناتھ حملے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

یہ ایک بڑی حیران کن بات نظر آتی ہے۔محمود غزنوی کے سومنات حملے بارے جو وجوہات منسوب کی جاتی ہیں۔گجرات میں غزنوی کے ہم عصر اور دو سو سال بعد تک مصنفوں وشعراء - نے سومناتھ کی محمود کے ہاتھوں تباہی اور دولت کی لوٹ مار کا ذکر تک نہیں کیا۔آج جتنی شدت سے محمود غزنوی کو لٹیرا ثابت کیا جاتا ہے اگر یہ اتنا بڑا اور اہم واقعہ ہوتا تو اس دور میں کتابیں بھر دی جاتیں۔

تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ سومناتھ کا حملہ بھی باقی دوسرے حملوں جیسے جواز اور نتائج رکھتا تھا۔اور صدیوں تک محمود کو لٹیرا کی بجائے اچھے الفاظ میں یاد رکھا گیا۔حقیقتاً یہ انگریز ہی تھے جنہوں نے اس سازشی تھیوری کا آغاز کیا۔اور ہندوؤں میں نفرت کے بیج بوئے۔پھر کچھ اپنے بھی اس رو میں بہک گئے۔ہم نے اپنے نابیناپن میں اس عظیم علم دوست فاتح محمود غزنوی کو صرف بت شکن اور لٹیرے کے درجے پر فائز کر کے اس کی قامت مختصر کر دی ہے جو بقول ایڈورڈ گبنز مقدونیہ کے سکندر اعظم سے بھی عظیم فاتح تھا۔

کاشان اکیڈمی

سوال نمبر 27۔ خلافت،سلطنت اور بادشاہت میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے سلطنت دہلی کی سیاسی تاریخ پر روشنی ڈالیں۔

0334-5504551

جواب۔

خلافت کیا ہے۔

آج کل جمہوریت اور آمریت کی ناکامی کے بعد ایسے مواقع کثرت سے آتے ہیں کہ خلافت کا تذکرہ نکل آتا ہے۔تاہم لوگ اس خلافت سے ایک رومانوی محبت محسوس کرنے کے باوجود فکری اور علمی طور پر اس نظام کے خدوخال سے واقف نہیں ہوتے۔یہی وجہ ہے کہ بعض کم فہم اور الجھے ہوئے لوگ یا اسلام دشمن لوگ مغربی نظام کو معمولی ردوبدل کے بعد خلافت کی روح قرار دے کر لوگوں کو sell کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔پس کسی کو ناروے،ڈنمارک وغیرہ "عمری خلافت" دکھتا ہے تو کسی کو برطانوی جمہوریت "مدینہ کا ماڈل" دکھائی دیتا ہے۔ایسے تمام دوستوں کی سمجھ کیلئے یہ مضمون پیش خدمت ہے جو خلافت کا ایک اجمالی خاکہ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش ہے تاکہ امت اپنے ڈائریکشن کا درست تعین کر سکے اور کوئی انھیں گمراہ نہ کر سکے۔

Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

اسلامی ریاست یعنی خلافت:

اسلامی خلافت صرف اسی وقت قائم تصور کی جاتی ہے جب اس میں تمام نظام اسلام سے ہی اخذ کئے گئے ہوں اور اتھارٹی بھی مسلمانوں کے ہاتھ ہو۔خلافت میں اقتصادی نظام،حکومتی نظام،معاشرتی نظام،نظام عدل،خارجہ پالیسی اور تعلیمی پالیسی مکمل طور پر شرعی مصادر سے اخذ شدہ ہوتی ہے۔آیئے فرداً فرداً ان نظاموں کے اہم نکات کی پر نظر ڈالیں۔

سلطنت کیا ہے۔

سلطنت لفظ سلطان سے نکلا ہے جس کا مطلب " محکم یا حکمران"۔سلطنت کو ہم حاکمیت بھی کہہ سکتے ہیں۔سلطنت ویسے سیاسی طور پر ایک شہنشاہ یا سلطان کے زیرِ نگراں اقلیم یا جغرافیائی علاقے کو سلطنت کہلاتی ہے۔ایک سلطنت ایک ہی شاہ یا صدر کے ماتحت قابو میں ہوتا ہے۔سلطنت کے اندر بہت سے عہدے ہوتے ہیں جن میں بادشاہ،ملکہ،وزیر اعظم،وزیر دفاع،وزیر خزانہ،وزیر افواج،وزیر تعلیم،باندھی،سپاہی اور دیگر بے شمار عہدے موجود ہوتے ہیں۔لیکن سب سے بڑا عہدہ بادشاہ کا ہوتا ہے۔

بادشاہت کیا ہے۔

بادشاہت ایک روایتی خودمختار حکومتی نظام ہے۔اس میں تمام اختیارات بادشاہ (مرد حاکم) یا ملکہ (خاتون حاکم) کو حاصل ہیں۔آج کل دنیا میں 44 ممالک بادشاہت کے ماتحت ہیں۔برونائی،عمان،سعودی عرب،قطر،ویٹیکن سٹی،سوازی لینڈ وغیرہ ممالک میں تاریخی طور پر خودمختار بادشاہت قائم ہے۔اس طرز حکومت میں بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کی اولاد نے جسے وہ نامزد کرے بادشاہ ہوتا ہے۔بادشاہ جسے نامزد کرتا ہے اسے ولی عہد کہتے ہیں۔

سلطنت دہلی کا قیام۔ سلطان محمد غوری نے 1206ء میں گکھڑوں کے ہاتھوں سوہاوہ کے قریب دیمک کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو اس کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمود غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کا خودمختار حکمران تسلیم کر لیا۔سلطان قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی جو بابر کے حملے (1526ء) تک قائم

میٹرک، ایف اے، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی کی حل شدہ اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یہاں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایم اے، ایم ایس سی کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس، گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

رہی۔ سلاطین دہلی خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کر کے نظام حکومت چلاتے رہے۔ سلطان شمس الدین التمش، سلطان محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے قانونی جواز کے لئے عباسی خلفاء سے باقاعدہ منشور حکومت حاصل کئے۔ باقی سلطان خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اور خطبات جمعہ وعیدین میں عباسی خلیفہ کا نام لے کر اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔ سلاطین دہلی کے سکوں پر ایک طرف سلطان کا نام اور دوسرے طرف عباسی خلیفہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔ اس طرح انہوں نے اپنی حکومت کا قانونی جواز تلاش کر لیا تھا۔

سلطان۔ سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا۔ حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا۔ قانونی اور اصولی طور پر سلطان خلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔ جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خود مختار، مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔ وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔ وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔ سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدہ داروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔ یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کر لیتا تھا۔ لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔

سلاطین کو عدل وانصاف کا سر چشمہ سمجھا جاتا تھا۔ سلطنت کے اہم شہروں اور قصبوں میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی موجود رہتے تھے۔ کبھی کبھی سلطان خود بھی مقدمے سن لیتا تھا۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ محمد بن تغلق خود کو سلطان عدل کہلانا پسند کرتا تھا۔ شیر شاہ سوری کو بھی اس کے ہم عصروں نے سلطان عادل کا خطاب دیا تھا۔ قومی نوعیت کے اہم مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے سلطان علماء اور مشائخ کا محضر طلب کر لیتا تھا۔ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف علماء کی شکایت پر محضر طلب کئے تھے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

نائب المملکت۔ سلطان کے بعد نائب المملکت یا نائب الممالک کا عہدہ سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس عہدے پر فائز سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا اور اس کا منصب وزیر سے بڑا ہوتا تھا۔ یہ عہدہ مستقل نہ تھا۔ اس لئے بعض سلاطین کے عہد میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے زمانے میں نائب المملکت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن سلطان کی دارالحکومت سے غیر موجودگی کے زمانے میں وہ اس کے نائب کی حیثیت سے تمام اختیارات استعمال کرتا تھا۔ کمزور سلاطین کے عہد میں سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے باعث نائب المملکت بڑا صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا اور سلاطین ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہتے تھے۔ محمد بن تغلق جب گجرات سے باغی گورنر طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گجرات کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ جہاں کو نائب المملکت بنا گیا۔ محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اس نے ایک مجہول النسب لڑکے کو سلطان کا فرزند ظاہر کر کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ سلطان فیروز تغلق بھی جب کبھی دہلی سے باہر جاتا تو اپنے وزیر خواجہ جہاں کو اپنا نائب بنا جاتا تھا۔

وزیر۔ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ وہ حکمران کی بہت سے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر اسے سبکدوش کر دیتا ہے اس لئے اسے وزیر کہا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کے ہاں منصب وزارت میں بڑی اہمیت تھی۔ بیشتر سلاطین اپنا وقت فتوحات، سیر وشکار اور مجالس عیش وطرب میں گزارتے تھے۔ اس لئے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری وزیر پر آتی تھی۔ وزیر کے فرائض میں سلطان کو اہم امور میں مشورہ دینا، محکمہ مال کی نگرانی کرنا، خزانے کا حساب کتاب رکھنا، عمال کا تقرر اور معطلی، خراج، لگان اور دوسرے **واجبات کی وصولی۔** سلطنت کی فلاح وبہبود کا خیال رکھنا، عوام کو ہر حال میں مطمئن رکھنا، مہمات کی نگرانی کرنا، سلطان کی ضروریات اور آرائش کا خیال رکھنا، شاہی اصطبل کی نگہداشت، فوجیوں کی بھرتی اور تربیت، یتیموں اور بیوہ عورتوں کی سرپرستی، علماء ومشائخ کی خدمت، ترویج علم کے لئے کوشش کرنا اور روزمرہ کا کام چلانا تھا۔ بالفاظ دیگر حکومت کا کوئی شعبہ اس کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

دیوان عرض۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں محکمہ دفاع ''دیوان عرض'' کہلاتا تھا اور اس کے سربراہ کو ''عارض ممالک'' کہتے تھے۔ اس کے فرائض میں فوج کی بھرتی اور تربیت، فوجوں کی تنخواہوں کی ادائیگی، اسلحہ کی فراہمی، فوج کے لئے رسد کا اہتمام، گھوڑوں کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال، بار برداری کے لئے جانوروں کی فراہمی اور اپنے محکمہ سے متعلقہ ریکارڈ کی تیاری شامل تھے۔ عارض ممالک سال میں کم از کم ایک بار فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کا معائنہ کرتا تھا۔ دیوان عرض کے محکمے میں تمام فوجیوں اور جانوروں کا حلیہ اور شناختی نشانوں کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔

دیوان رسالت۔ دیوان رسالت امور خارجہ کا محکمہ تھا۔ اس محکمے کو ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں سے خط وکتابت کرنا پڑتی تھی، اس لئے اس کا نام دیوان رسالت پڑ گیا۔ سلاطین دہلی دربار خلافت کے ساتھ باقاعدہ تعلقات رکھتے تھے۔ سفیروں اور تحائف کے تبادلے کے علاوہ خط بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ جب سلطان کسی دشمن پر فتح پاتا یا کوئی اہم علاقہ فتح کرتا تو اپنے اس کارنامے کا ذکر فخریہ انداز میں ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کو لکھ کر بھیجتا تھا۔ غیر ممالک سے جو سفیر آیا کرتے تھے، ان کی دیکھ بھال اور آؤ بھگت بھی اسی محکمہ کے ذمہ داری تھی۔

صدور الصدور۔ مذہبی امور واوقاف صدر الصدور کی نگرانی میں تھے۔ سلطان کسی معروف عالم کو اس منصب پر فائز کرتا تھا۔ اس کے ذمہ اوقاف کی دیکھ بھال، دینی مدارس کی سرپرستی، علوم دینیہ کی اشاعت، مساجد کی تعمیر اور خطیبوں اور موذنوں کا تقرر، علماء مشائخ، سادات، یتامی اور بیوگان کی مالی امداد، غربا اور مساکین کی دیکھ بھال اور

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

خانقاہوں کی امداد شامل تھے۔ یہ منصب بڑا اہم اور تقدس کا حامل تھا۔

دیوان قضاء۔ محکمہ عدل وانصاف دیوان قضا کہلاتا تھا۔اس محکمہ کا سربراہ قاضی القضاۃ یا قاضی الممالک کہلاتا تھا۔اس کے ماتحت صوبوں میں قاضی ہوتے تھے۔ قاضی کے فرائض میں مقدمات کا فیصلہ کرنا،حدود کا نفاذ، حلف لینا، گواہی قبول کرنا (جیسے رویت ہلال کے بارے میں)، ترویج یتامیٰ، اوقات کی نگرانی، خطباء وآئمہ کی دیکھ بھال، متوفی کی وصیت پر عمل درآمد، لاوارث جائیداد کی نگہداشت، گمشدہ اموال اور امانتوں کی خبر گیری اور سرکاری عمال کے بارے میں شکایات سننا شامل تھے۔عہد سلاطین میں قاضی مغیث الدین جیسے کئی نامور قاضی ہو گزرے ہیں۔ جو کلمہ حق کہنے سے باز نہیں آتے تھے۔

دیوان انشاء۔ یہ محکمہ شاہی خط وکتابت کا ذمہ دار تھا۔موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے سیکریٹریٹ کہنا چاہیئے۔ اس محکمہ کا نگران ''دبیر خاص'' کہلاتا تھا اور اس کے ماتحت بہت سے کاتب ہوا کرتے تھے۔ یہ محکمہ اعلیٰ افسروں کے نام فرامین جاری کرتا تھا۔سلاطین کی صوبائی گورنروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ خط وکتابت بھی اسی محکمہ کے توسط سے ہوا کرتی تھی۔عہدہ داروں کے تقرر اور موتوفی کا ریکارڈ بھی یہیں رہتا تھا۔سلطان دبیر خاص کو خط کا مفہوم بتا دیتا اور وہ اپنے فصیح وبلیغ الفاظ کا جامعہ پہنا دیتا۔

دیوان برید:۔ اس محکمہ کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کو ملک کے ہر حصے سے کسی بھی قسم کی خبر فوراً پہنچائی جائے اس محکمے کے سربراہ کو برید الممالک کہا جاتا تھا۔ یہ ایک طرح کی سراغرساں ایجنسی تھی۔سلاطین کے دور میں مواصلات کا نظام کم تھا۔ اسلئے جاسوس چھوڑ دیئے جاتے تھے تاکہ مقامی عہدیداروں کی ''ناجائز وجائز'' سرگرمیوں کا علم ہو سکے۔

کاشان اکیڈمی

کوتوال۔ شہر میں پولیس کا اعلیٰ افسر کوتوال کہلاتا تھا۔شہر میں امن وامان کا قیام اس کے فرائض میں شامل تھا۔ وہ چوروں، ڈاکوؤں، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ بسا اوقات وہ رات کے وقت شہر میں گشت کیا کرتا تھا۔محتسب کی طرح وہ بھی برائی کے اڈوں کو ختم کرنے کا ذمہ دار تھا۔شہر کے دروازوں کو نماز مغرب کے بعد بند کروانا اور فجر کے وقت کھلوانا اس کی ذمہ داری تھی۔

0334-5504551

وکیل در۔ سلطان کے ذاتی عملے کا سربراہ وکیل در کہلاتا تھا۔شاہی محلات کے ملازمین، چوبدار، نقیب، سلطان کے ذاتی غلام، محلات کے حفاظتی دستے اور اہل کار اس کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ان کی تنخواہ بھی اسی کے توسط سے تقسیم ہوتی تھی۔ وہ شاہی مطبخ، آبدار خانہ، فیل خانہ اور اصطبل کا بھی نگران ہوتا تھا۔شاہی بیگمات کی ضروریات کا خیال رکھنا اور شہزادوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

Download Free Assignments from

امیر حاجب۔ وکیل در کے بعد اہمیت کے اعتبار سے امیر حاجب کا عہدہ تھا۔عباسی حکومت میں اس عہدے کا پتہ چلتا تھا۔ وہیں سے دہلی کی سلطنت میں اس کا

Solvedassignmentsaiou.com

رواج پڑا۔سلطان عموماً محلات کے اندر رہتا تھا اور عوام وخواص کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھتا تھا۔ بڑے بڑے افسر بھی سلطان سے ملنے کے لئے کئی کئی روز اس کا انتظار کیا کرتے تھے۔ یہ امیر حاجب کی ذمہ داری تھی کہ وہ سرکاری افسروں اور ضرورت مندوں کو سلطان کے حضور پیش کرے اور ان کا تعارف کرائے۔فریادی بھی اسکے توسط سے اپنی عرضداشتیں سلطان کے ضور میں پیش کیا کرتے تھے۔

نقیب۔ جب سلطان اپنے محل سے باہر آتا تو نقیب اس کی آمد کا اعلان کرتا، وہ شاہی جلوس کے آگے آگے چلتا اور لوگوں کو باادب رہنے کی تلقین کرتا۔گویا معمولی سا عہدہ تھا لیکن سلطان کے قریب کی وکہ سے بڑا معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا۔نقیب کے سر پر مور کے پروں والا طلائی مکٹ اور ہاتھ میں سونے کا گرز ہوا کرتا تھا۔نقیبوں کا افسر اعلیٰ، نقیب النقبا کہلاتا تھا۔

جاندار۔ سلطان کے ذاتی محافظ جاندار کہلاتے تھے۔ان کے افسر اعلیٰ کو سر جاندار کہتے تھے۔اس دستے میں بڑے صحت مند، بلند قامت، وجیہہ اور بہادر جوان بھرتی کئے جاتے تھے۔سلطان غیاث الدین بلبن نے سیستان سے دیو قامت جوان بلا کر اس دستے میں بھرتی کئے تھے۔ضیاء الدین برنی کی روایت ہے کہ ان کے جاہ وجلال کو دیکھ کر کمزور دل انسان بیہوش ہو جایا کرتے تھے۔

سوال نمبر 28۔ سلطان قطب الدین ایبک کے دور حکومت پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

جواب۔

برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔نسلاً ترک تھے۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔جس نے ان کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر انہیں خرید لیا۔شکل وصورت قبیح ہونے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ ان کو ایبک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔ 1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اوراسکی فوجیں گجرات، راجپوتانہ،گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب، گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

فتوحات۔

قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے میں گزرا۔عالموں کا قدر دان تھا۔اور اپنی فیاضی اور داد و دہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔یہ مقبرہ وقت اور حالات کے ہاتھوں برباد ہوتا رہا. یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں یہ ایک سکھ کی ملکیت میں رہا انگریزوں کے دور میں یہ مقبرہ خستہ حالی کی منہ بولتی تصویر تھا قیام پاکستان کے بعد صدر ایوب خان کے دور میں محترم حفیظ جالندھری نے ان سے گذارش کی کہ مجاہد اسلام کے مقبرہ کی مرمت اور تزئین و آرائش کا بندوبست کروایا جائے صدر پاکستان نے ان کی درخواست قبول کی اور آج یہ مقبرہ مجاہد اسلام کی شان و شوکت سنبھالے کھڑا ہے۔نسلاً ترک تھا۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔شکل وصورت تو قبیح تھی لیکن ایک چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ اس کو ایک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اور اس کی فوجیں گجرات، راجپوتانہ،گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب، گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

کاشان اکیڈمی

0334-5504551

Download Free Assignments from

دہلی طرز حکومت۔

Solvedassignmentsaiou.com

یہ برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے پہلی دفعہ دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔یہ نسلاً ترک تھا۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔شکل وصورت کافی عجیب ہونے کے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ اس کو ایک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔لیکن نہایت ہی ذہین شخص تھا۔

قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی ذہانتوں اور صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اوراسکی فوجیں گجرات، راجپوتانہ،گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان شہاب الدین غوری نے 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب وفات پائی تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے میں گزرا۔عالموں کا قدر دان تھا۔اور اپنی فیاضی اور داد و دہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے بھی مشہور ہوا۔نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے میں گزرا۔عالموں کا قدر دان تھا۔اور اپنی فیاضی اور داد و دہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔نومبر 1210ء • میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔

سوال نمبر 29۔ خلجی خاندان کے دور حکومت کے اہم کارناموں کا تنقیدی جائزہ لیں۔

جواب۔

فارسی (خلج)،عربی (خلخ) تھا۔(ترک۔معارف اسلامیہ) نوشیروان نے ہنوں کے خلاف ترکوں سے مدد لی اور ان کی مدد سے ہنوں کو شکست دی۔مگر جلد ہی افغانستان پر ترک چھا گئے۔کتاب الاغانی کی کے مطابق رود گرگان کے ترکوں نے ایرانیوں کی زبان و مذہب اختیار کر چکے تھے۔وہ سانیوں دور میں ہی اس علاقے کو فتح کر چکے تھے۔(دیکھے ترک)*افغانستان میں دریائے ہلمند کے چڑھاؤ کے رخ پر ایک مرحلے کے فاصلے سے دریا کے اسی کنارے پر جس پر درتل تھا،شہر درغش آباد تھا اور درتل کے مغرب میں ایک مرحلے کے فاصلے پر بغنین اس علاقہ میں تھا۔جہاں قبائل پشلنگ کے ترک آباد تھے۔ان میں قبیلہ خلج بھی رہتا تھا۔ان خلجی ترکوں نے بعد میں مغرب کی طرف نقل مکانی کی تھی۔لیکن ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی بہت قناعت سے زمینداور کے علاقہ میں بسر کرتے تھے اور

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

وضع قطع ترکوں کی رکھتے تھے۔(جی لی اسٹرینج۔خلافت شرقی،025۔125)

قبائلی جنگ وجدل۔

خلجی افغانستان میں ابتدئے اسلام سے ہی آباد تھے اور غالباً انہوں نے دوسرے افغان قبائل کے ساتھ اسلام چوتھی صدی ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔کیوں کہ یہ خوارزم شاہیوں اور غوریوں اور اس سے پہلے سلجوقیوں کے لشکر میں شامل رہے تھے۔علاؤالدین جہاں سوز نے سلطان سنجر کا مقابلہ کرنا چاہا تو عین لڑائی کے وقت یہ ترکوں اور خلجیوں نے علاؤالدین جہاں کا ساتھ چھوڑ کر یہ سلطان سنجر کے ساتھ جا ملے۔جس کی وجہ سے علاؤالدین جہاں سوز کو شکست ہوئی اور وہ قید ہوگیا۔اس طرح یہ سلطان مغزالدین محمد غوری کے لشکر میں شامل تھے اور ہند کی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔جب سلطان محمد غوری ترائن کی لڑائی میں زخمی ہوگیا تو اس کو میدان جنگ سے بچالا نے والا بھی ایک خلجی نوجوان تھا۔(منہاج سراج طبقات ناصری جلد اول،526۔117)* خلجی سلطان محمد خوارزم کے لشکر میں بھی شامل تھے،اس نے سمرقند کی حفاظت کے لیے جو لشکر منگولوں کے مقابلے کے لیے چھوڑا تھا اس میں کثیر تعداد میں خلجی شامل تھے۔خلجیوں نے خوارزم شاہیوں کے ساتھ مل کر منگولوں کے خلاف مزحمت کی تھی۔ 366ھ میں خلجیوں کے ایک گروہ جو سلطان محمد خلجی کے لشکری تھے اپنے سردار ملک خان محمد خلجی کی سرکردگی میں سندھ پر قابض ہوگئے،ناصرالدین قباچہ نے ان کے خلاف اقدام کیا اور انہیں نکال باہر کیا اور ان کا سردار مارا گیا۔(منہاج سراج طبقات ناصری جلد اول،465۔547،جلد دوم،031۔641)* خلجی خاندان غلاماں کے لشکر میں بھی شامل رہے۔بلکہ ترکوں کے لشکریوں کا غالب عنصر خلجی ہی تھے اور ان کی سرکردگی میں ہند میں وسیع فتوحات حاصل کیں۔ان میں بختیار خلجی بہت مشہور ہوا،جس نے صرف دوسوا آدمیوں کی مدد سے بنگال فتح کیا۔اس طرح دوسرے خلجی سرداروں میں علی مردان خلجی،غزالدین،محمد شیراں،میران شاہ اور ملک جلال الدین بن خلج خان کے نام ملتے ہیں۔آخرالذکر برصغیر میں خلجی سلطنت کا بانی تھا۔(منہاج سراج طبقات ناصری جلد اول،547 تا 108)* 0931ء میں خلجی اچانک دہلی کے تخت پر قابض ہو گئے۔خود اس پر دہلی کے امرا اور شہری بھی حیرت زدہ رہے گئے۔نیا بادشاہ جلال الدین فیروز خلجی تھا۔وہ کافی عرصہ تک دہلی میں داخلے کی ہمت نہیں کرسکا۔اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ علاؤالدین خلجی تھا۔جو جلاؤالدین فیروز کا بھتیجا اور داماد تھا۔جو اپنے چچا کو قتل کرکے تخت پر بیٹھا تھا۔یہ پہلا حکمران تھا جس نے جنوبی ہند کو فتح کیا۔ اس کے علاوہ یہ اپنی دوررس اصلاحات کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہوا۔اس خاندان کا آخری حکمران اس کا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی تھا جس کو اس کے نومسلم غلام خسرو نے قتل کرکے اس خاندان کا خاتمہ کردیا۔(ڈاکٹر معین الدین،عہد قدیم اور سلطنت دہلی۔353 تا 204)* 6241ء ؟ میں مالوہ کی حکمرانی خلجیوں نے حاصل کرلی۔اس خاندان کا بانی محمود خلجی تھا۔اس نے اپنے برادر نسبتی کو زہر دے کر ہلاک کردیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔یہ ایک بیدار مغز بادشاہ تھا۔اس کا سنتیس سالہ دور حکومت کا بیشتر حصہ گردونواع کی حکومتوں سے لڑنے اور سلطنت کی توسیع میں گزرا۔اس خاندان کا آخر حکمران باز بہادر تھا۔اس کو اکبر کی فوجوں نے 1651ء میں تخت سے محروم کر دیا۔(ڈاکٹر معین الدین،عہد قدیم اور سلطنت دہلی۔515 تا 815)

دور حکومت:1290ء تا 1320ء

ہندوستان کا ایک ترکی حکمران خاندان جس نے افغانی رسم و رواج اور فارسی زبان اپنا لیا ہوا تھا۔مملوک سلاطین دہلی کے بعد 1290ء سے 1320ء تک خلجی بادشاہ ہندوستان پر حکمران رہے۔خلجی خاندان کی بنیاد جلال الدین خلجی نے رکھی۔اور اس کے بعد انکا بھتیجا علاؤالدین خلجی تخت نشین ہوا۔جس کے قبضہ میں بعد ازاں پورا ہندوستان آیا۔علاؤالدین خلجی کے بعد اس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے اور بالآخر تغلقوں کے ہاتھوں خاندان خلجی کا خاتمہ ہوا۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ خلجی ترک تھے۔لیکن خلجی دراصل ایک افغان قبیلے غلجئی سے تعلق رکھتے تھے۔اور یہی غلجئی نام ہندوستان میں خلجی کی صورت اختیار کر گیا۔

علاؤالدین خلجی۔

علاءالدین خلجی کا پیدائشی نام علی گرشاسپ خلجی تھا اور وہ ہندوستان میں خلجی خاندان کے دوسرے سلطان تھے۔وہ خلجی خاندان کے سب سے طاقتور سلطان تھے۔علاءالدین خلجی کے زمانے میں منگولوں کے حملے کا شدید خطرہ تھا اور اس وجہ سے علاء الدین خلجی کو ایک بڑی فوج کی اشد ضرورت تھی۔فوجی اخراجات کو قابو میں رکھنے کے لیے اس نے بازار میں ہر چیز کی قیمت مقرر کردی اور اور اس پر سختی سے عمل کروایا۔اس زمانے کے روپے کو تنکہ کہتے تھے اور وزن کے اعتبار سے ایک تنکہ ایک روپے کے بالکل برابر ہوتا تھا یعنی 96 رتی کا ہوتا تھا۔ایک تنکہ تانبے کے بنے 50 جتال کے برابر ہوتا تھا۔روزمرہ استعمال کی چیزیں سستی ہونے سے لوگ خوشحال ہوگئے اور علاء الدین خلجی کے مرنے کے بعد بھی عرصہ تک اس کے عہد کو یاد کیا کرتے تھے۔علاؤالدین خلجی نے دلال (manmiddle) کا کردار بالکل ختم کردیا تھا اور ذخیرہ اندوزی کی سخت ترین سزا مقرر کی تھی۔جاسوسی کا ایک ایسا نظام مرتب کیا تھا کہ بادشاہ کو منڈی کی خبریں براہ راست پہنچائی جاتی تھیں۔

جلال الدین خلجی۔

خاندان خلجی کا پہلا بادشاہ۔تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ستر سال تھی۔فطرتاً رحم دل تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں بغاوتیں زور پکڑ گئیں۔مغلوں نے بھی حملے کیے لیکن انھیں پسپا کردیا گیا۔کچھ مغل دہلی کے قریب ہی بس گئے اور اس جگہ کا نام مغلپورہ پڑ گیا۔اس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ دیوگری پر حملہ ہے۔اس نے اپنے بھتیجے علاؤالدین خلجی کو، جو اس کا داماد بھی تھا۔صوبہ اودھ میں کڑہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔علاؤالدین نے دکن میں واقع دیوگری کی دولت کا حال سن رکھا تھا۔اس نے 1294 میں دیوگری کے راجا رام چندر پر حملہ کردیا۔راجا نے شکست کھائی اور بہت سا زر و مال اور ایلچ پور کا علاقہ علاؤالدین کے حوالے کرنا پڑا۔علاؤالدین مال و دولت لے کر کڑہ لوٹ گیا۔جب جلال الدین اپنے بھتیجے کی فتح کی خبر سن کر ملاقات کے لیے آیا تو علاؤالدین نے اسے قتل کردیا اور پھر اس کے تمام خاندان کا خاتمہ کرکے خود بادشاہ بن گیا۔

کاشان اکیڈمی
0331-5502551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک ، ایف اے ، آئی کام ، بی اے ، بی کام ، بی ایڈ ، ایم اے ، ایم ایڈ ، ایم ایس سی کی ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے ، ایم ایس سی ، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

سوال نمبر 30۔ ''سلطان محمد تغلق بہت بڑا عالم اور شائستہ انسان تھا'' وضاحت کریں۔

جواب:

محمد بن تغلق: 1325ء سے 1351ء تک کے اس منصوبہ ساز سلطان کی ناکامیوں کو تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ 1345ء میں اس نے خلیفہ سند سلطانی بھی حاصل کر لی۔ تاریخ میں اس سے زیادہ متضاد سلطان اور کوئی نہیں گزرا۔ وہ ایک طرف انتہائی منصف اور باعمل شخص تھا اور دوسری طرف انتہائی سخت اور سفاک حکمران بھی تھا۔ اس پر فلسفے کا اثر ہوا تو ملحد ہو گیا اور مذہبی جذبہ بڑھا تو نماز ترک کرنے والوں کو موت کی سزا دینے لگا۔ اس کے پانچ منصوبوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ اس کے ستائیس سالہ عہد میں بائیس بغاوتیں ہوئیں ان کی بڑی وجوہات سلطان کی سخت مزاجی، منصوبوں کی ناکامی، دارالحکومت کی تبدیلی، علماء اور مشائخ کیلئے سزائیں اور امراء کی ناراضگی تھیں۔ اس کے عہد میں کئی صوبے جلد ہی آزاد ہو گئے اور اسلامی حکومت میں توسیع واستحکام کی بجائے کمزوری اور بدنظمی پیدا ہوئی۔ ایک بغاوت کے دوران 1351ء میں وہ سندھ میں ٹھٹھہ کے قریب انتقال کر گیا۔

محمد بن تغلق کے منصوبے:

دوآب میں ٹیکس: دوآب کی اراضی بہت ہی ذرخیز تھی اور اس کے رہنے والے باغی اور فتنہ پسند تھے۔ سلطان نے ان پر ٹیکس لگا دیئے۔ سلطان علاؤالدین خلجی نے بھی اس سے پہلے دوآب کے ہندوؤں پر بہت ہی بھاری ٹیکس لگائے تھے اور سختی سے سب کچھ وصول کیا تھا۔ محمد تغلق نے اس سے کم مقدار کے ٹیکس لگائے لیکن شومئی قسمت اس وقت دوآب میں قحط پڑ گیا تھا اور سرکاری افسران کو نااندیشی کی وجہ سے ٹیکس وصول کرنے میں بہت زیادہ سختی کی، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنی اراضیاں چھوڑ کر بھاگ گئے اور نواحی جنگلات میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بقیہ لوگوں نے بغاوت کر دی جنہیں سلطان کی فوجوں نے بے رحمی سے دبا دیا۔ کافی دیر کے بعد جب سلطان کو صحیح صورت حال کا پتہ چلا تو اس نے فوراً تمام ٹیکس سوائے شرعی عشر کے سب معاف کر دیئے۔ لوگوں کو قرضے دیئے۔ آب پاشی کے لئے ان کے لئے کنویں کھدوائے اور چھ ماہ تک انہیں کھانا وغیرہ مفت تقسیم کیا۔

(الف) دوسرا دارالحکومت: جنوبی ہندوستان پر قبضہ کرنے کیلئے ضروری تھا کہ دارالحکومت وہاں قائم ہوتا۔ سلطان نے دوسرے دارالحکومت کا منصوبہ بنایا۔ دکنی ریاستوں کو سلطنت میں شامل کرنے کے بعد اس نے دیوگیر (واقع دکن) کو بھی دارالسلطنت قرار دیا اور 1327ء میں ایک فرمان کے ذریعے امراء، علماء اور مشائخ کو وہاں ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس علاقے میں بھی مسلمان اکثریت میں آ جائیں تو اسے شمالی ہندوستان کی طرح ایک مسلم علاقہ بنایا جا سکتا ہے۔ دیوگیر کو اس نے قوت اسلا اسلام کا نام دیا۔ اسے دولت آباد بھی کہا جاتا ہے۔ اس منصوبے سے اسلام کو تو فروغ حاصل ہوا لیکن انہی مسلمان امراء کے ہاتھوں جنوبی علاقہ سلطان کی سلطنت سے نکل گیا۔

(ب) علامتی سکہ: سلطان نے تانبے کے علامتی سکے جاری کئے۔ ان کی قیمت چاندی کے سکوں کے برابر تھی۔ اس کا مقصد چاندی کی کمی کے مسئلے کو حل کرنا تھا۔ لیکن بہت جلد ہندوؤں نے جعلی سکے تیار کرنا شروع کر دیئے۔ چاندی کے سکے تیار کرنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس ناکامی پر سلطان نے تانبے کے سکے واپس لینا شروع کر دیئے لیکن اس کے سامنے جعلی سکوں کا انبار لگ گیا، جس کے بدلے میں چاندی دینے سے خزانہ خالی ہو گیا۔

(ج) محاصل میں اضافہ: دوآبے کا علاقہ نہایت زرخیز تھا چنانچہ سلاطین اس علاقے میں محاصل میں تبدیلیاں کرتے رہتے تھے۔ سلطان نے اچانک وہاں پانچ سے دس فیصد شرح لگان مقرر کر دی۔ اتفاق سے خشک سالی کا دور دورہ تھا چنانچہ زراعت بند ہو گئی اور یہ منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔

(د) خراسان کی فتح: خراسان کو فتح کرنے کیلئے سلطان نے تین لاکھ ستر ہزار سپاہی بھرتی کئے۔ انہیں سال بھر تنخواہ ملتی رہی خراسان کے حالات کے پیش نظر سلطان نے مہم ترک کر دی خزانے پر اس مہم کا بار پڑا۔

(ر) قراجل کی مہم: ہمالیہ کے دامن میں ریاست قراجل' تبت کے ہمسایہ میں ہے۔ سلطان نے اسے سرحدی دفاع کیلئے فتح کرنا چاہا سلطانی لشکر پہاڑوں کے اندر بارش میں گھر گیا اور دشمن نے اسے ختم کر دیا۔ صرف دس آدمی بچ سکے۔

سوال نمبر 531۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔

(1) فیروز تغلق۔

فیروز شاہ تغلق مشہور بادشاہ محمد تغلق کا چچازاد بھائی تھا۔ 1351ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا اور 1388ء تک کامیاب حکومت کی 38 سال تک لگاتار حکومت کرنے کے بعد 1388 میں وہ دنیا سے چل بسا۔

فیروز شاہ تغلق کی حکومت اور واقعات۔

یہ ایسا نرم دل بادشاہ تھا جسے خونریزی بالکل پسند نہیں تھی، اسی لئے وہ صوبے جو محمد تغلق کے زمانے میں آزاد ہو گئے تھے، دوبارہ دہلی حکومت میں شامل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ واقعہ ہے کہ بنگال کو فتح کرنے میں تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اس کا فیروز کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ وہ لاشوں کو دیکھ دیکھ کر بہت رویا اور آئندہ سلطنت کو بڑھانے کیلئے خون خرابہ کرنے سے توبہ کر لی۔ اس نے یہ کوشش کی کہ اس کی حکومت میں جو صوبے ہیں وہاں کے عوام کو زیادہ سے زیادہ راحت و آرام پہنچایا جائے۔ عوام کی خوش حالی اور بہبودی کے لئے جو کام فیروز شاہ تغلق نے کئے ہیں، اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

غیاث الدین تغلق اور فیروز شاہ تغلق جیسے بادشاہ اگران برائیوں سے محفوظ تھے،تو بھی انھوں نے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور سر بلندی کے لیے کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ برصغیر میں مسلمان بادشاہوں کو حکومت کرنے کا بہت طویل موقع میسرّ یا لیکن کسی بادشاہ نے (ایک دو مُستثنیات کے سوا) اسلام کو اس سرزمین میں غالب اور مستحکم کرنے میں دلچسپی نہ لی بلکہ اکثریت جہاد کے مقاصد سے اِعراض کرتے ہوئے محض کشور کشائی اور خزانہ جمع کرنے اور غیر مسلموں کے زیر اثر اسلام کو ضرر پہنچانے والے کام کرتی رہی۔ ان حالات میں قدرت کی طرف سے تیمور اور نادر شاہ نازل ہو کر ان کو سزا دیتے رہے،تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تیمور کے حملے (1398ء) سے پہلے دوسو سالوں میں سلاطین دہلی کیا کیا کرتے رہے اور ان کے ہاتھوں انسانیت کی کیسی تذلیل ہوتی رہی زوال کبھی بغیر وجہ کے نہیں ا? تا،اس کا کوئی وقت بھی طے نہیں ہوتا۔ حکمران اور اقوام جب وہ افعال اعلانیہ انجام دینے لگتے ہیں جو خدائے بزرگ و برتر کو ناپسند ہیں تو وہ اُن کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ راہِ راست پر آ جائیں اور اُس کے بعد دنیا کے لیے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔ تب وہ اپنے دفاع کے قابل رہتے ہیں نہ اپنے ملک اور قوم کے۔ کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ بطور مُشتے از خروارے، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ سلطان التمش نے وفات پائی،تو اس کے بیٹے رکن الدین نے پہلے حکومت سنبھالی، اس کے بعد رضیہ سلطانہ کو موقع ملا۔ تاریخ فرشتہ میں رکن الدین کے بارے میں لکھا ہے:

عیش ونشاط کی طرف متوجہ رہا۔ اس کے دور میں بھی خوبرو ساقیوں اور مطربوں کی قدر ہوتی رہی۔ لطیفہ گو، گویے، غزل خواں اور شراب نوش مصاحب بادشاہ کو پسند تھے۔ مورخ ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں:

’سلطان کی مجلس کے ساقی ہیبت خان کے لڑکے نظام خریطہ دار اور یلدز ساقیوں کے سردار تھے۔ یہ لوگ حسن و جمال اور کرشمہ سازی میں ایسے تھے کہ جو زاہد یا عابد ان کو دیکھتا زنار باندھ لیتا اور اپنی جانماز کو شراب خانے کا بوریا بنا لیتا۔ سلطان کی مجلس کے مطربوں میں محمد شاہ چنگی چنگ بجاتا،فتوحا، فقاعی کی بیٹی اور نصرت خاتون گانا گاتیں ان کی کم عمری اور نسوانی ا? واز سے پرندے ہوا میں سے نیچے اتر آتے۔ سننے والوں کے ہوش اڑ جاتے۔ دل تڑپنے لگتے...'' جلال الدین کو اس کے بھتیجے علاؤالدین نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے دھوکے سے قتل کیا۔ اس سلسلے میں تاریخ فیروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے'' اپنے ولی نعمت کا خون بہانے کی نحوست کی وجہ سے اس (علاؤالدین) نے بے گناہوں کا اتنا خون بہایا کہ فرعون نے بھی نہ بہایا تھا۔'' واقعی علاؤالدین کا انجام اس کی بدکرداریوں کی وجہ سے بہت عبرتناک ہوا۔ علاؤالدین خلجی نے انتہائے تکبر میں اپنا خطاب اسکندر ثانی رکھا۔ اس نے محض جبر کے زور پر ضروری اشیا کی قیمتوں کو بڑھنے سے روکے رکھا۔ ابتدائی چند سالوں میں بہت عیاشیاں کیں اپنے حرم کو ہندوستان کے طول وعرض کی خوبصورت عورتوں سے بھر لیا، یہاں تک کہ ہر سال اس کے تین چار بیٹے پیدا ہوتے تھے۔ ذاتی کردار میں تضادات تھے، ملک نائب کی محبت میں سلطان اندھا بنا رہا۔ یہ شخص سلطان کا مفعول تھا۔ مصنف تاریخ فیروز شاہی نے اس شخص کے بارے میں ''پیش بریدہ پس دریدہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جن کے ترجمے کی ضرورت نہیں۔

طغرل بیگ جو کہ بلبن کا غلام تھا، گورنر بنال تھا۔ دارالخلافہ سے بنگال کا بہت دور ہونا، ذرائع آمدورفت کی قلت اور بنگال کی ملیریا زدہ آب وہوا۔ ان تینوں وجوہات کی رو سے دہلی کا بنگال پر کنٹرول کمزور تھا۔ التمش نے بنگال کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنے بیٹے کو گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔ التمش کے بعد بنگال سلطان کے قبضے سے ہر وقت نکلنے کے لئے کوشش کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ طغرل بیگ نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس نے اپنی خودمختاری اعلان کر دیا۔ خراج بھیجنا بند کر دیا اور اپنی بادشاہی کے سکے بھی جاری کرے شروع کر دیئے اور اپنا خطاب سلطان مغیث الدین مشہور کر دیا۔ ان فتوحات سے سرشار ہو کر طغرل بیگ لکھنوتی تک آ گیا اور آتے ہی فوجوں کا قلع قمع کیا ان پے درپے شکستوں سے سلطان نے خود فوج کی کمان سنبھال لی۔ اور بنگال جا پہنچا۔ بلبن کی آمد سے طغرل بیگ اتنا دہشت زدہ ہوا کہ وہ اپنے دارالخلافہ سے بھاگ گیا لیکن سلطان نے اپنی ایک خاص جنگی چال سے اسے آن لیا۔ طغرل بیگ وہاں سے بھی بھاگ نکلا لیکن بلبن کے کسی سپاہی کے ہتھے چڑھ گیا جس نے اسے فوراً قتل کر دیا ۔سلطان نے اس سپاہی کو طغرل کش کا خطاب دیا۔

1285ء میں سلطان محمد جو کہ بلبن کا چہیتا اور قابل ترین بیٹا تھا منگولوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ صدمہ سلطان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور 1286ء میں سلطان بلبن کی وفات ہوگئی۔

بلبن کے کارہائے نمایاں

بلبن کا چالیس سالہ دور آدھا بطور نائب السلطنت اور آدھا ایک مطلق العنان بادشاہ ہماری تاریخ میں ایک بے مثال واقعہ ہے۔ وہ زمانہ نہایت ہی کشاکش اور آشوب کا دور تھا اور بلبن نے مشکلات کا مقابلہ نہایت ہی جواں مردی سے کیا۔ اس نے سلطان کے عہدے کا وقار اور عب بحال کیا۔ اس کا دربار ایک عظیم الشان دربار تھا، جس میں شان وشوکت انتہا پر ہوتی تھی۔ سلطان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت سنجیدہ مزاج تھا۔ کبھی کسی نے اسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جوانی میں شراب کا شوقین تھا لیکن سلطان بننے کے بعد اس سے مکمل طور پر پرہیز کیا۔ ذاتی زندگی میں سلطان ایک مشفق باپ تھا۔ اپنے وفادار ملازموں کے ساتھ سلطان کا سلوک نہایت ہی اچھا تھا۔ لیکن حکم عدولی کرنے والوں کے لئے نہایت سخت سزا عام طور پر موت ہی نافذ کی جاتی تھی۔ ایک جنگجو اور بہادر شاہ، اعلی پایہ کا سیاست دان تھا۔ اس نے نوزائیدہ مسلم ریاست کو تباہی سے بچایا۔ انہی کارناموں کی وجہ ممکن ہوا کہ علاءالدین خلجی بعد ازاں مغلوں کے سخت ترین حملوں کو دبانے میں کامیاب ہوا۔ 1286ء بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا کیقباد تخت نشین ہوا، جس کی عمر صرف سترہ سال تھی، عیاشی کی لت میں پڑ گیا۔ اس کا وزیر نظام الدین سب کچھ کرتا دھرتا تھا۔ خود سارا وقت اپنی طاقت کو مستحکم بنانے میں گزارتا تھا تاکہ بالآخر تخت پر قبضہ کر سکے۔ اس سے تمام سلطنت میں غیر یقینی کی فضا پھیل گئی۔ اس نے بہت سے مخالفین کو ختم کروایا۔ امراء ترک النسل اور پٹھان (خلجی) تھے، ان کی

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

آپس میں کش مکش رنگ لائی۔ آخرکار جلال الدین خلجی نے کیقباد کو مروادیا اور حکومت پر قبضہ کرلیا۔اس طرح سے خاندان غلاماں کا خاتمہ ہوگیا۔

(2) ظہیرالدین بابر۔

جواب۔

ظہیرالدین محمد بابر (پیدائش: 1483ء- وفات: 1530ء) ہندوستان میں مغل سلطنت کا بانی تھا۔انہیں ماں پیار سے بابر (شیر) کہتی تھی۔اس کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ (ترکستان) کا حاکم تھا۔ باپ کی طرف سے تیمور اور ماں قتلغ نگار خانم کی طرف سے چنگیز خان کی نسل سے تھا۔اس طرح اس کی رگوں میں دو بڑے فاتحین کا خون تھا۔ بارہ برس کا تھا کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ چچا اور ماموں نے شورش برپا کردی جس کی وجہ سے گیارہ برس تک پریشان رہا۔ کبھی تخت پر قابض ہوتا اور کبھی بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہوجاتا۔ بالآخر 1504ء میں بلخ اور کابل کا حاکم بن گیا۔ یہاں سے اس نے ہندوستان کی طرف اپنے مقبوضات کو پھیلانا شروع کیا۔

پہلی جنگ پانی پت: 21 اپریل 1526ء

مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر اور سلطان ابراہیم لودھی شاہ دہلی کے درمیان میں 1526ء میں پانی پت کے میدان میں ہوئی۔ سلطان ابراہیم لودھی کی فوج ایک لاکھ جوانوں پر مشتمل تھی۔ اور بابر کے ساتھ صرف بارہ ہزار آدمی تھے۔ مگر بابر خود ایک تجربہ کار سپہ سالار اور فن حرب سے اچھی طرح واقف تھا۔ سلطان ابراہیم لودھی کی فوج نے زبردست مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ سلطان ابراہیم لودھی اپنے امرا اور فوج میں مقبول نہ تھا۔ وہ ایک شکی مزاج انسان تھا، لاتعداد امرا اس کے ہاتھوں قتل ہوچکے تھے، یہی وجہ ہے کہ دولت خان لودھی حاکم پنجاب نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور مالی و فوجی مدد کا یقین دلایا۔ بابر اور ابراہیم لودھی کا آمنا سامنا ہوا تو لودھی فوج بہت جلد تتر بتر ہوگئی۔ سلطان ابراہیم لودھی مارا گیا اور بابر فاتح رہا۔ پانی پت کی جنگ میں فتح پانے کے بعد بابر نے ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بابر فاتحانہ انداز میں دہلی میں داخل ہوا۔ یہاں اس کا استقبال ابراہیم لودھی کی ماں بوا بیگم نے کیا۔ بابر نے نہایت ادب و احترام سے اسے ماں کا درجہ دیا۔ دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے اندرونی بغاوت کو فرو کیا پھر گوالیار، حصار، ریاست میوات، بنگال اور بہار وغیرہ کو فتح کیا۔اس کی حکومت کابل سے بنگال تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی۔ 26 دسمبر، 1530ء کو آگرہ میں انتقال کیا اور حسب وصیت کابل میں دفن ہوا۔اس کے پڑپوتے جہانگیر نے اس کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنوائی جو بابر باغ کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ سال کی عمر سے مرتے دم تک اس بہادر بادشاہ کے ہاتھ سے تلوار نہ چھٹی اور بالآخر اپنی آئندہ نسل کے لیے ہندوستان میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوا۔ تزک بابری اس کی مشہور تصنیف ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف تلوار کا دھنی تھا، بلکہ قلم کا بھی بادشاہ تھا۔ فارسی اور ترکی زبانوں کا شاعر بھی تھا اور موسیقی سے بھی خاصا شغف تھا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 32۔ سرسید کی تعلیمات کے مسلمانوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ بیان کریں۔

جواب

سرسید احمد خان 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی کے ایک ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سید محمد متقی بڑے ذی علی درویش مزاج اور تارک الدنیا قسم کے آدمی تھے۔ان کے باپ دادا مغل بادشاہوں کے دربار سے منسلک رہ چکے تھے۔خود انہیں بہادر شاہ کی طرف سے جوادالدولہ اور عارف جنگ کے آبائی خطابات حاصل ہوچکے تھے۔اور طب کا علم بھی آپ نے خوب پڑھا۔ آزردہ، غالب اور صہبائی جیسے باکمال ادیبوں کی صحبت نے آپ کی زبان اور ادب کے ذوق کو نکھارنے میں بڑا حصہ لیا۔ 1836ء میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا اور ساتھ ہی شاہی وظیفے بھی بند ہوگئے۔ سرسید کو روزگار کی فکر سے دوچار ہونا پڑا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے صیغہ عدالت سے منسلک ہو کر زندگی کا آغاز کیا اور تین سال کے اندر ہی 1841ء میں عدالتی امتحان پاس کرکے وہ سب جج یا منصف ہوگئے۔ سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ ہی اپنی تحقیق کے شوق کو اُبھارتے رہے اور دہلی کے آثار قدیمہ پر تحقیق شروع کردی اور ''آثار الصنادید'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو آثار قدیمہ کے ماہروں کے نزدیک سند مانی جاتی ہے۔ اور اکثر نقاد تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر سرسید احمد اپنی زندگی میں اور کچھ بھی نہ کرتے تو بھی یہ کتاب انہیں زندہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔

سرسید کا کردار: 1857ء میں آپ بجنور میں سب جج تھے، جب جنگِ آزادی کا آغاز ہوا۔ یہاں آپ نے لاتعداد انگریز مرد اور عورتوں کی جانیں بچائیں، جس کی وجہ سے ان کی اپنی زندگی خطرے میں پڑگئی۔ بڑی مشکل سے بدن کے کپڑوں سے میرٹھ پہنچے۔ اور ٹھان لی کہ انگریزوں اور مسلمانوں کی آپس میں نفرت کو جیسے بھی ہو ختم کیا جائے۔

تعلیمی خدمات: مسلم ہندوستان میں دیگر مسلم ممالک کی طرح تعلیم کا نظام ہمیشہ ہی راسخ العقیدہ علماء کے کنٹرول میں رہا ہے تاکہ وہ مسلم عقائد میں بدعت کا داخلہ روک سکیں۔ اگرچہ علماء بدعات کو کبھی بھی مکمل طور پر روکنے میں کامیاب نہ ہوسکے 1857ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد عوام کی مذہبی حالت بھی گری ہوئی تھی۔ عوام نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام کافی عرصے سے اختیار کیا ہوا تھا، لیکن اس سے اُن کی روحانی حالت میں نمایاں تبدیلی نہ ہوئی۔ ان خوش اعتمادوں کو دیتے اور اُنہیں حصول مقصد کے اسلامی طریقے سے باز رکھتے۔

علی گڑھ کا قیام: 1857ء کی جنگ آزادی ناکام رہی۔اس کے بعد سرسید احمد خان جیسے عظیم قائد کو خدا نے مسلمانوں کی اصلاح و مدد کیلئے منتخب کیا۔ سرسید نے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پورا کرنے کے انتظام کے ساتھ ہی یہ ضروری خیال کیا کہ انگریزوں نے اپنا کتابچہ ''رسل اسباب بغاوت ہند'' تحریر کیا۔اس میں یہ بات

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف، اسائمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے کاشان اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

ثابت کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو باغی اور سرکش کہنا درست نہیں۔ سر سید احمد خان بخوبی جان چکے تھے کہ حکومت مسلمانوں کی تعلیم کا خاطر خواہ انظام نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں خود مسلمانوں کو اقدام کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں علی گڑھ کالج اپمی مدد آپ کی ایک عمدہ مثال ثابت ہوا۔ سر سید ایک اقامتی درس گاہ کا قیام اس لئے بہت ضروری سمجھتے تھے کہ صاف ستھری فضا میں تعلیمی مصروفیات کے ساتھ دوسری سرگرمیوں کا مناسب انتظام ہو، جہاں اساتذہ کی نگرانی میں اعلیٰ معاشرتی اور اخلاقہ اقدار کی تربیت ہو سکے۔

کالج سے یونیورسٹی میں منتقلی: علی گڑھ کالج کا قیام سر سید کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، اس کالج میں کتابی علوم کے ساتھ ساتھ کھیل کود، زائد مطالعے اور مباحثے، نماز کی پابندی اور آداب معاشرت وغیرہ کا خاص اہتمام تھا۔ یہ کالج بعد میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر گیا جسے مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور تعلیم میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔

سر سید احمد خان اور تحریک علی گڑھ: 1857ء کی جنگ آزادی ناکام رہی۔ جس کی وجہ مسلمان ذہنی طور پر بہت مفلوج اور مالی طور پر انتہائی کمزور ہو چکے تھے۔

- اس جنگ آزادی کے نتیجے میں برصغیر پر مسلمانوں کا طویل دور حکومت ختم ہو گیا۔
- انگریز یہاں کے حکمران بن بیٹھے اور انہوں نے ہر طرح کی مزاحمت کو کچل دیا۔
- مسلمانوں کے سینکڑوں اعلیٰ اور شریف خاندان تباہ ہو کر رہ گئے۔
- مسلمانوں کا مروجہ نظام تعلیم درہم برہم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تعلیمی اور تہذیبی مراکز ملیامیٹ ہو گئے۔
- مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند ہو گئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ نہ دی تھی۔ جبکہ دوسری قومیں انگریزی پڑھ کر ہر طرح کی ملازمتیں اور ترقیاں پانے میں کامیاب رہیں۔ اس طرح مسلمان بدحال اور پسماندہ رہ گئے۔
- مذہبی اعتبار سے بھی مسلمان بے راہ ہو رہے تھے۔ ان کیلئے دینی اقدار کا پہلا سا احترام باقی نہ رہا تھا اور وہ بہت سے ہندوانہ طور طریقے اپنا رہے تھے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سر سید احمد خان مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر بے چین ہو گئے انہوں نے اس ساری صورتحال کے جائزے سے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کی سب بیماریوں اور مشکلوں کا حل تعلیم ہے۔ وہ سمجھے تھے کہ جدید تعلیم سے ہی مسلمانوں میں روشن خیالی، عزت کی بحالی، اعلی عہدے اور معاشرت و سیاست میں مناسب مقام و احترام کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقاصد کیلئے محاذوں پر کام کیا اور کئی سطحوں سے جدوجہد کا آغاز کیا۔

سر سید احمد کان نے اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے، پھر انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح و بیداری کیلئے عظیم کام کے لئے جو عملی کاوش شروع کی تھی، وہ ایک وسیع اور مؤثر تحریک بن کر ابھری۔ جس میں ملک کی بڑی بڑی شخصیتیں دل و جان سے شریک تھیں۔ علی گڑھ تحریک بنیادی طور پر ایک اصلاحی، تعلیمی تحریک تھی لیکنجد و جہد کے مختلف مراحل میں اس کے کئی پہلو بھی ابھر کر سامنے آئے۔ اس تحریک کی دینی، معاشرتی اور ادبی و سیاسی اثرات بڑے زور رس نتائج کے حامل ثابت ہوئے۔

''جب سر سید احمد خان نے اپنی قومی زندگی کا آغاز کیا، اس وقت مسلمان بکھرے ہوئے تھے۔ تعلیمی، معاشی و معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے ذلیل ہو رہے تھے۔ ان کا کوئی مرکز نہ تھا، کوئی لائحہ عمل نہ تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح تالاب میں کھڑا ہوا پانی آئے دن زیادہ بدبودار ہوتا جاتا ہے اسی طرح مسلمان بھی بگڑتے جاتے تھے۔ سر سید احمد خان کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ مسلمان کی ایک خصوصیت ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی دل نشین لیکن قابل عمل اور ٹھوس مطمع نظر رکھا جاتا ہے تو وہ اس کیلئے بڑے جوش اور بڑی مستعدی سے آگے بڑھتے ہیں۔ سر سید احمد خان نے قوم کے سامنے علی گڑھ کالج کا خواب پیش کیا اور قوم نے اس خواب کو پورا کرنے کیلئے سر سید کا ساتھ دیا۔ قوم کے بہترین دماغوں اور قابل ترین فرزندوں حالی، محسن الملک، شبلی، نذیر احمد، ذکاء اللہ سب نے سر سید کی صدا پر لبیک کہا اور قوم کے اندر نئی زندگی پیدا ہو گئی''۔

تحریک اِحیاء العلوم: مسلمانوں کی اصلاح کے لئے سر سید احمد خان نے ''تہذیب الاخلاق''، نام کا رسالہ جاری کیا اور اس کی مدد سے مجلسی اصلاحات کا بیڑہ اٹھایا۔ مذہب اور مجلسی حالات حالات پر سر سید کے خیالات آزاد نہ تھے۔ وہ فی الفور تبدیلیوں کے قابل نہ تھے، جن کی وجہ سے عوام الناس میں بحران پھیل سکنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ سر سید کے مطابق اسلام ایسا مذہب ہے جس میں عقلی یا استدلالی رنگ بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے تحریک احیاءلعلوم کی بنیاد رکھی تا کہ اپنی حفاظت علم کی قوت سے کر سکیں۔ اس طرح علی گڑھ نے وہ حیثیت حاصل کر لی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تمام اُمیدیں اور اُمنگیں اسی سے وابستہ ہو گئیں۔ نصب العین وہی رہا، جو ہمیشہ سے مسلمانوں کا رہا صرف طریقہ کار بدل گیا۔

دار العلوم علی گڑھ کے نشانِ امتیاز (Insignia) میں کھجور رکھی گئی (کیونکہ اس پھل پر کبھی دورِ خزاں نہیں آتا)۔ دار العلوم علی گڑھ کے طلبا کی یونیفارم وہی ہو وہی ہوئی جو امیر المومنین (ترکی) کا لباس تھا تا کہ مسلمان یہ سمجھتے رہیں کہ انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی حکمت عملی کے باوجود مسلمانانِ ہند عالمگیر مسلم برادری کے جزو ہیں۔ بقول سر سید مسلمانوں کی سلامتی اسی مین ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے میں علوم مغربی اور سر پر لا الہ الا اللہ کا تاج ہو۔

رسالہ تہذیب الاخلاق:

مسلمان قوم کی بہبود کے لئے اور تحریک احیاء العلوم کو مزید قوت محترکہ بخشنے کے لئے سر سید احمد خان نے 24 دسمبر 1870ء میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

کیا۔سرسید کے نزدیک رسم ورواج کی اندھا دھند تقلید ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔اس رسالے کا مقصد لوگوں کو وہم پرستی سے بچانا اوران کے برے نتائج سے آگاہ کرنا تھا۔دوم ملت کی بہتری کے لئے نت نئی تجویزیں سوچنا اور کھلم کھلا بحث کی دعوت دینا تا کہ انہیں مزید بہتر بنایا جا سکے۔سوم اپنی بات شگفتہ الفاظ میں بیان کرنا تا کہ مادری زبان ترقی کر سکے۔

مختصراً تہذیب الاخلاق کے اہم مقاصد فرد کے اخلاق کی اصلاح وتکمیل اور شائستگی اور قومی عزت کا احساس ہونا۔قومی کو جدید ترقیات کی طرف راغب کرنا۔علمی نقطہ نظر کی اصلاح، دینی زاویہ کی اصلاح، ادب وانشاء کے لئے ذوق پیدا کرنا، اردو زبان کی قومی حیات اور اجتماعی افکار کا ترجمان بنانا وغیرہ تھے۔

تہذیب الاخلاق میں سرسید کے بعد سب سے زیادہ لکھنے والے بزرگ محسن الملک ہی تھے۔ان کے مضامین میں مغربی علمیت پائی جاتی ہے۔ان کے پاس ادیب کا قلم اور فلسفی کا ذہن تھا وہ معمولی موضوعات کو اپنے فلسفیانہ تجربے سے کچھ کا کچھ بنا دیتے تھے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس: سرسید احمد خان کے عظیم کارناموں میں ایک آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بھی ہے۔اس کانفرنس کا مقصد مسلمانوں کی تعلیمی کاوشوں کو تیز کرنا تھا۔اس کانفرنس کا پہلا اجلاس 27 دسمبر 1886ء میں علی گڑھ میں ہوا۔سرسید کی زندگی میں اس کانفرنس کے کل گیارہ اجلاس وقتاً فوقتاً ہوئے۔اس کانفرنس کے مفید نتائج سرسید نے خود اپنی زندگی میں ہی دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔اس کانفرنس نے مسلمانوں کو تعلیم کے لئے آبِ حیات کا کام دیا۔کانفرنس کی کوششوں سے مختلف مقامات پر سکول قائم ہوئے پنجاب میں انجمن حمایت اسلام کی تعلیمی کاوشیں بھی اسی کانفرنس کی مرہونِ منت ہیں۔علی گڑھ میں خواتین کے لئے ایک کالج قائم ہوا۔کانفرنس کی کاوشوں سے 1903ء میں دہلی میں ایک شعبہ اُردو قائم ہوا۔جس کے پہلے سیکرٹری مولانا شبلی نعمانی تھے،جن کی زیرِ قیادت قابلِ قدر کتابیں شائع ہوئیں۔

سرسید ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کے خواہاں تھے۔وہ ان دونوں کو ایک دلہن کی دو آنکھیں سمجھتے تھے۔ان کے ہندو احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا۔جس کے ساتھ انہوں نے عام لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کیا تھا۔سرسید نے سائنٹیفک سوسائٹی جن مقاصد کے لئے قائم کی،اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ اُردو کو ترقی دے کر علمی کتابوں کی تالیف اور تراجم کئے اور اُردو ڈکشنریاں بنانے کا کام خود سرسید نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

جب 1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس ظہور میں آئی تو سرسید نے شروع میں ہی ایسا رویہ اختیار کیا کہ مسلمان اس سے پُرے رہیں۔انگریزوں کے بعد ہندوستان ہندوؤں کی اکثریت حکومت کی حقدار ہوگی جو کہ مسلمانوں کے لئے زہرِ قابل ہوگی۔کانگریس کا ساتھ دینا مسلمانوں کے گلے پر چھری پھیرنے کے مترادف ہے۔سول سروس میں داخلے کے امتحان مقابلہ کی سرسید نے شدید مخالفت کی۔ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمان اور پارسی جیسی مختلف قومیں آباد ہیں اور یہ لیاقت، تعلیم اور دولت کے لحاظ سے برابر نہیں ہیں۔اگر سول سروس کی ملازمتیں مقابلہ کے امتحان کے ذریعہ سے بھری گئیں تو جو قوم پسماندہ ہے نقصان میں رہے گی۔یعنی مسلمان گھاٹے میں رہیں گے۔

مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی گئی۔اس کا کام مسلمانوں کے حقوق کے انگریزی حکومت کے سامنے ترجمانی کرنا تھا اور عوامی ایجی ٹیشن کو روکنا تھا جو کہ حکومت کے برخلاف ہو۔تحریک علی گڑھ جس کے وہ بانی تھی وہ قوم کو عین اسی سمت لے گئی اور ایک قدم کے بعد دوسرا قدم اٹھا۔جداگانہ سیاسی ،پھر جداگانہ قومیت جو کہ بالآخر تحریکِ پاکستان کا پیشرو بنی۔بقول بابائے اُردو مولوی عبدالحق]'اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ قصرِ پاکستان کی بنیاد میں سب سے پہلی اینٹ اسی پیرومرشد سرسید احمد خان) کے مبارک ہاتھوں میں رکھی'' سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی تعلیمی بنیادیں اتنی استوار کیں کہ وہ پاکستان بنانے کے قابل ہوگئے۔اس طرح سے ان کے معاصر سید امیر علی نے اپنے آپ کو مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں حصہ دلانے کے لئے وقف کیا۔

سوال نمبر 33۔ پاکستان میں شامل موجودہ علاقوں کے سیاسی حالات کا تفصیلی جائزہ لیں۔

جواب۔

پاکستان میں شامل موجودہ علاقوں کے سماجی حالات:

1۔ پنجاب وسرحد کے سماجی حالات:

رہائش: زیرِ نظر دور میں شہر تو معدودے چند ہی تھے جیسے لاہور، ملتان، پشاور اور ان میں زیادہ تر وہی لوگ رہتے تھے جو سرکاری ملازم تھے یا کاروبار کرتے تھے۔آبادی کا نوے فیصدی سے زیادہ حصہ دیہات میں رہتا تھا، جہاں مکان کچے ہوتے تھے لیکن اس وقت دیہات خود کفیل تھے اور اپنی ضروریات کی چیزیں خود ہی پیدا کرتے تھے۔

لباس: مرد عام طور پر دھوتی اور قمیض پہنتے تھے۔عورتیں بھی اکثر یہی لباس استعمال کرتی تھی۔یہ لباس عموماً سوت کا بنایا جاتا تھا اور دیہات میں ہی تیار ہوتا تھا۔مردانہ لباس عموماً گاڑھے کا ہوتا تھا اور زنانہ پھول دار۔عورتیں چادر یا پھلکاریاں بھی اوڑھتی تھیں،البتہ سرحد کے مرد اور عورتیں دونوں عموماً شلوار قمیض پہنتے تھے۔

ختنہ: ہر بچے کی پیدائش پر عقیقے کی رسم ادا کی جاتی تھی اور ساری برادری کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔شرع کے مطابق بچے کے لیے دو بکرے اور بچی کے لیے ایک بکرا قربان کیا جاتا تھا۔

عقیقہ: ہر بچے کی پیداء پر عقیقے کی رسم ادا کی جاتی تھی اور ساری برادری کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔شرع کے مطابق بچے کے لیے دو بکرے اور بچی کے لیے ایک بکرا قربان کیا جاتا تھا۔

شادی بیاہ: اس رسم میں مختلف النوع سرگرمیاں کی جاتی تھیں۔پہلے منگنی ہوتی تھی۔اس کے بعد ہر تہوار پر تحائف بھیجے جاتے تھے۔شادی کی تاریخ کا تعین کرنے کے

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ,گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

بعد لڑکی کو مایوں بٹھایا جاتا تھا۔ پھر مہندی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اس کے بعد نکاح ہوتا تھا۔ لڑکے والے ولیمہ کرتے تھے۔ شادی بہت دھوم دھام سے کی جاتی تھی خواہ اس کے لئے قرض لینا پڑے۔ سرحدی علاقوں میں شادی بیاہ کے موقع پر اظہار فائرنگ کر کے کیا جاتا تھا جبکہ میدانی علاقوں میں آتشبازی وغیرہ چھوڑی جاتی تھی۔

پیشے: اکثر آبادی کا تعلق زراعت سے تھا جبکہ شہری لوگ ملازمت اور کاروبار کرتے تھے۔ زراعت کے علاوہ معماری، نجاری، آہنگری، راج گیری وغیرہ بھی بہت سے لوگوں کے پیشے تھے۔

لوگ: لوگ زیادہ تر کاشت کار تھے لیکن ان کے علاوہ دیہات میں لوہار، ترکھان، معمار، جولاہا، موچی، حجام، دھوبی، چمار وغیرہ بھی موجود تھے جو معاشرے کے بہت اہم اور بنیادی کام انجام دیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود کمین یعنی گھٹیا سمجھے جاتے تھے۔

2۔ کشمیر کے سماجی حالات: کشمیر کے ہر محنت کش کے ہاتھ جب تک کام کرتے تو اس کے ہونٹ گنگناتے، یہی کشمیریوں کی زندگی کا انداز اور اسی کا پرتو ان کے رسم و رواج پر تھا۔ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور اس لئے ان کے ہاں سب سے زیادہ وہ رسمیں رائج ہوئیں جو اسلامی نظام حیات کی دین تھیں۔ بچے کی پیدائش، چھٹی، عقیقہ اور ختنہ کی رسمیں قریب قریب وہی طریق اپنائے ہوئے تھیں جو پاکستان کے موجودہ صوبوں میں رائج تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ کشمیری اپنے ہاں کے ماحول کے مطابق اس کی جزئیات میں کمی بیشی کر لیتے تھے اور اس میں مقامی رنگ پیدا ہو جاتا تھا۔ اس سلسلے میں نمکین چائے اور تنبول یعنی تحفے تحائف کی خاص گرم بازاری رہتی تھی۔ بچے کی پیدائش ہو یا اس کا عقیقہ یا زِرکاستہ کی تقریب جس میں بچے کے پیدائشی بال کاٹے جاتے تھے۔ نمکین چائے اور تنبول اس کے لازمی اجزاء سمجھے جاتے تھے۔ شادی کی رسم بہت سی رسموں کا مجموعہ تھی۔ ان میں قابلِ ذکر منیزرات یعنی دلہن کی حنابندی کی رات اور وہ دعوت تھی جو دلہن کے ہاں براتیوں کو ایک بڑے اہتمام، بڑے وقار اور کامل سکوت میں دی ہوتی تھی۔ ان دعوتوں کا سب سے آخری جزو کشمیریوں کی لذیز غذا گوشتابہ ہوتا تھا۔ کشمیر کی عام خوراک چاول، ہاک (ساگ)، اور مچھلی تھی۔

کشمیر میں زیادہ تر آبادی دیہاتوں پر ہی مشتمل تھی اور سب سے اہم پیشہ زراعت تھا۔ بعض علاقوں میں کاشتکار اور زمیندار بھیڑیں پالتے اور ان کی اون سے شال، لوئیاں اور دیگر گرم پارچات تیار ہوتے تھے۔ دیگر صنعتوں میں شامل تھیں۔ کھڈیوں پر ریشمی کپڑا بننا، قالین بافی، گبر سازی، نمدہ سازی، اخروٹ کی لکڑی کا کام اور پیپر وغیرہ۔ کشمیر کی آبادی کا بیشتر حصہ ایک لمبا سا کرتہ پہنتا تھا جسے فرِن یا پھرن کہتے تھے، جس کی لمبائی ٹخنوں تک ہوتی تھی۔ سیوے کشمیر کا قومی لباس چہرے پر مقطع داڑھی، سر پر گول پگڑی، جسم پر ایک ڈھیلا ڈھالا فرغل، ٹانگوں میں شرعی یا چوڑی دار پاجامہ اور کاندھے پہ اونی یا سوتی چادر بن گیا تھا۔ مسلمان خواتین اپنے سر پر پگڑی کی طرح ایک گول رومال باندھا کرتی تھیں جو قصابہ کہلاتی تھی اور قصابہ کے اوپر والی اوڑھنی کو پوچی کہا جاتا تھا۔

3۔ سندھ کے رسم و رواج:

رہائش: زیادہ تر لوگ دیہاتوں میں رہتے تھے جو ہر لحاظ سے خود کفیل تھے۔ صرف تھوڑی سی آبادی ٹھٹھہ، حیدر آباد وغیرہ کے شہروں میں آباد تھی جو حکومتوں کے صدر مقام تھے۔

لباس: دیہاتی لوگ شلوار قمیض پہنتے تھے۔ سر پر ٹوپی کا عام رواج تھا۔ یہ ٹوپی مختلف رنگوں کے دھاگوں اور جڑے ہوئے شیشوں سے بنائی جاتی تھی۔ مردوں کے کندھوں پر اجرک ہوتی تھی۔ عورتوں کا لباس بھی شلوار قمیض پر مشتمل تھا۔ وہ سر پر دوپٹہ اوڑھتی تھیں۔

پیشہ: زیادہ تر لوگ کاشتکار تھے۔ چاول یہاں کی اہم ترین فصل تھی۔ شہری لوگ ملازمت اور کاروبار کرتے تھے۔

شادی بیاہ: جب کسی لڑکی کو پسند کر لیا جاتا تھا تو بڑے بوڑھے منگنی کے لیے جاتے تھے۔ جب شادی کی تاریخ رکھی جاتی تھی تو لڑکی کو الگ کمرے میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ اس رسم کو "ونواہ" کہا جاتا تھا۔ شادی کی تاریخ عام طور پر ایک ہفتہ بعد کی ہوتی تھی۔ جس کے دوران لڑکی الگ بیٹھی رہتی تھی۔

ماتم: اگر کسی کا عزیز فوت ہو جاتا تو تین دن تک اس گھر میں چولہا نہیں جلایا جاتا تھا اور دوسرے عزیز کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتے تھے۔ سوم اور چہلم وغیرہ جیسی رسوم ادا نہیں کی جاتی تھی۔

ختنہ: بچے کی پیدائش کے بعد تین سال کی عمر تک عام طور پر ختنہ کرا دیا جاتا تھا۔

میڑھ: کسی تنازعے کو حل کرنے کیلئے لوگ کسی بزرگ کی معیشت میں اکھٹے ہو کر قرآن پاک ساتھ لے کر جاتے تھے۔ میڑھ کو نا کام واپس کرنا اس کی بے عزتی تصور کیا جاتا تھا۔ سندھی معاشرہ بنیادی طور پر زرعی معاشرہ ہونے کی وجہ سے خود کفیل تھا اور کافی حد تک پنجاب کے معاشرے سے ملتا جلتا تھا۔ شادی بیاہ کی رسموں میں اسراف سے کام لیا جاتا تھا۔ سندھ میں گندم اور چاول کے علاوہ کھجور بافراط پیدا ہوتی تھی۔

4۔ بلوچستان کے سماجی حالات:

منگنی: بڑی بوڑھیاں جب کسی لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں تو خاندان کے سربراہ لڑکی کے والدین کو اطلاع دے کر ان کر گھر جاتے تھے اور منگنی کی شرائط طے کر لیتے تھے۔

شادی بیاہ: لڑکے کے خاندان سے ایک معزز شخص لڑکی والوں کے پاس جا کر ان سے شادی کی تاریخ ٹھہرا لیتا تھا۔ اس کے بعد شادی کی تیاریاں شروع ہوتی تھیں۔ لب و پرداچ لڑکی کی تیاریاں شروع ہوتی تھیں۔ لب و پرداچ لڑکی والوں کو پہنچا جاتا تھا۔ لڑکی والوں کی طرف سے صرف عورتیں خوشی مناتی اور گیت گاتی ہیں۔ مرد سنجیدہ اور

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس، گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

خاموش رہتے تھے۔ البتہ لڑکے والے اپنی استطاعت کے مطابق خوشیاں مناتے تھے۔

سنت: اسلامی شریعت کے مطابق لڑکوں کا ختنہ کیا جاتا، جسے بلوچی میں سنت یا چل بری کہتے تھے۔ ختنے کی رسم حیثیت کے مطابق بڑی دھوم دھام سے کی جاتی تھی۔

میٹرھ: فریق مخالف کے گھر معافی مانگنے اور تصفیہ کی درخواست کرنے کیلئے چند مخصوص آدمیوں کے بھیجنے کو میٹرھ کہتے ہیں۔

ماتم: مردے کو دفن کرنے کے بعد بلوچ کئی دن تک ماتم کرتے تھے۔ مرد ایک طرف بیٹھ کر فاتحہ قرآنی کرتے، عورتیں گھر میں نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ نوحہ خوانی کرنے والی خاص عورتوں کو دور دور سے بلایا جاتا تھا۔

خون بہا: بلوچستان میں کسی شخص کے رتبے کے مطابق خون بہا لیا جاتا تھا جو تین سو روپے سے لے کر ایک لاکھ تک ہوتا تھا۔

مہمان نوازی: بلوچ فطرتاً مہمان نواز تھے۔ غریب سے غریب بلوچ بھی اپنے گھر آئے ہوئے مہمان کو پیٹ بھر اچھا کھانا کھلاتا تھا۔ مہمان خانہ بلوچی کے ہر گاؤں کا لازمی حصہ تھا اور صاحب استطاعت لوگ اپنے اپنے مہمان خانے الگ بھی بنواتے تھے۔

باہوٹ: اس کے معنی ہیں کسی شخص یا اشخاص کو اس کے یا ان کے دشمنوں سے اپنی حفاظت میں لے کر پناہ دینا۔ بلوچ اس پر اس شدت سے کاربند تھے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

پوشاک: پہلے زمانے کے بلوچ بیس سے چالیس گز گھیر کی شلوار پہنتے تھے۔ قمیض کی آستین ہاتھ کے پہنچوں سے بھی فٹ بھر لمبی ہوتی تھی۔ عورتوں کا لباس ایک لمبا فراک نما جامگ ہوتا تھا۔ مرد خاص انداز میں پگڑی باندھتے تھے۔

کاشان اکیڈمی

رہائش: دور زیر تبصرہ میں بلوچ خانہ بدوش تھے۔ موسم کے مطابق زمین پر چلتے پھرتے رہتے تھے۔ جہاں پانی اور سبزہ ہوتا وہیں اپنے ڈیرے ڈال لیتے تھے۔

سیاہ کاری: بلوچ ننگ و ناموس کے معاملے میں بہت حساس تھے اسی لئے وہ سیاہ کاری پر بہت سخت اقدام کرتے تھے۔ سیاہ کاری کسی مرد اور عورت کے درمیان ناجائز تعلقات کو کہتے ہیں۔ اس جرم کی سزا مرد اور عورت دونوں کے لئے موت تھی۔ بلوچستانی سماج قبائلی تھا جس میں سردار اور قبائلی کے درمیان وڈیرے اور معتبر یا ٹھکری اور کماش آتے تھے، گویا سماج میں مساوات نہ تھی لیکن اچھا سردار وہی سمجھا جاتا تھا جو قبائلی اقدار و اطوار کا پابند ہو، اپنے قبائلیوں کی عزت و ناموس کا محافظ ہو اور انہیں ان کی سطح پر رہ کر ملتا ہو۔ اقدار و اطوار کا ایک نمایاں پہلو انتقام جوئی تھا۔ اور یہ اس حد تک بڑھی ہوتی تھی کہ اس کا تاریخی مقابل و مماثل بلکہ اس کا ہیولے دور جاہلیت کے عربوں کی رسم ثار تھی۔ جس کے تحت انتقام نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا رہتا تھا تاوقتیکہ یہ پورا ہو جائے۔ کچھ یقیناً مثبت اقدار تھیں جیسے مذکورہ بالا کوٹ یا سید یا بڑی بوڑھی کی مداخلت پر لڑائی فوراً بند کر دینا یا کم از کم اسے چادر دے کر عزت سے رخصت کر دینا، اگر دشمن کسی زیارت میں داخل ہو جاتے تو اس پر وار نہ کرنا، بصورت لڑائی بچوں، عورتوں اور ہندوؤں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ یہ اقدار دراصل قبائل کی صدیوں کی باہمی زندگی، جدوجہد، جنگ و جدل اور نقل مکانی و نقل وطنی کا نچوڑ تھیں۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 34۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں سندھ اور بلوچستان کے کردار کا تفصیلی جائزہ لیں۔

جواب۔

بلوچستان کا کردار۔

ہندوستان میں انگریز تسلط کے خلاف نفرت اور تشدد کا جوز بردست طوفان اٹھا، اس کی صدائے بازگشت موجودہ پاکستان کے گوشے گوشے میں بھی سنائی دی اور بلوچستان میں واقع قلات اور بالائی سندھ میں جیکب آباد اور شکار پور ایسے دور افتادہ مقامات بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ انگریز اس مسلح جدوجہد آزادی کے آغاز سے تقریباً پندرہ برس قبل سندھ پر قابض ہوئے تھے اور ان کو وہاں پر صورت حال کے قابو میں رہنے کا اس قدر اطمینان تھا کہ ملتان میں شورش کی اطلاع ملی تو انہوں نے سندھ کی قوی ترین رجمنٹ فرسٹ فیوزلیر کو بلا تامل کمک کے طور پر وہاں ارسال کر دیا۔ اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ خود سندھ میں بھی تشویشناک افواہیں گردش کرنے لگیں اور سندھ کی فرنگی انتظامیہ جواب تک مصلحت بینی سے کام لیتے ہوئے اس نازک موضوع پر کھلے بندوں اظہار خیال کرنے سے اجتناب کر رہی تھی، بالآخر جولائی کے مہینے میں اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی کہ باغی عناصر سندھ کے اندر بھی رخنہ ڈال چکے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت افراتفری پھیلا سکتے ہیں۔ اسی اثناء میں سندھ میں تعینات فوج کے بنگالی دستوں سے بہت سے سپاہی نہ صرف روپوش ہو گئے بلکہ صوبے کے مختلف علاقوں میں والی اپنی اراضی کی ضبطی اور مؤخر الذکر نے ایک ہزار روپیہ سالانہ سرکاری وظیفہ پر پابندی کی صورت میں ادا کی۔ ان کی انگریز دشمنی کے سلسلے میں اس جسارت کی سزا اُن کے بعد ان کی اولادیں بھی بدستور بھگتتی رہیں۔

جہاں تک تشدد آمیز واقعات کا تعلق ہے، ستمبر کا مہینہ سندھ میں انگریزوں کیلئے بالخصوص بھاری ثابت ہوا۔ 8 ستمبر کو حیدر آباد کے مقام پر گولہ اندازوں کی طرف سے متوقع گڑ بڑ کے ایک منصوبے کا انکشاف ہوا۔ جس کے مطابق باغی سرکاری خزانے، قلعہ اور توپوں پر قبضہ جما کر انگریزوں کو تہ تیغ کرنے، ان کی املاک کو لوٹنے اور ان کے بنگلوں کو نذر آتش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ سازش کا بھید کھلنے کی دیر تھی کہ فرنگیوں نے تمام مشتبہ عناصر کو غیر مسلح کر دیا اور خود وافر مقدار میں سامانِ رسد و خزانہ اور اسلحہ و بارود لے کر قلعہ کے اندر منتقل ہو گئے۔ کراچی میں بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ 13 ستمبر کو اطلاع ملی کہ رام دین پانڈے نامی ایک حوالدار نے 21 ویں دیسی انفنٹری کے دو افسروں کو یہ کہہ کر بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ تم لوگ کب تک اس بات کے منتظر رہو گے کہ انگریز ہندوستان کے دیگر فوجیوں کی طرح ہمیں بھی توپوں سے باندھ کر اڑا دے۔ رام دین پانڈے نے ان افسروں کو یہ بھی بتایا کہ اسی شب دو بجے پوری رجمنٹ بغاوت کر دے گی اور جس دیسی افسر نے راستہ روکنے کی کوشش کی اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا اور مجاہدین ہتھیار اور خزانہ لے کر دہلی کی جانب پیش قدمی کر جائیں گے۔ اس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ایک شخص کو 14 ویں دیسی انفنٹری

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

کو اسی قسم کے اقدام پر آمادہ کرنے اور دوسرے کو مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے کیلئے شہر بھیجا جا چکا ہے اور ان دونوں جگہوں سے خاطر خواہ جواب ملنے کی قوی امید ہے۔ اس خبر کے ملتے ہی انگریزوں نے خزانے پر فی الفور فرنگی گارڈ متعین کر دیں اور تحقیقات پر وقت تلف کرنے کے بجائے 21 ویں دیسی انفنٹری سے سب ہتھیار واپس لے لیے۔ جب حاضری لی گئی اور ہتھیاروں کی پڑتال ہوئی تو 27 آدمی کم پائے گئے، 13 توڑے دار بندوقیں بھری ہوئی ملیں اور ایک سپاہی کی تھیلی سے بارود برآمد ہوا۔ 10 مفرورین بعد میں پکڑے گئے، سات کو پھانسی دے دی گئی اور تین کو توپ سے باندھ کر اڑا دیا گیا۔ باقی سپاہیوں کی تلاشی بھی جاری رہی۔ ان میں سے نو جام آف بیلہ تک رسائی کی ناکام کوشش کرتے ہوئے صوبیدار الہ یار خان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ مفرورین کی بازیابی کے سلسلے میں اپنی انتظامیہ کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے سندھ کے کمشنر نے 21 ستمبر کو بمبئی کے گورنر کو اطلاع دی کہ 31 باغیوں میں سے 24 اب تک زندہ ہاتھ آ چکے ہیں۔ ان میں سے سترہ کو پھانسی دے دی گئی ہے، ایک کالے پانی بھیجا جا چکا ہے، تین پر مقدمہ چلنا باقی ہے، تین مقابلہ کرتے ہوئے پولیس کے ہاتھوں مارے گئے، تین مزید تعاقب کرتے ہوئے گرفتار کر لیے گئے ہیں، باقی چار کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

بالائی سندھ میں انگریزوں کے خلاف سرگرم عمل مقامی سرداروں میں سے جکرانی قبیلہ کے سربراہ دریا خان نے شکارپور میں تعینات ہندوستانی دستوں کے ساتھ ساز باز کر کے علم بغاوت بلند کیا لیکن 21 ستمبر کو انگریزوں نے بروقت اقدام کر کے دریا خان کو جیکب آباد میں حراست میں لے لیا اور اسی طرح شکارپور میں متاثرہ دستوں کو بھی نہتے کر کے قابو میں لے لیا گیا۔ دریا خان کو گرفتار کر کے سکھر کے راستے کراچی لایا گیا تاکہ مناسب انتظامات مکمل ہونے پر اسے حمد نگر یا ہندوستان کے کسی اور دور افتادہ مقام پر قید بھگتنے کیلئے منتقل کیا جا سکے۔ دریا خان کی گرفتاری ہی کے دن یعنی 21 ستمبر کو موچ (Moch) میں تعینات راتل کیولری کے بیس سواروں نے بھی اپنے افسروں پر گولی چلا دی اور خود شاہ پور کی جانب بھاگ گئے۔ تعاقب کے دوران ان میں سے دو افراد مارے گئے۔

گلشن اکیڈمی

سندھ کی جدوجہد۔

0334-5504551

برصغیر پاک و ہند کے وہ علاقے جن پر آج پاکستان کی آزاد مسلم سلطنت قائم ہے۔ نااہل مغل حکمران کے دور حکومت میں احمد شاہ ابدالی اور اس کے جانشینوں کی ماتحتی میں چلے گئے۔ چالیس برس کے قریب ان علاقوں کے لئے انہی کی طرف سے گورنر مقرر ہو کر آتے رہے جس کے بعد سندھ کے شمالی علاقوں کے مقامی جاگیردار خود مختار بن بیٹھے۔ ان کے بعد جنوبی سندھ کے رئیسوں نے سر اٹھایا اور وہ بھی خود مختار ہو گئے۔ سرکش اور خود مختار سرداروں میں سندھی، بلوچی، مغل اور سید وغیرہ شامل تھے لیکن زیادہ شہرت کلہوڑا، داؤد پوتہ تالپور خاندانوں کے حصے میں آئی۔ سندھ مغل صوبے کی بجائے آزاد اور خود مختار ریاستوں میں بٹ گیا۔ 1736ء میں سندھ میں مغل حکومت کا آخری گورنر صادق علی خان اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد صوبہ میاں نور محمد کے تصرف میں آ گیا۔ اس کا تعلق کلہوڑا خاندان سے تھا۔ 1782ء تک کلہوڑا خاندان کسی نہ کسی صورت میں سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور تالپور خاندان کا اقتدار قائم ہو گیا۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

تالپور خاندان کے بزرگ سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں بلوچستان آئے تھے۔ ان کا جد امجد کا نام ''ٹالہ'' اور حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب کی اولاد میں بتایا جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ممکن ہے ٹالہ، طلحہ کی بگڑی ہوئی صورت ہو۔ سندھ میں آنے کے بعد ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر اس علاقے کے طول و عرض میں ان کی متعدد بستیاں آباد ہو گئیں۔ تالپوروں کی یہی کثرت ان کی قوت کی بنیاد بنی اور آخر کار ان کی تعین سرداروں نے 1843ء تک سندھ پر ''میران سندھ'' کے عنوان سے اپنی حکومت قائم رکھی۔ ان تینوں کے صدر مقام حیدرآباد میرپور خاص اور خیرپور تھے۔

''فروری 1843ء میں سندھ، برطانوی فرمانروائی میں شامل ہو گیا''۔

تالپور خاندان کے حکمران آپ کی لڑائیوں میں الجھے رہے۔ جن کی بنا پر ان کی قوت میں کمی آ گئی اور یوں انگریزوں کو سندھ میں در آنے کا موقع ملا۔ 1843ء میں انگریزوں نے سارے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ البتہ خیرپور کے تالپور سردار کا مختصر سا علاقہ دیسی ریاست کی صورت میں بچ گیا۔ کیونکہ اس نے اپنے بھائیوں سے ناطہ توڑ کر انگریزوں سے جوڑ لیا تھا۔ اور ان سے جنگ آزمائی کے بجائے ان کی بالادستی کو تسلیم کر دیا۔

سوال نمبر 355۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔

(1) رسالہ تہذیب الاخلاق

جواب۔

رسالہ تہذیب الاخلاق: مسلمان قوم کی بہبود کیلئے اور تحریک احیاء العلوم کو مزید قوت محرکہ بخشنے کیلئے سر سید احمد خان نے 24 دسمبر 1870ء میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ سر سید احمد خان کے نزدیک رسم و رواج کی اندھا دھند تقلید ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ اس رسالے کا مقصد لوگوں کو وہم پرستی سے بچانا اور ان کے برے نتائج سے آگاہ کرنا تھا۔ دوم ملت کی بہتری کیلئے نئی تجویزیں سوچنا اور کھلم کھلا بحث کی وعدت دینا تاکہ انہیں مزید بہتر بنایا جا سکے۔ سوم اپنی بات شگفتہ الفاظ میں بیان کرنا تاکہ مادری زبان ترقی کر سکے۔

اول: بعض علماء کا خیال ہے کہ دنیا اور دنیاوی عیش و نشاط سب کفار کے واسطے ہیں اور مومنین کیلئے صرف اور صرف جنت کی مسرتوں کے تخیل ہیں۔ جس قدر ہماری قوم ذلیل و خوار ہو گی اتنا ہی مسلمانوں کا ایمان مضبوط ہو گا۔ سر سید احمد خان نے اس قسم کے توہمات کے خلاف جہاد کیا اور یہ یقین دلایا کہ ہم بھی کافروں سے زیادتی ترقی کر سکتے

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل، پی ایچ ڈی کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یا ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

میٹرک ،ایف اے ،آئی کام ،بی اے ،بی کام ،بی ایڈ ،بی ایس ،ایم اے ،ایم ایڈ ،ایم ایس سی ،پی ایچ ڈی ،ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

ہیں بشرطیکہ ان باطل اوہام کو خیر باد کہہ دیں جو لوگ سارا دن کفر کے فتوے لگا کر مخالفین کے اخلاق کو بگاڑتے ہیں۔ان کیلئے بہتر یہ ہوگا کہ مخالفین کو ترغیب سے سمجھائیں۔

دوم: پرانا نظام تعلیم ناقص ہو چکا ہے۔جدید نظام جو کہ دارالعلوم علی گڑھ میں رائج کیا گیا ہے وہی بہترین ہے۔اسی کی مدد سے ہماری قوم اپنی گم شدہ ناموری اور عزت حاصل کر سکتی ہے۔جب تک ہماری قوم کا ہر فرد'تیلی' سقہ' درزی اس قدر علم نہ رکھتا ہو کہ وہ اردو اخبارات پڑھ سکے اور آسان فہم کتابیں سمجھ سکے،تب تک ان لغو بیہودی اور فرسودہ رسوم اور عادات کا خاتمہ نہ ہوگا۔اس لئے ہماری قوم کے مرض کا سب سے اہم علاج صرف یہی ہے کہ تعلیم عام کی جائے تا کہ جب ہماری قوم خواندہ ہوگی تو ہم جو اس کو کہیں گے وہ سنے گی اور جو ہم اس کو سمجھا دیں گے وہ سمجھے گی۔

سوم: جب تک کسی زبان کا مستقل لٹریچر یعنی علم و ادب نہ ہو تو وہ قوم ترقی نہیں کر سکتی۔جب تک ہماری مادری زبان میں اس قدر وسعت نہ ہو کہ اس میں ہر قسم کے مضامین لکھے جاسکیں اور اس میں ہر علم پر کتاب موجود ہو تب تک ہم ترقی یافتہ نہیں کہلا سکتے۔ مختصراً تہذیب الاخلاق کے اہم مقاصد فرد کے اخلاق کی اصلاح 'قومی اصلاح و تکمیل اور شائستگی اور قومی عزت کا احساس ہونا۔قوم کی جدید ترقیات کی طرف راغب کرنا۔علمی نقطۂ نظر کی اصطلاح' دینی زاویہ کی اصلاح' ادب و انشاء کیلئے ذوق پیدا کرنا' اردو زبان کی قومی حیات اور اجتماعی افکار کا ترجمان بنانا وغیرہ تھے۔قوم کو جدید تعلیم سے روشناس کرا کے اس کے ذہن میں ترقیاتی تبدیلی پیدا کیجائے۔اس رسالے کے انقلابی مضامین سے مسلمانوں میں خالص علمی، ادبی اور فکری روح پیدا ہوئی جسے مسلمان ہند کے اندر فکر میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔اجتماعی لحاظ سے ایک خالص قسم کا عظیم احساس پیدا ہوا تا کہ مسلمان ہندوانی جمہوریت میں کہیں مدغم نہ ہو کر رہ جائیں۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

تہذیب الااق نے مجلسی اخلاق پر بھی بہت زوردار بحث کی۔سرسید احمد خان نے 29 اصول ایسے وضع کیے جن پر با اصول زندگی اور شائستگی کا دارومدار ہے۔ان میں بے تعصبی' قومی ہمدردی' آزادی رائے' بے غرضی' ضبط اوقات' خلوص سچائی' دوستوں سے مخلصانہ مراسم مہذب گفتگو' شائستہ لہجہ' صاف طریقہ رہائش' عمدہ وصاف لباس' کھانے پینے میں صفائی وغیرہ سرسید احمد خان کو یہ سب صفات انگریزوں میں نظر آئیں۔یہ سرسید کی تعلیمات کا نچوڑ تھا۔اس کی کئی حلقوں نے بھرپور مخالفت بھی کی۔مذہبی افکار کے متعلق سرسید احمد خان کا اعتقاد تھا کہ مذہب ایک ایسا عمل اور ایک ایسا فکر ہے جس کو صرف استدلال کے بعد ہی سمجھا جاسکتا ہے اور پیروی کرنا ٹھیک ہے۔قومی ترقی کیلئے تہذیب ضروری ہے اور تہذیب کا مطلب وہ اندرونی تبدیلی ہے جو برے کو اچھا بنا دیتی ہے۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

معاشرتی لحاظ سے بھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں فرق کم ہو گیا تھا۔اسلام کی یہ نصیحت کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو،لیکن اب جن بھوت اور دوسرے وہموں نے زندگی کا سکون برباد کر دیا ہوا تھا۔ہندوؤں میں بیوہ کی دوسری شادی کو گناہ سمجھا جاتا تھا۔اب مسلمان بھی ان کے ہم خیال ہونے لگے،اس طرح سے جونہی مسلمانوں کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہوا تو ان کی مذہبی کمزوریاں ،بدعتیں،تعلیم میں پسماندگی ،مالی بدحالی اور شدید بے کسی کھل کر سامنے آئی۔تعلیم میں پسماندگی کی وجہ سیمالی بدحالی بہت زیادہ نمایاں ہوئی۔

اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے سب سے پہلے 1863ء میں ''محمڈن لٹریری اینڈ سائنٹیفک سوسائٹی'' کی بنیاد رکھی تا کہ تاریخ،اقتصادیات اور سائنس کے جدید خیالات کو یورپین کتابوں سے اُردو میں منتقل کر کے سب کو سمجھایا جاسکے۔سرسید کی ان کوششوں کا متعصب اور دقیانوسی لوگوں نے بہت برا منایا لیکن سرسید کے تاثیر آمیز اور مخلص عملی اور زبانی کارناموں نے اس مخالفت کو ختم کیا اور انہیں لوگوں کی مالی مدد سے غازی پور میں وکٹوریہ کالج کا سنگ بنیاد رکھا گیا تا کہ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرایا جاسکے۔1869ء میں سرسید کو انگلینڈ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں کے نظام تعلیم نے سرسید کے دل پر گہرا اثر کیا کیونکہ تعلیم وہاں لوگوں کی جڑوں تک سرایت کر گئی تھی۔سرسید احمد خان اپنے ہونہار بیٹے سید محمود کی مدد سے انگریزی نظام تعلیم کی خوبیوں کو ذہن میں رکھ کر مسلمانان ہندو کے مخصوص حالات کے مطابق ''خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہند'' کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی ،جس کا مقصد مسلمانوں کی تعلیم سے دوری کے اسباب اور ان کے سدباب کے لئے تجاویز مرتب کرنا تھا۔نیز سرسید نے ایک جامع تعلیم کی سکیم تیار کی۔اس سکیم کو مزید بہتر بنانے کے لئے 32 انعامی مضامین ملک کے مسلمان اہل امراء سے لکھوائے جو کہ ہماری تعلیم کی تاریخ میں مشہور ہیں۔خلاصہ ان مضامین کا یہ تھا کہ سرکاری تعلیم مسلمانوں کے درد کی دوائے شافی نہیں اس لئے ان کو اپنی تعلیم کی خود فکر کرنی چاہیے چنانچہ سرسید کے خوابوں کی تعبیر 1877ء میں پوری ہوئی جبکہ لارڈ وائسرائے ہند نے 1877ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ اقامتی ادارہ تھا۔سرسید احمد کا مقصد بالآخر یونیورسٹی کو قائم کرنا تھا نہ کہ صرف مدرسہ یا کالج لیکن اس یونیورسٹی میں بھی مذہبی تعلیم اتنی ہی ضروری سمجھی گئی تھی جتنی کہ دنیاوی تعلیم۔مذہبی تعلیم ،عام تعلیم کے ساتھ اتنی گھلی ملی ہوئی ہے،جیسے جسم و جان، جب اس کو علیحدہ کیا جائے گا تو جسم بے جان رہ جائے گا اور کبھی اس قسم کی بے جان تعلیم سے مسلمانوں کے اغراض و مقاصد پورے نہ ہوسکیں گے۔حکومت نے سرسید کو ایسی یونیورسٹی قائم کرنے کی اجازت نہ دی۔چنانچہ وہی نقص وکمی مذہبی تعلیم کی، جو اُس زمانے میں مسلمانوں کے نظام میں پیدا ہوگئی تھی وہ اب بھی ہے اس کو سرسید نے جس تعلیم کے لئے جان قرار دیا تھا۔یہی کالج بعد میں یونیورسٹی بنا اور مسلمانوں کے عظیم محسن کی حیثیت سے نمودار ہوا۔

(2) جنگ آزادی کے ناکامی کے اثرات

جواب:

جنگ آزادی: انگریزوں کا ہندوستان میں سیاسی غلبہ حاصل کرنا مسلمانوں کیلئے ایک عظیم سانحہ تھا۔اس کا فوری اثر ان کا قدیم سیاسی فوائد اور ان سے وابستہ سہولتوں سے محروم ہونا تھا اور مالی نقصان بھی بہت زیادہ تھے۔جوں جوں انگریزوں کا حلقہ اختیار ہندوستان میں وسیع ہوتا گیا توں توں مسلمانوں کے سیاسی اور مالی نقصانات بڑھتے

میٹرک سے لیکر ایم اے،ایم ایس سی ،ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

گئے۔تمام بڑے بڑے سرکاری عہدے جو کہ مسلمانوں کے زیرِ اثر تقریباً ایک ہزار سال سے چلے آ رہے تھے، اب ان پر وارن ہسٹینگز کے زمانے سے انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور کارنواس کے عہد تک تمام اعلیٰ عہدوں پر انگریزوں کا غلبہ ہو گیا تھا اور مسلمان ایک نہایت ہی غیر اہم قوم بن کر رہ گئے تھے۔ان حالات سے مجبور ہو کر انہیں تجارت اور زراعت جیسے پیشوں پر ہی قناعت کرنا پڑی تھی۔1833ء کے چارٹر ایکٹ کی رو سے سرکار انگریزی کی ملازمت حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ امیدوار صرف انگریزی زبان پر دسترس رکھتا ہو اور اسے عیسائی مذہب کے بنیادی ارکان سے بھی واقفیت ہو۔ان دونوں شرائط نے مسلمانوں میں ہلچل مچا دی تھی۔مسلمانوں کی زمینداریاں چھین لی گئی تھیں۔عیسائی مشنریوں کے سکولوں میں تمام طلباء کیلئے بائیبل کا پڑھنا ضروری تھا اور تمام گورنمنٹ سکولوں میں انگریزی، فلسفہ اور ادب کا پڑھنا لازمی تھا۔مسلمان ہر قیمت پر اپنے مذہبی اور ثقافتی ورثے کو بچانا چاہتے تھے۔اس لیے وہ انگریزی تعلیم سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھتے تھے اور ہر قسم کا نقصان اسی بائیکاٹ کی وجہ سے برداشت کرنے کیلئے تیار تھے۔عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں سے مسلمان انگریزوں سے بہت ہی دل برداشتہ ہو گئے اور انگریزوں کے خلاف مخاصمت دن بدن بڑھتی گئی۔مذہبی اختلافات کی وجہ سے فکری و نظریاتی پریشانیوں اور مالی محرومیوں نے انہیں انگریزوں کے خلاف بغاوت پر مجبور کر دیا۔

ہندوؤں نے انگریزوں کی ہندوستان آمد پر اظہارِ طمانیت کیا تھا۔پہلے ان کے آقا مسلمان تھے اب ان کے آقا انگریز ہو گئے تھے۔مسلمانوں کے عہد میں بھی ہندوؤں نے کافی فوائد اور سہولتیں حاصل کی تھیں۔چونکہ مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات شروع سے ہی خراب تھے اس لیے ہندوؤں کو اب پہلے سے زیادہ فوائد حاصل ہوئے اور وہ انگریزوں کو بہت ہی اچھا سمجھتے تھے۔انگریزی زبان کو سیکھنا اور بائیبل کا مطالعہ کرنا ان کیلئے تکلیف دہ نہ تھا۔اس لیے وہ انگریزوں کے منظورِ نظر تھے۔لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر جنرل (35-1828ء) نے اصلاحات کے جوش و خروش میں منظورِ نظر ہندوؤں کو بھی ناراض کر دیا۔اس نے ہندو مذہب میں مداخلت کی اور حکماً ستی کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ہندو بیوہ عورتوں کو شادی کرنے کی اجازت دے دی۔کئی ہندو راجپوت بیٹیوں کے پیدا ہوتے ہی انہیں قتل کر دیتے تھے۔اُس نے دختر کشی کو ممنوع قرار دیا اور ہندوؤں کے رواج متبنٰی بنانے کو بند کیا۔ہندوؤں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ انگریز اُن کے رسم و رواج میں دخل اندازی کر کے انہیں عیسائی بننے پر مجبور کر رہے ہیں اور اس سے انگریزوں نے ہندوؤں کی دشمنی بھی مول لے لی۔اس طرح سے 1857ء کی جنگِ آزادی کا آغاز ہوا جس کو انگریزوں نے بالکل دبا دیا۔

ناکامی کی وجوہات: جنگ آزادی 1857ء کی ناکامی کے اسباب درج ذیل ہیں۔

قائدین کا فقدان: برصغیر میں باصلاحیت افراد کی کمی تھی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ ان کے جانشین نہایت نااہل ہیں بعد کے بادشاہوں کے زمانے میں عیاشی اور سازشی ماحول نے فوجی قائدوں کی جسمانی صلاحیتوں اور جذبہ کار ختم کر کے رکھ دیا تھا۔دہلی اور میرٹھ کے انقلابیوں کو منظّم کرنے والا کوئی نہ تھا۔لکھنؤ کی فوجوں کو بھی متحد نہ کیا جا سکا۔اس طرح اچھے منتظمین اور قائدین کی کمی نے آزادی کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

اتحاد کا فقدان: برصغیر میں جنگ عجیب طریقے سے شروع ہوئی تھی۔جنگ کا آغاز اچانک ہوا۔مختلف جگہوں کے انقلابیوں میں آپس میں کوئی رابطہ نہ تھا۔اس جنگ کی پشت پر کوئی جامع منصوبہ بندی نہ تھا یہی نہیں بلکہ ایک ہی شہر کے انقلابی بھی متحد نہ تھے۔مثلاً دہلی میں مغل شہنشاہ اور بخت خان کے درمیان ہم آہنگی نہ تھی۔لکھنؤ میں ملکہ حضرت محل اور احمد اللہ میں اختلافات تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کو باری باری تمام شہروں پر قبضہ کرنا آسان ہو گیا۔

وسائل کی کمی: انقلابیوں کی ناکامی کی بہت بڑی وجہ وسائل کی کمی تھی اس تحریک کی سب سے ممتاز شخصیت شہنشاہ مغل تھا جس کو انگریزوں سے پنشن ملتی تھی۔اس کا خزانہ خالی تھا۔دہلی کے رئیسوں نے قرض دینے سے انکار کر دیا تھا۔چنانچہ انقلابی فوج کو تنخواہ تو کیا ملی کھانے کے لیے بھنے چنے بھی میسر نہ آئے تھے۔اس بے سروسامانی میں اسلحہ کہاں سے حاصل ہوتا اور یہ فوج زیادہ دیر تک مستعدی سے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکی۔

والیانِ ریاست کا عدم تعاون: تمام والیاتِ ریاست اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ ان کا مستقبل کمپنی کی حکومت میں محفوظ نہیں اس کے باوجود وہ انقلابی تحریک میں شامل نہ ہوئے۔وہ عملاً میدان جنگ میں آنے سے گھبراتے تھے۔ان میں آزادی کی تڑپ ختم ہو چکی تھی۔حیدرآباد، گوالیار، سندھیا راجپوتانہ کی ریاستوں نے اس جدوجہد میں حصہ نہ لیا اور باوقت ضرورت انگریزوں کی امداد کی۔اگر یہ دیسی ریاستیں انقلابیوں کے ساتھ تعاون کرتیں یا انگریزوں کی امداد نہ کرتیں تو حالات کچھ اور ہوتے۔

پنجاب کی سکھ فوج: پنجاب کا الحاق بھی غیر قانونی حرکت تھی۔سکھوں کے خلاف کاروائی کا کوئی اخلاقی جواز تھا۔سکھوں میں اس کے خلاف ردعمل پیدا ہونا ضروری تھا لیکن سکھوں کو انگریزوں سے زیادہ مسلمانوں سے دشمنی تھی۔انگریزوں نے سکھ فوج کو دہلی فتح کرنے کے لیے بھیج دیا۔اس فوج نے اسلام دشمنی کی وجہ سے دہلی میں بے پناہ مظالم ڈھائے اور انگریزوں کے اکھڑتے ہوئے پاؤں دوبارہ جم گئے۔پنجاب میں بھی انقلابی تحریک کے اثرات پہنچے تھے۔لیکن انگریزوں نے بروقت اقدامات کر کے ان پر قابو پا لیا تھا۔

مفسد عنصر کی شمولیت: جنگ آزادی میں تنظیم کی کمی تھی۔اس لیے انقلابی شہروں میں امن و سکون قائم نہ رکھا جا سکا اور غنڈہ عنصر میدان عمل میں آیا۔لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔بہت سے لوگ قتل کر دیے گئے۔بدامنی اور فساد کا دور دورہ ہو گیا۔عوام کا ایک طبقہ تحریک آزادی سے بدظن ہو گیا اور انقلابی سرگرمیوں میں شامل نہ ہوا اس عنصر نے تحریک کو کافی نقصان پہنچایا۔

افغانستان کی طرف سے امداد نہ ملنا: برصغیر کے مسلمان احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد سے اپنے دشمنوں کے خاتمہ کے لیے افغانستان سے امداد کی توقعات وابستہ کرتے تھے۔افغانستان اور برطانیہ کی جنگ میں برصغیر کے مسلمانوں کی ہمدردیاں افغانستان کے ساتھ تھیں۔چنانچہ بعض انقلابی یہ توقع رکھتے تھے کہ برصغیر کی اس جنگ آزادی میں انہیں افغانستان کی طرف سے امداد ملے گی اور حکومت افغانستان برصغیر میں انگریزوں کی نازک پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر افغان وار کا بدلہ لے گی لیکن حکومت افغانستان

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

نے ایسا نہ کیا اور انقلابیوں کی توقعات پوری نہ ہوئیں۔

انگریزوں کے وفادار: ہندوستانیوں نے انگریزوں کے ساتھ وفاداری کا پورا حق ادا کیا۔ ہندو زمیندار جو انگریزی حکومت کی وجہ سے زمین کے مالک بنے تھے۔انگیرزوں کے وفادار رہے۔انھوں نے انگریزوں کو انقلابیوں کو اطلاعات پہنچائیں، سازشوں میں شریک ہوئے اور انقلابی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے تمام جائزہ و ناجائز طریقے استعمال کیے اور اس کام کے عوض عہدوں میں ترقی اور سرکاری خوشنودی حاصل کی مثلاً مولوی رجب علی، حکیم احسان اللہ، مرزا الٰہی بخش وغیرہ کو جاسوسی اور بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کروانے کے صلہ میں انگریزی دربار میں پہلی کرسی دی گئی۔

شیخ الاسلام ترکی کا فتویٰ: ترکی یورپ کا مرد بیمار تھا وہ اپنے آپ کو روش کے ہاتھوں محفوظ رکھنے کے لیے برطانیہ کا محتاج تھا۔ترکی کا حکمران مسلمانوں کا خلیفہ اور وہاں کا قاضی القضاۃ عالم اسلام کا سب سے بڑا عالم تھا۔اس لیے برطانوی حکومت نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے شیخ الاسلام ترکی سے فتویٰ لیا کہ انگریزوں کے خلاف لڑنا دینی مصلحت کے خلاف ہے اور ہندوستانیوں مسلمانوں کو وہابیوں کا آلہ کار نہیں بننا چاہیے۔اس فتویٰ کو مسلمانوں میں وسیع پیمانہ پر پھیلایا گیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیدھے سادھے عوام میں ایک گروہ انقلابیوں کا ساتھ چھوڑ گیا۔

یورپ سے فوجوں کی واپسی: جنگ کریسیما میں شرکت کے لیے یورپی فوج یورپ گئی ہوئی تھی اور روش کے خلاف برسرِ پیکار تھی۔ جنگ کریمیا 1856ء ختم ہوئی لیکن ابھی یہ فوج واپس نہ آئی تھی۔ برصغیر میں جنگ کی خبر سنتے ہی یہ فوجیں ہندوستان روانہ ہوگئیں اور جہاں جہاں یہ فوجیں پہنچیں مقامی فوجوں کو ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگیا۔ کیونکہ یہ منظّم اور اسلحہ سے لیس تھیں ان کے پاس وسائل کی کمی نہ تھی۔اور انقلابی شکست کھا گئے۔

جنوبی علاقوں میں جوش کی کمی: جنوبی علاقوں کے لوگوں میں جوش کی کمی تھی۔انھو نے انقلابی جدوجہد میں اس جوش وخروش سے حصہ نہ لیا جس جوش کے ساتھ شمالی ہندوستان کے لوگوں نے لیا تھا۔اگر بمبئی، مدراس، مہاراشٹر میں بھی شمالی ہند کے ساتھ ساتھ اس طرح جنگ شروع ہوجاتی تو ان صوبوں سے فوج شمالی ہندوستان بھیجنا ناممکن ہوجاتا۔ جنرل نیلی اور ہیولاک کلکتہ نہ پہنچ پاتے اور بنارس، الہ آباد، کانپور، لکھنو فتح کرنا ناممکن ہوجاتا۔

جنگ آزادی کے اثرات: جنگِ آزادی کی ناکامی کے سب سے بُرے اثرات مسلمانوں پر ہی پڑے۔انگریزوں کو اب پختہ یقین ہوگیا تھا کہ ہندوستان میں انگریزی راج اور عیسائیت کی تبلیغ کے راستے میں سب سے بڑے دشمن مسلمان ہی ہیں۔اس لیے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کا بازار گرم ہوگیا تھا۔مسلمانوں کو تلخ سزائیں جسمانی، سیاسی، اقتصادی، مجلسی، تعلیمی اور مذہبی امتناعیوں کی صورت میں دی گئیں۔مسلمان ہر جگہ اور ہر وقت ان کی نظروں میں کھٹکتے تھے۔ان کے گھر بار کو برباد کیا گیا۔جائیدادیں ضبط کرلی گئیں اور بالخصوص دہلی کے مسلمان گھرانوں کو چھ ماہ کیلئے جبری جلاوطن کیا گیا۔اس کے مقابلے میں ہندوؤں کے ساتھ نرم سلوک کیا گیا۔مسلم علاقوں میں ہندو افسران تعینات کیے گئے۔سرکاری ملازمتیں صرف ہندوؤں کیلئے مخصوص ہوگئیں۔قدیم معاشرے کا نظام جو پہلے ہی بوسیدہ ہوچکا تھا، اس ناکام جنگِ آزادی کے صدمے سے بالکل درہم برہم ہوگیا۔شرفاء (خصوصاً مسلمان شرفاء) کے صدہا خاندان برباد ہوچکے تھے۔نظامِ تعلیم وتربیت جو صدیوں سے شہروں اور قصبوں میں رائج تھا، معدوم ہوچکا تھا۔قدیم تہذیب کا کوئی مرکز باقی نہ رہا تھا اس لیے وہ دم توڑ رہی تھی۔جدید خیالات جن کا اُن دنوں بڑا چرچا تھا ابھی اس ملک میں سخت شک وشبہ بلکہ نفرت اور بیزاری کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔مختصراً یہ دور مسلمانوں کیلئے اہم کشمکش، پریشانیوں اور زبوں حالی سے بھرپور تھا۔اسی صدی میں ان کے سیاسی تنزل کی تکمیل ہوئی۔مسلمانوں کو اپنے انگریز آقاؤں سے بہت زیادہ شکایات تھیں کیونکہ انہوں نے تمام سرکاری اعلیٰ ملازمتیں مسلمانوں کیلئے ممنوع قرار دے دی تھیں۔انہوں نے ایک ایسا نظامِ تعلیم نافذ کیا تھا جو کہ مسلمانوں کیلئے ہرگز قابلِ قبول نہ تھا۔انگریزوں نے مسلمان قاضیوں کو موقوف کرکے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے نگہبان تھے، بےکار اور بےکس بنادیا تھا۔

مسلمانوں کے اوقاف کی آمدنی جو کہ ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہیے تھی غلط مدوں پر خرچ ہورہی تھی اور مسلمانوں کیلئے معلّمی کا پیشہ ہی ختم ہوگیا تھا۔وہ مسلم امراء جو کہ محلات میں رہتے تھے گھوڑے، گاڑیاں، نوکر چاکر ان کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے، اب نان ونفقہ کو ترس رہے تھے۔منہدم اور مرمت شدہ مکانوں اور خستہ برآمدوں میں ذلت کی زندگی بسر کررہے تھے اور ہندو قرض خواہوں کے ہروقت زیرِ بار رہتے تھے۔سرکاری ملازمتوں کے علاوہ ہائی کورٹ کے وکیلوں میں بھی مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے۔غرضیکہ تمام ملازمتیں اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، آہستہ آہستہ مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کو دی جاتی تھیں۔ان حالات میں سرسید احمد خان (1898ء۔1817ء) اُفق پر نمودار ہوئے۔انہوں نے کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کیلئے انگریزوں کے سامنے سفارش کی۔ان کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمانوں کو مغربی تعلیم کی طرف راغب کرنا تھا یا دوسرے لفظوں میں انیسویں صدی کے آخری نصف حصے میں ہندوستانی مسلمانوں کی مجلسی، ثقافتی اور سیاسی تاریخ میں سرسید احمد خان کا نہ مٹنے والا گہرا اثر موجود تھا۔

سوال نمبر 36۔ سلطان قطب الدین ایبک کے دورِ حکومت پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

جواب۔

برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔نسلاً ترک تھے۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا اور قاضی فخرالدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کردیا۔جس نے ان کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر انہیں خرید لیا۔شکل وصورت قبیح ہونے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ ان کو ایبک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔ 1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔ اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔ اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔ قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔ اور اسکی فوجیں گجرات، راجپوتانہ، گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔ جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب، گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

فتوحات۔

قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔ تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔ اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے میں گزرا۔ عالموں کا قدردان تھا۔ اور اپنی فیاضی اور دادودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔ نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔ یہ مقبرہ وقت اور حالات کے ہاتھوں برباد ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں یہ ایک سکھ کی ملکیت میں رہا انگریزوں کے دور میں یہ مقبرہ خستہ حالی کی منہ بولتی تصویر تھا قیام پاکستان کے بعد صدر ایوب خان کے دور میں محترم حفیظ جالندھری نے ان سے گذارش کی کہ مجاہد اسلام کے مقبرہ کی مرمت اور تزئین و آرائش کا بندوبست کروایا جائے صدر پاکستان نے ان کی درخواست قبول کی اور آج یہ مقبرہ مجاہد اسلام کی شان و شوکت سنبھالے کھڑا ہے۔ نسلاً ترک تھا۔ ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔ شکل وصورت تو قبیح تھی لیکن ایک چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس لیے لوگ اس کو ایک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔ قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔ 1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔ اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔ اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔ قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔ اور اس کی فوجیں گجرات، راجپوتانہ، گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔ جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب، گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

دہلی طرز حکومت۔

یہ برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے پہلی دفعہ دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ نسلاً ترک تھا۔ ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔ شکل وصورت کافی عجیب ہونے کے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس لیے لوگ اس کو ایک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔ لیکن نہایت ہی ذہین شخص تھا۔

قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی ذہانتوں اور صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔ 1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔ اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔ اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔ قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔ اور اسکی فوجیں گجرات، راجپوتانہ، گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔ جب سلطان شہاب الدین غوری نے 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب وفات پائی تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔ تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔ اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے میں گزرا۔ عالموں کا قدردان تھا۔ اور اپنی فیاضی اور دادودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے بھی مشہور ہوا۔ نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔ قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔ تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔ اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے میں گزرا۔ عالموں کا قدردان تھا۔ اور اپنی فیاضی اور دادودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔ نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔

سوال نمبر 37۔ خلجی خاندان کے دور حکومت کے اہم کارناموں کا تنقیدی جائزہ لیں۔

جواب۔

فارسی (خلج)، عربی (خلخ) تھا۔ (ترک۔ معارف اسلامیہ) نوشیروان نے ہنوں کے خلاف ترکوں سے مدد لی اور ان کی مدد سے ہنوں کو شکست دی۔ مگر جلد ہی افغانستان پر ترک چھا گئے۔ کتاب الاغانی کی کے مطابق رودگرگان کے ترکوں نے ایرانیوں کی زبان و مذہب اختیار کر چکے تھے۔ وہ ساتویں دور میں ہی اس علاقے کو فتح کر چکے تھے۔ (دیکھیے ترک) *افغانستان میں دریائے ہلمند کے چڑھاؤ کے رخ پر ایک مرحلے کے فاصلے سے دریا کے اسی کنارے پر جس پر درتل تھا، شہر درغش آباد تھا اور درتل کے مغرب میں ایک مرحلے کے فاصلے پر بغنین اس علاقہ میں تھا۔ جہاں قبائل پشلنگ کے ترک آباد تھے۔ ان میں قبیلہ خلج بھی رہتا تھا۔ ان خلجی ترکوں نے بعد میں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

مغرب کی طرف نقل مکانی کی تھی۔لیکن ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی بہت قناعت سے زمینداور کے علاقہ میں بسر کرتے تھے اور وضع قطع ترکوں کی رکھتے تھے۔(جی لی اسٹریج۔خلافت شرقی ،025۔125)

قبائلی جنگ وجدل۔

خلجی افغانستان میں ابتدئے اسلام سے ہی آباد تھے اور غالباً انہوں نے دوسرے افغان قبائل کے ساتھ اسلام چوتھی صدی ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔کیوں کہ یہ خوارزم شاہیوں اور غوریوں اوراس سے پہلے سلجوقیوں کے لشکر میں شامل رہے تھے۔علاؤالدین جہاں سوز نے سلطان سنجر کا مقابلہ کرنا چاہا تو عین لڑائی کے وقت یہ ترکوں اور خلجیوں نے علاؤالدین جہاں کا ساتھ چھوڑ کر یہ سلطان سنجر کے ساتھ جا ملے۔جس کی وجہ سے علاؤالدین جہاں سوز کو شکست ہوئی اور وہ قید ہوگیا۔اس طرح یہ سلطان مغزالدین محمد غوری کے لشکر میں شامل تھے اور ہند کی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔جب سلطان محمد غوری ترائن کی لڑائی میں زخمی ہوگیا تو اس کو میدان جنگ سے بچالانے والا بھی ایک خلجی نوجوان تھا۔(منہاج سراج طبقات ناصری جلد اول،526۔117)* خلجی سلطان محمد خوارزم کے لشکر میں بھی شامل تھے،اس نے سمرقند کی حفاظت کے لیے جو لشکر منگولوں کے مقابلے کے لیے چھوڑا تھا اس میں کثیر تعداد میں خلجی شامل تھے۔خلجیوں نے خوارزم شاہیوں کے ساتھ مل کر منگولوں کے خلاف مزحمت کی تھی۔ 366ھ میں خلجیوں کے ایک گروہ جو سلطان محمد خلجی کے لشکری تھے اپنے سردار ملک خان محمد خلجی کی سرکردگی میں سندھ پر قابض ہوگئے،ناصرالدین قباچہ نے ان کے خلاف اقدام کیا اور انہیں نکال باہر کیا اوران کا سردار مارا گیا۔(منہاج سراج طبقات ناصری جلد اول،465۔547،جلد دوم،031۔641)* خلجی خاندان غلاماں کے لشکر میں بھی شامل رہے۔بلکہ ترکوں کے لشکریوں کا غالب عنصر خلجی ہی تھے اوران کی سرکردگی میں ہند میں وسیع فتوحات حاصل کیں۔ان میں بختیار خلجی بہت مشہور ہوا،جس نے صرف دوسو آدمیوں کی مدد سے بنگال فتح کیا۔اس طرح دوسرے خلجی سرداروں میں علی مردان خلجی،غزالدین،محمد شیراں،میران شاہ اور ملک جلال الدین بن خلج خان کے نام ملتے ہیں۔آخر الذکر برصغیر میں خلجی سلطنت کا بانی تھا۔(منہاج سراج طبقات ناصری جلد اول،547 تا 108)*0931ء میں خلجی اچانک دہلی کے تخت پر قابض ہو گئے۔خود اس پر دہلی کے امرا اور شہری بھی حیرت زدہ رہے گئے۔نیا بادشاہ جلال الدین فیروز خلجی تھا۔وہ کافی عرصہ تک دہلی میں داخلے کی ہمت نہیں کرسکا۔اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ علاؤالدین خلجی تھا۔جو جلاؤالدین فیروز کا بھتیجا اور داماد تھا۔جو اپنے چچا کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا۔یہ پہلا حکمران تھا جس نے جنوبی ہند کو فتح کیا۔اس کے علاوہ یہ اپنی دوررس اصلاحات کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہوا۔اس خاندان کا آخری حکمران اس کا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی تھا جس کو اس کے نومسلم غلام خسرو نے قتل کر کے اس خاندان کا خاتمہ کردیا۔(ڈاکٹر معین الدین،عہد قدیم اور سلطنت دہلی۔353 تا 204)*6241ء • ؟میں مالوہ کی حکمرانی خلجیوں نے حاصل کرلی۔اس خاندان کا بانی محمود خلجی تھا۔اس نے اپنے برادر نسبتی کو زہر دے کر ہلاک کردیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔یہ ایک بیدار مغز بادشاہ تھا۔اس کا سنتیس سالہ دور حکومت کا بیشتر حصہ گردونواع کی حکومتوں سے لڑنے اور سلطنت کی توسیع میں گزرا۔اس خاندان کا آخر حکمران باز بہادر تھا۔اس کو اکبر کی فوجوں نے 1651ء میں تخت سے محروم کر دیا۔(ڈاکٹر معین الدین،عہد قدیم اور سلطنت دہلی۔515 تا 815)

گلستان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

دور حکومت:1290ء تا 1320ء

ہندوستان کا ایک ترکی حکمران خاندان جس نے افغانی رسم ورواج اور فارسی زبان اپنا لیا ہوا تھا۔مملوک سلاطین دہلی کے بعد 1290ء سے 1320ء تک خلجی بادشاہ ہندوستان پر حکمران رہے۔خلجی خاندان کی بنیاد جلال الدین خلجی نے رکھی۔اوراس کے بعد انکا بھتیجا علاؤالدین خلجی تخت نشین ہوا۔جس کے قبضہ میں بعد ازاں پورا ہندوستان آیا۔علاؤالدین خلجی کے بعد اس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے اور بالآخر تغلقوں کے ہاتھوں خاندان خلجی کا خاتمہ ہوا۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ خلجی ترک تھے۔لیکن خلجی دراصل ایک افغان قبیلے غلجی سے تعلق رکھتے تھے۔اور یہی غلجی نام ہندوستان میں خلجی کی صورت اختیار کرگیا۔

علاؤالدین خلجی۔

علاءالدین خلجی کا پیدائشی نام علی گرشاسپ خلجی تھا اور وہ ہندوستان میں خلجی خاندان کے دوسرے سلطان تھے۔وہ خلجی خاندان کے سب سے طاقتور سلطان تھے۔علاءالدین خلجی کے زمانے میں منگولوں کے حملے کا شدید خطرہ تھا اوراس وجہ سے علاء • الدین خلجی کو ایک بڑی فوج کی اشد ضرورت تھی۔فوجی اخراجات کو قابو میں رکھنے کے لیے اس نے بازار میں ہر چیز کی قیمت مقرر کردی اور اوراس پرسختی سے عمل کروایا۔اس زمانے کے روپے کو تنکہ کہتے تھے اور وزن کے اعتبار سے ایک تنکہ ایک روپے کے بالکل برابر ہوتا تھا یعنی 96 رتی کا ہوتا تھا۔ایک تنکہ تانبے کے بنے 50 جتال کے برابر ہوتا تھا۔روزمرہ استعمال کی چیزیں سستی ہونے سے لوگ خوشحال ہوگئے اور علاء • الدین خلجی کے مرنے کے بعد بھی عرصہ تک اس کے عہد کو یاد کیا کرتے تھے۔علاؤالدین خلجی نے دلال (manmiddle) کا کردار بالکل ختم کردیا تھا اور ذخیرہ اندوزی کی سخت ترین سزا مقرر کی تھی۔جاسوسی کا ایک ایسا نظام مرتب کیا تھا کہ بادشاہ کو منڈی کی خبریں براہ راست پہنچائی جاتی تھیں۔

جلال الدین خلجی۔

خاندان خلجی کا پہلا بادشاہ۔تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ستر سال تھی۔فطرتاً رحم دل تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں بغاوتیں زور پکڑ گئیں۔مغلوں نے بھی حملے کیے لیکن انھیں پسپا کر دیا گیا۔کچھ مغل دہلی کے قریب ہی بس گئے اوراس جگہ کا نام مغلپورہ پڑ گیا۔اس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ دیوگری پرحملہ ہے۔اس نے اپنے بھتیجے علاؤالدین خلجی کو، جو اس کا داماد بھی تھا۔صوبہ اودھ میں کڑہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔علاؤ الدین نے دکن میں واقع دیوگری کی دولت کا حال سن رکھا تھا۔اس نے 294 میں دیوگری کے راجا رام چندر پرحملہ کردیا۔راجا نے شکست کھائی اور بہت سا زر و مال اور ایلچ پور کا علاقہ علاؤالدین کے حوالے کرنا پڑا۔علاؤالدین مال ودولت لے کر کڑہ

میٹرک ،ایف اے ،آئی کام ،بی اے ،بی کام ،بی ایڈ ،بی ایس ،ایم اے ،ایم ایڈ ،ایم ایس سی ،پی ایچ ڈی ،ایف اسا ئنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے ،ایم ایس سی ،ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

لوٹ گیا۔ جب جلال الدین اپنے بھتیجے کی فتح کی خبر سن کر ملاقات کے لیے آیا تو علاؤالدین نے اسے قتل کر دیا اور پھر اس کے تمام خاندان کا خاتمہ کر کے خود بادشاہ بن گیا۔

سوال نمبر 38۔ **"سلطان محمد تغلق بہت بڑا عالم اور شائستہ انسان تھا" وضاحت کریں۔**

جواب:

محمد بن تغلق: 1325ء سے 1351ء تک کے اس منصوبہ ساز سلطان کی ناکامیوں کو تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ 1345ء میں اس نے خلیفہ سند سلطانی بھی حاصل کر لی۔ تاریخ میں اس سے زیادہ متضاد سلطان اور کوئی نہیں گزرا۔ وہ ایک طرف انتہائی منصف اور باعمل شخص تھا اور دوسری طرف انتہائی سخت اور سفاک حکمران بھی تھا۔ اس پر فلسفے کا اثر ہوا تو ملحد ہو گیا اور مذہبی جذبہ بڑھا تو نماز ترک کرنے والوں کو موت کی سزا دینے لگا۔ اس کے پانچ منصوبوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ اس کے ستائیس سالہ عہد میں بائیس بغاوتیں ہوئیں ان کی بڑی وجوہات سلطان کی سخت مزاجی، منصوبوں کی ناکامی، دارالحکومت کی تبدیلی، علماء اور مشائخ کیلئے سزائیں اور امراء کی ناراضگی تھیں۔ اس کے عہد میں کئی صوبے جلد ہی آزاد ہو گئے اور اسلامی حکومت میں توسیع و استحکام کی بجائے کمزوری اور بدنظمی پیدا ہوئی۔ ایک بغاوت کے دوران 1351ء میں وہ سندھ میں ٹھٹھہ کے قریب انتقال کر گیا۔

محمد بن تغلق کے منصوبے:

دوآب میں ٹیکس: دوآب کی اراضی بہت ہی زرخیز تھی اور اس کے رہنے والے باغی اور فتنہ پسند تھے۔ سلطان نے ان پر ٹیکس لگا دیئے۔ سلطان علاؤالدین خلجی نے بھی اس سے پہلے دوآب کے ہندوؤں پر بہت ہی بھاری ٹیکس لگائے تھے اور سختی سے سب کچھ وصول کیا تھا۔ محمد تغلق نے اس سے کم مقدار کے ٹیکس لگائے لیکن شومئی قسمت اس وقت دوآب میں قحط پڑ گیا تھا اور سرکاری افسران کو نااندیشی کی وجہ سے ٹیکس وصول کرنے میں بہت زیادہ سختی کی، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنی اراضیاں چھوڑ کر بھاگ گئے اور نواحی جنگلات میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بقیہ لوگوں نے بغاوت کر دی جنہیں سلطان کی فوجوں نے بے رحمی سے دبا دیا۔ کافی دیر کے بعد جب سلطان کو صحیح صورت حال کا پتہ چلا تو اس نے فوراً تمام ٹیکس سوائے شرعی عشر کے سب معاف کر دیئے۔ لوگوں کو قرضے دیئے۔ آب پاشی کے لئے ان کے لئے کنویں کھدوائے اور چھ ماہ تک انہیں کھانا وغیرہ مفت تقسیم کیا۔

(الف) دوسرا دارالحکومت: جنوبی ہندوستان پر قبضہ کرنے کیلئے ضروری تھا کہ دارالحکومت وہاں قائم ہوتا۔ سلطان نے دوسرے دارالحکومت کا منصوبہ بنایا۔ دکنی ریاستوں کو سلطنت میں شامل کرنے کے بعد اس نے دیوگیر (واقع دکن) کو بھی دارالسلطنت قرار دیا اور 1327ء میں ایک فرمان کے ذریعے امراء، علماء اور مشائخ کو وہاں ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس علاقے میں بھی مسلمان اکثریت میں آ جائیں تو اسے شمالی ہندوستان کی طرح ایک مسلم علاقہ بنایا جا سکتا ہے۔ دیوگیر کو اس نے قوت اسلام کا نام دیا۔ اسے دولت آباد بھی کہا جاتا ہے۔ اس منصوبے سے اسلام کو تو فروغ حاصل ہوا لیکن انہی مسلمان امراء کے ہاتھوں جنوبی علاقہ سلطان کی سلطنت سے نکل گیا۔

(ب) علامتی سکہ: سلطان نے تانبے کے علامتی سکے جاری کئے۔ ان کی قیمت چاندی کے سکوں کے برابر تھی۔ اس کا مقصد چاندی کی کمی کے مسئلے کو حل کرنا تھا۔ لیکن بہت جلد ہندوؤں نے جعلی سکے تیار کرنا شروع کر دیئے۔ چاندی کے سکے تیار کرنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس ناکامی پر سلطان نے تانبے کے سکے واپس لینا شروع کر دیئے لیکن اس کے سامنے جعلی سکوں کا انبار لگ گیا، جس کے بدلے میں چاندی دینے سے خزانہ خالی ہو گیا۔

(ج) محاصل میں اضافہ: دوآبے کا علاقہ نہایت زرخیز تھا چنانچہ سلاطین اس علاقے میں محاصل میں تبدیلیاں کرتے رہتے تھے۔ سلطان نے اچانک وہاں پانچ سے دس فیصد شرح لگان مقرر کر دی۔ اتفاق سے خشک سالی کا دور دورہ تھا چنانچہ زراعت بند ہو گئی اور یہ منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔

(د) خراسان کی فتح: خراسان کو فتح کرنے کیلئے سلطان نے تین لاکھ ستر ہزار سپاہی بھرتی کئے۔ انہیں سال بھر تنخواہ ملتی رہی خراسان کے حالات کے پیش نظر سلطان نے مہم ترک کر دی خزانے پر اس مہم کا بار پڑا۔

(ر) قراجل کی مہم: ہمالیہ کے دامن میں ریاست قراجل' تبت کے ہمسایہ میں ہے۔ سلطان نے اسے سرحدی دفاع کیلئے فتح کرنا چاہا سلطانی لشکر پہاڑوں کے اندر بارش میں گھر گیا اور دشمن نے اسے ختم کر دیا۔ صرف دس آدمی بچ سکے۔

سوال نمبر 5۔ **درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔**

(1) فیروز تغلق۔

فیروز شاہ تغلق مشہور بادشاہ محمد تغلق کا چچازاد بھائی تھا۔ 1351ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا اور 1388ء تک کامیاب حکومت کی 38 سال تک لگاتار حکومت کرنے کے بعد 1388 میں وہ دنیا سے چل بسا۔

فیروز شاہ تغلق کی حکومت اور واقعات۔

یہ ایسا نرم دل بادشاہ تھا جسے خونریزی بالکل پسند نہیں تھی، اسی لئے وہ صوبے جو محمد تغلق کے زمانے میں آزاد ہو گئے تھے، دوبارہ دہلی حکومت میں شامل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ واقعہ ہے کہ بنگال کو فتح کرنے میں تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اس کا فیروز کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ وہ لاشوں کو دیکھ دیکھ کر بہت رویا اور آئندہ سلطنت کو بڑھانے کیلئے خون خرابہ کرنے سے توبہ کر لی۔ اس نے یہ کوشش کی کہ اس کی حکومت میں جو صوبے ہیں وہاں کے عوام کو زیادہ سے زیادہ

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

راحت وآرام پہنچایا جائے۔عوام کی خوش حالی اور بہبودی کے لئے جو کام فیروز شاہ تغلق نے کئے ہیں ،اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

غیاث الدین تغلق اور فیروز شاہ تغلق جیسے بادشاہ اگران برائیوں سے محفوظ تھے،تو بھی انھوں نے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور سربلندی کے لیے کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔برصغیر میں مسلمان بادشاہوں کو حکومت کرنے کا بہت طویل موقع میسرؔ یا لیکن کسی بادشاہ نے (ایک دومُستثنیات کے سوا) اسلام کو اس سرزمین میں غالب اور مستحکم کرنے میں دلچسپی نہ لی بلکہ اکثریت جہاد کے مقاصد سے اِعراض کرتے ہوئے محض کشور کشائی اور خزانہ جمع کرنے اور غیر مسلموں کے زیر اثر اسلام کو ضرر پہنچانے والے کام کرتی رہی۔ان حالات میں قدرت کی طرف سے تیمور اور نادر شاہ نازل ہو کر ان کو سزا دیتے رہے،تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تیمور کے حملے (1398ء) سے پہلے دوسو سالوں میں سلاطین دہلی کیا کیا کرتے رہے اور ان کے ہاتھوں انسانیت کی کیسی تذلیل ہوتی رہی زوال کبھی بغیر وجہ کے نہیں ا؟ تا،اس کا کوئی وقت بھی طے نہیں ہوتا۔حکمران اور اقوام جب وہ افعال اعلانیہ انجام دینے لگتے ہیں جو خدائے بزرگ و برتر کو ناپسند ہیں تو وہ اُن کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں اور اُس کے بعد دنیا کے لیے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔تب وہ اپنے دفاع کے قابل رہتے ہیں نہ اپنے ملک اور قوم کے۔کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔بطور مُشتے از خروارے،چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔سلطان التمش نے وفات پائی،تو اس کے بیٹے رکن الدین نے پہلے حکومت سنبھالی،اس کے بعد رضیہ سلطانہ کو موقع ملا۔تاریخ فرشتہ میں رکن الدین کے بارے میں لکھا ہے:

عیش ونشاط کی طرف متوجہ رہا۔اس کے دور میں بھی خوبرو ساقیوں اور مطربوں کی قدر ہوتی رہی۔لطیفہ گو،گویے،غزل خواں اور شراب نوش مصاحب بادشاہ کو پسند تھے۔مورخ ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں:'

'سلطان کی مجلس کے ساقی ہیبت خان کے لڑکے نظام خریطہ دار اور یلدز ساقیوں کے سردار تھے۔یہ لوگ حسن و جمال اور کرشمہ سازی میں ایسے تھے کہ جو زاہد یا عابد ان کو دیکھتا زنار باندھ لیتا اور اپنی جانماز کو شراب خانے کا بوریا بنا لیتا۔سلطان کی مجلس کے مطربوں میں محمد شاہ چنگی چنگ بجاتا،فتوحا،فقاعی کی بیٹی اور نصرت خاتون گانا گاتیں ان کی کم عمری اور نسوانی ؟ واز سے پرندے ہوا میں سے نیچے اتر آتے۔سننے والوں کے ہوش اڑ جاتے۔دل تڑپنے لگتے... '' جلال الدین کو اس کے بھتیجے علاؤ الدین نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے دھوکے سے قتل کیا۔اس سلسلے میں تاریخ فیروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے''اپنے ولی نعمت کا خون بہانے کی نحوست کی وجہ سے اس (علاؤالدین) نے بے گناہوں کا اتنا خون بہایا کہ فرعون نے بھی نہ بہایا تھا۔''واقعی علاؤالدین کا انجام اس کی بدکرداریوں کی وجہ سے بہت عبرت ناک ہوا۔علاؤالدین خلجی نے انتہائے تکبر میں اپنا خطاب اسکندر ثانی رکھا۔اس نے محض جبر کے زور پر ضروری اشیا کی قیمتوں کو بڑھنے سے روکے رکھا۔ابتدائی چند سالوں میں بہت عیاشیاں کیں اپنے حرم کو ہندوستان کے طول وعرض کی خوبصورت عورتوں سے بھر لیا،یہاں تک کہ ہر سال اس کے تین چار بیٹے پیدا ہوتے تھے۔ذاتی کردار میں تضادات تھے،ملک نائب کی محبت میں سلطان اندھا بنا رہا۔یہ شخص سلطان کا مفعول تھا۔مصنف تاریخ فیروز شاہی نے اس شخص کے بارے میں ''پیش بریدہ پس دریدہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں،جن کے ترجمے کی ضرورت نہیں۔

طغرل بیگ جو کہ بلبن کا غلام تھا،گورنر بنال تھا۔دارالخلافہ سے بنگال کا بہت دور ہونا،ذرائع آمد ورفت کی قلت اور بنگال کی ملیریا زدہ آب وہوا۔ان تینوں وجوہات کی رو سے دہلی کا بنگال پر کنٹرول کمزور تھا۔التمش نے بنگال کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنے بیٹے کو گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔التمش کے بعد بنگال سلطان کے قبضے سے ہر وقت نکالنے کے لئے کوشش کرتا رہتا تھا۔چنانچہ طغرل بیگ نے علمِ بغاوت بلند کیا۔اس نے اپنی خودمختاری اعلان کر دیا۔خراج بھیجنا بند کر دیا اور اپنی بادشاہی کے سکے بھی جاری کرے شروع کر دیئے اور اپنا خطاب سلطان مغیث الدین مشہور کر دیا۔ان فتوحات سے سرشار ہو کر طغرل بیگ لکھنوتی تک آ گیا اور آتے ہی فوجوں کا قلع قمع کیا ان پے درپے شکستوں سے سلطان نے خود فوج کی کمان سنبھال لی۔اور بنگال جا پہنچا۔بلبن کی آمد سے طغرل بیگ اتنا دہشت زدہ ہوا کہ وہ اپنے دارالخلافہ سے بھاگ گیا لیکن سلطان نے اپنی ایک خاص جنگی چال سے اسے آن لیا۔طغرل بیگ وہاں سے بھی بھاگ نکلا لیکن بلبن کے کسی سپاہی کے ہتھے چڑھ گیا جس نے اسے فوراً قتل کر دیا۔سلطان نے اس سپاہی کو طغرل کش کا خطاب دیا۔

1285ء میں سلطان محمد جو کہ بلبن کا چہیتا اور قابل ترین بیٹا تھا منگولوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔صدمہ سلطان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور 1286ء میں سلطان بلبن کی وفات ہوگئی۔

بلبن کے کارہائے نمایاں

بلبن کا چالیس سالہ دور آدھا بطور نائب السلطنت اور آدھا ایک مطلق العنان بادشاہ ہماری تاریخ میں ایک بے مثال واقعہ ہے۔وہ زمانہ نہایت ہی کشاکش اور آشوب کا دور تھا اور بلبن نے مشکلات کا مقابلہ نہایت ہی جواں مردی سے کیا۔اس نے سلطان کے عہدے کا وقار اور عب بحال کیا۔اس کا دربار ایک عظیم الشان دربار تھا، جس میں شان وشوکت انتہا پر ہوتی تھی۔سلطان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت سنجیدہ مزاج تھا۔کبھی کسی نے اسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔جوانی میں شراب کا شوقین تھا لیکن سلطان بننے کے بعد اس سے مکمل طور پر پرہیز کیا۔ذاتی زندگی میں سلطان ایک مشفق باپ تھا۔اپنے وفادار ملازموں کے ساتھ سلطان کا سلوک نہایت ہی اچھا تھا۔لیکن حکم عدولی کرنے والوں کے لئے نہایت سخت سزا عام طور پر موت ہی نافذ کی جاتی تھی۔ایک جنگجو اور بہادر شاہ،اعلیٰ پایہ کا سیاست دان تھا۔اس نے نوزائیدہ مسلم ریاست کو تباہی سے بچایا۔انہی کارناموں کی وجہ ممکن ہوا کہ علاءالدین خلجی بعد از اں مغلوں کے سخت ترین حملوں کو دبانے میں کامیاب ہوا۔1286ء بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا کیقبا دتخت نشین ہوا،جس کی عمر صرف سترہ سال تھی،عیاشی کی لت میں پڑ گیا۔اس کا وزیر نظام الدین سب کچھ کرتا دھرتا تھا۔خود سارا وقت اپنی طاقت کو مستحکم بنانے میں گزارتا تھا

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

تا کہ بالآخر تخت پر قبضہ کر سکے۔اس سے تمام سلطنت میں غیر یقینی کی فضا پھیل گئی۔اس نے بہت سے مخالفین کو ختم کروایا۔امراء ترک النسل اور پٹھان (خلجی) تھے،ان کی آپس میں کش مکش رنگ لائی۔آخرکار جلال الدین خلجی نے کیقباد کو مروا دیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔اس طرح سے خاندان غلاماں کا خاتمہ ہو گیا۔

(2) ظہیرالدین بابر۔

جواب۔

ظہیرالدین محمد بابر(پیدائش:1483ء-وفات:1530ء)ہندوستان میں مغل سلطنت کا بانی تھا۔انہیں ماں پیار سے بابر(شیر) کہتی تھی۔اس کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ (ترکستان) کا حاکم تھا۔باپ کی طرف سے تیمور اور ماں قتلغ نگار خانم کی طرف سے چنگیز خان کی نسل سے تھا۔اس طرح اس کی رگوں میں دو بڑے فاتحین کا خون تھا۔بارہ برس کا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔چچا اور ماموں نے شورش برپا کر دی جس کی وجہ سے گیارہ برس تک پریشان رہا۔کبھی تخت پر قابض ہوتا اور کبھی بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہو جاتا۔بالآخر 1504ء میں بلخ اور کابل کا حاکم بن گیا۔یہاں سے اس نے ہندوستان کی طرف اپنے مقبوضات کو پھیلانا شروع کیا۔

پہلی جنگ پانی پت:21اپریل 1526ء

مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر اور سلطان ابراہیم لودھی شاہ دہلی کے درمیان میں 1526ء میں پانی پت کے میدان میں ہوئی۔سلطان ابراہیم لودھی کی فوج ایک لاکھ جوانوں پر مشتمل تھی۔اور بابر کے ساتھ صرف بارہ ہزار آدمی تھے۔مگر بابر خود ایک تجربہ کار سپہ سالار اور فن حرب سے اچھی طرح واقف تھا۔سلطان ابراہیم لودھی کی فوج نے زبردست مقابلہ کیا۔مگر شکست کھائی۔سلطان ابراہیم لودھی اپنے امرا اور فوج میں مقبول نہ تھا۔وہ ایک شکی مزاج انسان تھا،لاتعداد امرا اس کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے، یہی وجہ ہے کہ دولت خان لودھی حاکم پنجاب نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور مالی و فوجی مدد کا یقین دلایا۔بابر اور ابراہیم لودھی کا آمنا سامنا ہوا تو لودھی فوج بہت جلد تتر بتر ہو گئی۔سلطان ابراہیم لودھی مارا گیا اور بابر فاتح رہا۔پانی پت کی جنگ میں فتح پانے کے بعد بابر نے ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔بابر فاتحانہ انداز میں دہلی میں داخل ہوا۔یہاں اس کا استقبال ابراہیم لودھی کی ماں بوا بیگم نے کیا۔بابر نے نہایت ادب و احترام سے اسے ماں کا درجہ دیا۔دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے اندرونی بغاوت کو فرو کیا پھر گوالیار،حصار،ریاست میوات،بنگال اور بہار وغیرہ کو فتح کیا۔اس کی حکومت کابل سے بنگال تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی۔26دسمبر،1530ء کو آگرہ میں انتقال کیا اور حسب وصیت کابل میں دفن ہوا۔اس کے پڑپوتے جہانگیر نے اس کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنوائی جو بابر باغ کے نام سے مشہور ہے۔بارہ سال کی عمر سے مرتے دم تک اس بہادر بادشاہ کے ہاتھ سے تلوار نہ چھٹی اور بالآخر اپنی آئندہ نسل کے لیے ہندوستان میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوا۔تزک بابری اس کی مشہور تصنیف ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف تلوار کا دھنی تھا،بلکہ قلم کا بھی بادشاہ تھا۔فارسی اور ترکی زبانوں کا شاعر بھی تھا اور موسیقی سے بھی خاصا شغف تھا۔

39۔ ترائن کی جنگیں کس کے دور میں لڑی گئیں؟

جواب۔

شہاب الدین غوری افواج کا زبردست جنگجو اور سپہ سالار تھا۔وہ اپنی ریاست کو محمود غزنوی کی ریاست سے بھی وسیع کرنا چاہتا تھا۔اس نے 1175ء ۰ میں ہندوستان پر پہلی بار حملہ کر کے ملتان کو فتح کر لیا،اس کے بعد وہ اچ پہنچا جواب بہاولپور ڈویژن میں ہے ہندوستان کے لیے ہونیوالی جنگ نہایت نزدیک تھی شہاب الدین کے پاس اجمیر و دہلی کے راجہ اور زبردست لڑاکا پرتھوی راج سے مقابلے کے لیے اچھی فوج موجود تھی۔

پہلی جنگ

درمیان پہلے معرکے میں پرتھوی راج کا پلہ بھاری رہا شہاب الدین کو جنوب مشرقی پنجاب میں تھانیسار کے نزدیک ترائین کے مقام پر شکست ہوئی شہاب الدین نہایت شدید زخمی ہوا اور غوری افواج میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں،جس پر شہاب الدین کو شدید شرمندگی ہوئی اور اس نے اپنے ان تمام فوجیوں کو سزا دی جنہوں نے دشمن کو پیٹھ دکھائی تھی۔

دوسری جنگ

1192ء میں شہاب الدین غور مکمل تیاری اور پہلے سے مضبوط فوج کے ساتھ واپس آیا پرتھوی راج بھی اپنے اتحادیوں کے ہمراہ آگے بڑھا۔محمد قاسم فرشتہ کے مطابق پرتھوی راج چوہان کی تین لاکھ گھڑ سوار فوج 3000 ہاتھیوں کے ساتھ غور کے حکمران شہاب الدین محمد کے سامنے کھڑی تھی۔غوری کی فوج میں ایک لاکھ بیس ہزار افغان،تاجک اور ترک فوجی شامل تھے جو ملتان اور لاہور سے گزرتے ہوئے ترائن پہنچے تھے۔صبح غوری نے حملے کا آغاز کیا۔ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک ہولناک جنگ چھڑی۔ایک پہر دن چڑھنے پر غوری نے پسپائی اختیار کرنے کی چال چلی۔

5۔ کس سلطان نے سلطنت عباسیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھا؟

جواب۔ قطب الدین ایبک۔

6۔ بابر نے پنجاب پر کتنے حملے کئے؟

جواب۔ پانچ

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے،ایم ایس سی ،ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک ،ایف اے سے آئی کام ،بی اے سے بی کام ،بی ایڈ ،بی ایس ،ایم اے،ایم ایڈ ،ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

سوال نمبر 40۔ اسلام سے قبل برصغیر کے مذہبی، معاشرتی اور معاشی حالات پر تنقیدی نوٹ تحریر کریں۔

جواب: سیاسی حالات: شمالی ہندوستان میں برصغیر خصوصاً پاکستان کا موجودہ علاقہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندو تہذیب و ثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ سرحد، بلوچستان میں یعنی قابل اور قندھار سے مسلمانوں کی آمد ملتان تک بدھ مت کا دور دورہ تھا۔ سندھ میں برہمنوں کی طاقت اور فوقیت حاصل تھی۔ لیکن ہندو ثقافت کا شاندار دور ختم ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔ گپت خاندان کی شادی شان و شوکت اور استحکام اشوک کا انصاف اب پرانے زمانے کی کہانیاں تھیں۔ ہندو حکمران پرش کی وفات کے پانچ سال بعد تک برصغیر میں طائف املوکی کا یعنی خود مختاری کے رجحانات کا دور دورہ تھا۔ کوئی ایک مرکزی حکومت قائم نہ ہو سکی۔ مختلف جگہوں پر زمینداریاں اور جاگیریں تھیں۔ جس کا بس چلتا اپنی جاگیریں توسیع کر لیتا اور دوسروں کی جاگیریں توسیع یعنی چھین لیتا۔

پنجاب پر پانچ صدی عیسوی سے راجپوت حکمران تھے۔ سندھ پر برہمنوں نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ بلوچستان میں کئی قبائلی سردار حکومت کر رہے تھے۔ اور کشمیر بھی مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس دور میں صرف قنوج، اجمیر، بنگال، اور رکن میں کچھ ہندو راجاؤں نے ریاستوں کو مقام دیا۔ برصغیر میں مرکزیت اور یہاں کے باشندے میں ہندوستانی ہونے کا شعور بھی موجود نہیں تھا۔

معاشرتی حالات: مسلمانوں کی آمد سے قبل برصغیر کا معاشرہ مختلف طبقوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ فرعون نے تو معاشرے کے دو گروہ بنائے تھے۔ ایک امیر اور ایک غریب۔ لیکن برہمنوں نے برصغیر میں کئی ذاتوں کو طبقوں کی صورت دے رکھی تھی۔ ذاتوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

1۔ برہمن 2۔ کھشتری 3۔ ویش 4۔ شودر

کاشان اکیڈمی

برہمن: یہ سب سے بلند ذات گردانی جاتی تھی اور ان کو معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

کھشتری: برہمن کے بعد طاقتور ذات کھشتری تھی۔ ان کا کام ملک کی حفاظت تھا۔

0334-5504551

ویش: یہ تیسری ذات تھی اور یہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

شودر: یہ سب سے نچلی ذات ہے اور ان کو معاشرتی استحصالی کا شکار رکھا جاتا تھا۔

Download Free Assignments from

اخلاقی انحطاط: ذات پات کا یہ نظام اخلاقی کمزوریوں کا سبب بنا ہر طبقہ دلی طور پر دوسرے سے نفرت کرتا تھا۔ معاشرتی بنیاد پر ظلم و ستم موجود تھا۔

معاشرتی رسمیں: شادی معاشرے کی بنیادی رسم ہے۔ ہندو معاشرے میں بچپن میں شادی عام تھی۔ شادی صرف خاندان یا ذات کے طور پر اندر ہی ہو سکتی ہے۔ برہمن کو صرف چار شادیاں کرنے کی اجازت تھی۔ شوہر مر جاتا تو بیوہ کو دوبارہ دوسری شادی کو عمر بھر اجازت نہ تھی۔

Solvedassignmentsaiou.com

عورت کا مقام: ہندو معاشرے میں عورت کم تر اور ذلیل ترین مخلوق تھی۔ ہندو دھرم کے مطابق بچپن میں لڑکی کو باپ کی فرمانبردار ہونا چاہئے۔ جوانی میں شوہر کی خدمت کرنی چاہئے۔

بود و باش: ہندوؤں کا رہنا سہنا غلاظت آمیز تھا۔ یہ اپنے جسم کے کسی حصے کے بال نہ تراشتے تھے۔ جسم زیادہ تر ننگا رہتا تھا۔ ناخنوں کو بڑھانے الگ الگ کھانا کھاتے اور بچا کھچا کھانا پھینک دیتے۔

تعلیم: ہندومت میں تعلیم حاصل کرنے کا حق صرف برہمنوں کو تھا ٹیکسلا اور سیالکوٹ کی درسگاہیں قائم تھیں۔ یہاں بھی صرف اونچی ذات کے لوگ داخلہ لے سکتے تھے۔

ذہنی ماحول: برصغیر کو اگر دیہاتی معاشرہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ دیہات آج بھی یہاں کے سیاسی اور معاشرتی امور کی نگرانی کر رہا ہے۔ زمینداروں اور دیہی برادریاں دیہات میں قائم ہیں یہ صورتحال مسلمانوں کی آمد سے پہلے موجود تھی۔

تجارت: برصغیر میں تجارت ویش کے ہاتھ میں تھی جو نسل در نسل اپنے کام کے ماہر ہوتے۔ گنے اوم، یونان، چین۔ مصر۔ عرب تک ان کے تجارتی قافلے جاتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے بندرگاہوں میں بحری جہاز، تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ مالابار اور دیبل کی بندرگاہیں مسلمانوں کی آمد سے وقت قابل ذکر ہیں۔ ویش کو اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ برہمن کو پیش کرنا پڑتا ہے۔

زراعت: برصغیر بنیادی طور پر زرعی علاقہ ہے اس کا معاشرہ بھی زرعی معاشرہ تھا دیہات قائم ہونے زمینداریاں وجود میں آئیں۔ لوٹ کھسوٹ یا ایک سلسلہ جاری ہوا۔ زراعت میں ترقی نہ ہونے کے برابر تھی۔ دریاؤں کے ارد گرد کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ یہ کام کسان کا تھا کسان کا کام بے حد ہوتا تھا۔ جو بے حد غریب تھا۔ اس کے باوجود پاکستان کا علاقہ برصغیر کے لئے اناج مہیا کرتا رہا تھا۔ کسی حد تک زراعت دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر ہوتی تھی۔

سودی کاروبار: تجارت اور زراعت کا دارومدار روپے پر تھا۔ عام تاجر کے پاس لگان، قحط اور لوٹ مار کے بعد تباہی کے بعد پیسہ بچتا ہی کہاں تھا۔ چنانچہ ضرورت کے وقت اسے ساہوکار سے روپیہ قرض لینا پڑتا ہے اس سود کی شرح عموماً دس فی صد سالانہ تک ہوتی سود کی رقم پر سود مرکب وصول کیا جاتا۔

عام معاشی حالت: ساتویں صدی عیسویں میں برصغیر میں عام معاشی حالات دل گرد وں تھی۔ روپیہ سونا چاندی، اور قیمتی جوہر برہمنوں اور ساہوکاروں کے پاس ہوتے تھے۔ عوام ایک وقت کے بعد دوستے وقت میں روٹی کی تلاش میں رہتے۔ غربت کے باعث عوام لباس نہ پہن سکے زیادہ سے زیادہ لنگوٹی ان کے پاس ہوتی۔ رفتہ رفتہ چارے سے جسم ڈھانپا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے یہاں تک لوگوں کو شلوار قمیض اور پاجامہ سے روشناس کرایا۔ چنانچہ سندھ، بلوچستان، سرحد نے شلوار قمیض کا رواج حاصل کیا جوا، قمار بازی عام تھی۔ ملاوٹ، فریب، قتل عام تھی۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

سوال نمبر 41 سلاطین دہلی کے صوبائی نظام کا تنقید جائزہ لیں۔

جواب۔

سلطنت دہلی کا قیام۔ سلطان محمد غوری نے 1206ء میں گکھڑوں کے ہاتھوں سوہاوہ کے قریب دمیک کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو اس کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمود غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کا خودمختار حکمران تسلیم کرلیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی جو بابر کے حملے (1526ء) تک قائم رہی۔ سلاطین دہلی خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کر کے نظام حکومت چلاتے رہے۔ سلطان شمس الدین التمش، سلطان محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے قانونی جواز کے لئے عباسی خلفاء سے باقاعدہ منشور حکومت حاصل کئے۔ باقی سلطان خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اور خطبات جمعہ وعیدین میں عباسی خلیفہ کا نام لے کر اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔ سلاطین دہلی کے سکوں پر ایک طرف سلطان کا نام اور دوسرے طرف عباسی خلیفہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔ اس طرح انہوں نے اپنی حکومت کا قانونی جواز تلاش کرلیا تھا۔

سلطان۔ سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا۔ حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا۔ قانونی اور اصولی طور پر سلطان خلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔ جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خودمختار، مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔ وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔ وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔ سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدوداروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔ یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کر لیتا تھا۔ لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔

کاشان اکیڈمی

سلاطین کو عدل وانصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ سلطنت کے اہم شہروں اور قصبوں میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی موجود رہتے تھے۔ کبھی کبھی سلطان خود بھی مقدمے سن لیتا تھا۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ محمد بن تغلق خود کو سلطان عدل کہلانا پسند کرتا تھا۔ شیر شاہ سوری کو بھی اس کے ہم عصروں نے سلطان عادل کا خطاب دیا تھا۔ قومی نوعیت کے اہم مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے سلطان علماء اور مشائخ کا محضر طلب کر لیتا تھا۔ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف علماء کی شکایت پر محضر طلب کئے تھے۔

0334-5504551
Download Free Assignments from

نائب المملکت۔ سلطان کے بعد نائب المملکت یا نائب المما لک کا عہدہ سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس عہدے پر فائز سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا اور اس کا منصب وزیر سے بڑا ہوتا تھا۔ یہ عہدہ مستقل نہ تھا۔ اس لئے بعض سلاطین کے عہد میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے زمانے میں نائب المملکت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن سلطان کی دارالحکومت سے غیر موجودگی کے زمانے میں وہ اس کے نائب کی حیثیت سے تمام اختیارات استعمال کرتا تھا۔

Solvedassignmentsaiou.com

کمزور سلاطین کے عہد میں سلطان کی دارلحکومت میں موجودگی کے باعث نائب المملکت بڑا صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا اور سلاطین ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہتے تھے۔ محمد بن تغلق جب گجرات سے باغی گورنر طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گجرات کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ جہاں کو نائب المملکت بنا گیا۔ محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اس نے ایک مجہول النسب لڑکے کو سلطان کا فرزند ظاہر کر کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ سلطان فیروز تغلق بھی جب کبھی دہلی سے باہر جاتا تو اپنے وزیر خواجہ جہاں کو اپنا نائب بنا جاتا تھا۔

وزیر۔ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ وہ حکمران کی بہت سے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر اسے سبکدوش کر دیتا ہے اس لئے اسے وزیر کہا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کے ہاں منصب وزارت میں بڑی اہمیت تھی۔ بیشتر سلاطین اپنا وقت فتوحات، سیر وشکار اور مجالس عیش وطرب میں گزارتے تھے۔ اس لئے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری وزیر پر آتی تھی۔ وزیر کے فرائض میں سلطان کو اہم امور میں مشورہ دینا، محکمہ مال کی نگرانی کرنا، خزانے کا حساب کتاب رکھنا، عمال کا تقرر اور معطلی، خراج، لگان اور دوسرے واجبات کی وصولی۔ سلطنت کی فلاح وبہبود کا خیال رکھنا، عوام کو ہر حال میں مطمئن رکھنا، مہمات کی نگرانی کرنا، سلطان کی ضروریات اور آرائش کا خیال رکھنا، شاہی اصطبل کی نگہداشت، فوجیوں کی بھرتی اور تربیت، یتیموں اور بیوہ عورتوں کی سرپرستی، علماء ومشائخ کی خدمت، ترویج علم کے لئے کوشش کرنا اور روزمرہ کا کام چلانا تھا۔ بالفاظ دیگر حکومت کا کوئی شعبہ اس کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

دیوان عرض۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں محکمہ دفاع ''دیوان عرض'' کہلاتا تھا اور اس کے سربراہ کو ''عارض مما لک'' کہتے تھے۔ اس کے فرائض میں فوج کی بھرتی اور تربیت، فوجوں کی تنخواہوں کی ادائیگی، اسلحہ کی فراہمی، فوج کے لئے رسد کا اہتمام، گھوڑوں کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال، بار برداری کے لئے جانوروں کی فراہمی اور اپنے محکمہ سے متعلقہ ریکارڈ کی تیاری شامل تھے۔ عارض مما لک سال میں کم از کم ایک بار فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کا معائنہ کرتا تھا۔ دیوان عرض کے محکمے میں تمام فوجیوں اور جانوروں کا حلیہ اور شناختی نشانوں کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔

دیوان رسالت۔ دیوان رسالت امور خارجہ کا محکمہ تھا۔ اس محکمے کو ہمسایہ مما لک کے حکمرانوں سے خط وکتابت کرنا پڑتی تھی، اس لئے اس کا نام دیوان رسالت پڑ گیا۔ سلاطین دہلی دربار خلافت کے ساتھ باقاعدہ تعلقات رکھتے تھے۔ سفیروں اور تحائف کے تبادلے کے علاوہ خط بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ جب سلطان کسی دشمن پر فتح پاتا یا کوئی اہم علاقہ فتح کرتا تو اپنے اس کارنامے کا ذکر فخریہ انداز میں ہمسایہ مما لک کے حکمرانوں کو لکھ کر بھیجتا تھا۔ غیر مما لک سے جو سفیر آیا کرتے تھے، ان کی دیکھ بھال اور آؤ بھگت بھی اسی محکمہ کے ذمہ داری تھی۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

صدور الصدور۔ مذہبی امور اوقاف صدر الصدور کی نگرانی میں تھے۔ سلطان کسی معروف عالم کو اس منصب پر فائز کرتا تھا۔ اس کے ذمہ اوقاف کی دیکھ بھال، دینی مدارس کی سرپرستی، علوم دینیہ کی اشاعت، مساجد کی تعمیر اور خطیبوں اور موذنوں کا تقرر، علماء مشائخ، سادات، یتامی اور بیوگان کی مالی امداد، غربا اور مساکین کی دیکھ بھال اور خانقاہوں کی امداد شامل تھے۔ یہ منصب بڑا اہم اور تقدس کا حامل تھا۔

دیوان قضاء۔ محکمہ عدل وانصاف دیوان قضا کہلاتا تھا۔ اس محکمہ کا سربراہ قاضی القضاۃ یا قاضی الممالک کہلاتا تھا۔ اس کے ماتحت صوبوں میں قاضی ہوتے تھے۔ قاضی کے فرائض میں مقدمات کا فیصلہ کرنا، حدود کا نفاذ، حلف لینا، گواہی قبول کرنا (جیسے رویت ہلال کے بارے میں)، ترویج یتامیٰ، اوقات کی نگرانی، خطباء وآئمہ کی دیکھ بھال، متوفی کی وصیت پر عمل درآمد، لاوارث جائیداد کی نگہداشت، گمشدہ اموال اور امانتوں کی خبر گیری اور سرکاری عمال کے بارے میں شکایات سننا شامل تھے۔ عہد سلاطین میں قاضی مغیث الدین جیسے کئی نامور قاضی ہوگزرے ہیں۔ جو کلمہ حق کہنے سے باز نہیں آتے تھے۔

دیوان انشاء۔ یہ محکمہ شاہی خط وکتابت کا ذمہ دار تھا۔ موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے سیکریٹریٹ کہنا چاہیئے۔ اس محکمہ کا نگران "دبیر خاص" کہلاتا تھا اور اس کے ماتحت بہت سے کاتب ہوا کرتے تھے۔ یہ محکمہ اعلیٰ افسروں کے نام فرامین جاری کرتا تھا۔ سلاطین کی صوبائی گورنروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ خط وکتابت بھی اسی محکمہ کے توسط سے ہوا کرتی تھی۔ عہدہ داروں کے تقرر اور موقوفی کا ریکارڈ بھی یہیں رہتا تھا۔ سلطان دبیر خاص کو خط کا مفہوم بتادیتا اور وہ اپنے فصیح وبلیغ الفاظ کا جامعہ پہنا دیتا۔

دیوانِ برید:۔ اس محکمہ کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کو ملک کے ہر حصے سے کسی بھی قسم کی خبر فوراً پہنچائی جائے اس محکمے کے سربراہ کو برید الممالک کہا جاتا تھا۔ یہ ایک طرح کی سراغرساں ایجنسی تھی۔ سلاطین کے دور میں مواصلات کا نظام کم تھا۔ اسلئے جاسوس چھوڑ دیئے جاتے تھے تاکہ مقامی عہدیداروں کی "ناجائز وجائز" سرگرمیوں کا علم ہو سکے۔

کاشان اکیڈمی

کوتوال۔ شہر میں پولیس کا اعلیٰ افسر کوتوال کہلاتا تھا۔ شہر میں امن وامان کا قیام اس کے فرائض میں شامل تھا۔ وہ چوروں، ڈاکوؤں، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ بسااوقات وہ رات کے وقت شہر میں گشت کیا کرتا تھا۔ محتسب کی طرح وہ بھی برائی کے اڈوں کو ختم کرنے کا ذمہ دار تھا۔ شہر کے دروازوں کو نماز مغرب کے بعد بند کروانا اور فجر کے وقت کھلوانا اس کی ذمہ داری تھی۔

0334-5504551

وکیل در۔ سلطان کے ذاتی عملے کا سربارہ وکیل در کہلاتا تھا۔ شاہ محلات کے ملازمین، چوبدار، نقیب، سلطان کے ذاتی غلام، محلات کے حفاظتی دستے اور اہل کار اس کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کی تنخواہ بھی اسی کے توسط سے تقسیم ہوتی تھی۔ وہ شاہی مطبخ، آبدار خانہ، فیل خانہ اور اصطبل کا بھی نگران ہوتا تھا۔ شاہی بیگمات کی ضروریات کا خیال رکھنا اور شہزادوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

امیر حاجب۔ وکیل در کے بعد اہمیت کے اعتبار سے امیر حاجب کا عہدہ تھا۔ عباسی حکومت میں اس عہدے کا پتہ چلتا تھا۔ وہیں سے دہلی کی سلطنت میں اس کا رواج پڑا۔ سلطان عموماً محلات کے اندر رہتا تھا اور عوام وخواص کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھتا تھا۔ بڑے بڑے افسر بھی سلطان سے ملنے کے لئے کئی کئی روز اس کا انتظار کیا کرتے تھے۔ یہ امیر حاجب کی ذمہ داری تھی کہ وہ سرکاری افسروں اور ضرورت مندوں کو سلطان کے حضور پیش کرے اور ان کا تعارف کرائے۔ فریادی بھی اسی کے توسط سے اپنی عرضداشتیں سلطان کے ضور میں پیش کیا کرتے تھے۔

نقیب۔ جب سلطان اپنے محل سے باہر آتا تو نقیب اس کی آمد کا اعلان کرتا، وہ شاہی جلوس کے آگے آگے چلتا اور لوگوں کو باادب رہنے کی تلقین کرتا۔ گویا معمولی سا عہدہ تھا لیکن سلطان کے قریب کی وکہ سے بڑا معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ نقیب کے سر پر مور کے پروں والا طلائی مکٹ اور ہاتھ میں سونے کا گرز ہوا کرتا تھا۔ نقیبوں کا افسر اعلیٰ، نقیب النقبا کہلاتا تھا۔

جاندار۔ سلطان کے ذاتی محافظ جاندار کہلاتے تھے۔ ان کے افسر اعلیٰ کو سر جاندار کہتے تھے۔ اس دستے میں بڑے صحت مند، بلند قامت، وجیہہ اور بہادر جوان بھرتی کئے جاتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے سیستان سے دیوقامت جوان بلا کر اس دستے میں بھرتی کئے تھے۔ ضیاء الدین برنی کی روایت ہے کہ ان کے جاہ وجلال کو دیکھ کر کمزوردل انسان بیہوش ہوجایا کرتے تھے۔

سوال نمبر 42۔ برصغیر میں مسلم فاتحین کے زیر اثر قائم ہونے والے اہم علمی اور تہذیبی مراکز پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

جواب:

برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے جو اثرات ونتائج: برصغیر میں اسلامی تعلیم وتبلیغ کا پہلا مرکز مالابار تھا۔ وہاں کے راجہ نے حضور اکرم ﷺ کے زمانے ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ اسی طرح جزائر سراندیپ میں عرب تاجروں کی آمدورفت سے اسلام کی روشنی پھیلی اور وہاں کا راجہ بھی مشرف بہ اسلام ہوا۔ چنانچہ اس طرح رفتہ رفتہ برصغیر کے دوسرے حصوں میں بھی اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور مسلم معاشرہ تشکیل پاتا چلا گیا لیکن یہاں یہ بات ضرور ذہن میں تازہ کرلینی چاہیئے کہ مسلم معاشرے سے قبل ہندوؤں کا رہن سہن کیسا تھا۔ اور ان کے معاشرتی احوال کیسے تھے۔ اس کیلئے یہ نکات پیش نظر رہنے چاہئیں:

برصغیر میں ہندوؤں کا معاشرہ ذات پات کی تفریق کی وجہ سے مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ برہمن سب سے اونچی ذات سمجھی جاتی تھی۔ تعلیم حاصل کرنا، خصوصاً مذہبی تعلیم کا حصول صرف برہمنوں سے مخصوص تھا۔ برہمن سب سے اونچی ذات سمجھے جاتے تھے۔ انہیں ویدوں کے کلمات سننے کی اجازت نہ تھی۔ معاشرہ اخلاقی طور پر بہت ساری کمزوریوں اور خرابیوں کا شکار تھا۔ سود خوری، منافع خوری، جوابازی اور ستی کا رواج تھا۔ بت پرستی عام تھی۔ عورت کو معاشرے میں عزت کا کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ چنانچہ

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

اس قسم کے معاشرے میں پاکیزہ زندگی کا کوئی تصور نہ تھا۔ زندگی میں پاکیزگی، توازن اور مساوات وانصاف کی اقدار کیلئے ابھی مسلم معاشرے کے قیام کا انتظار تھا۔

1۔ ثقافتی اثرات: مسلمانوں کی آمد سے خصوصاً محمود غزنوی کے حملوں کے بعد برصغیر میں اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بڑی مدد ملی۔ لباس، خوراک اور رہن سہن میں تبدیلی آئی۔ اسی طرح علم وادب کو فروغ حاصل ہوا، فن تعمیر اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترقی وترویج کے سلسلے میں نہایت مثبت نتائج مرتب ہوئے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبانوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کے ملاپ سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی جو ہندوستانی تہذیب کہلائی۔ سندھی رسم الخط، سندھی زبان پھر اردو زبان اسی تہذیب کی پیداوار تھی۔

2۔ معاشی پیداوار: ہندو برہمنوں نے اپنے مندروں میں بے اندازہ دولت جمع کر رکھی تھی۔ محمود غزنوی کے حملوں کے نتیجے میں یہ دولت مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی اور عالم اسلام پر صرف ہونے لگی۔ محمود غزنوی نے اس دولت سے اپنی فوج کی تنظیم نو کی، اپنی سلطنت کو مضبوط کیا اور غزنہ میں عالی شان عمارات سر اٹھانے لگی۔ برصغیر میں فوری طور پر سونے چاندی کے ذخیرے کم ہو گئے۔ لیکن چونکہ یہ بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور اس وقت یہاں لوٹ کھسوٹ کرنے والے برہمن اپنا اثر ورسوخ کھو چکے تھے، اسی لئے چند ہی برسوں میں کسانوں کی خوشحالی میں اضافہ ہو گیا، عربی نسل کے گھوڑوں اور اونٹوں کی افزائش ہونے لگی۔ اور کھجوروں کی بہتات ہو گئی۔ تجارت کو دیانت اور امانت کی بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ جس سے ہندوستان کی معیشت کو استحکام حاصل ہوا۔

3۔ علمی اثرات: اس دور میں علوم وفنون کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ عباسی خلفا نے ہندی کتابوں کے تراجم میں دلچسپی لی، چنانچہ فلکیات کی کتابیں سدہانت، آریہ بھٹ اور کھنڈ یا کھنڈ سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئی۔ ہندوستانی اعداد اور صفر لکھنے کے طریقے کو مسلمانوں نے ترقی دے کر عربی ہندسوں سے روشناس کرایا۔ اس سے گنتی لکھنا آسان ہو گیا۔ طب پر ہندو پنڈتوں کی کتابیں خصوصاً سشرت، چرک اور چانکیہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ سنسکرت کی کتاب پنچ تنتر کا فارسی ترجمہ کلیلہ ودمنہ اور کئی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہوئے۔ نویں صدی عیسوی کے اواخر میں قرآن مجید کا سندھی میں ترجمہ ہوا۔ اس سے سندھی زبان میں اسلام کی اشاعت کو فروغ حاصل ہوا۔ محمود غزنوی کے دور میں غزنہ کا دربار علم وادب کا مرکز بن گیا جو رفتہ رفتہ لاہور منتقل ہو گیا۔ اس کے دربار میں البیرونی، فارابی، بیہقی ارنا صحی جیسے ممتاز علما موجود تھے۔ لاہور میں اس کے ساتھ البیرونی، مسعود سعد سلمان جیسے علما آئے اور سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے دور میں داتا گنج بخشؒ جیسے صوفیا تشریف لائے۔

4۔ مذہبی اثرات: سندھ ملتان اور پنجاب کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی سلطنت کم وبیش پورے برصغیر میں قائم ہو گئی اسلامی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی علم وفضل اور عدل ومساوات کا دور دورہ ہو گیا۔ اسلامی علوم وفنون کو بڑی ترقی ملی ور مسلمان بادشاہوں نے بڑے بڑے شہروں میں عالی شان محل، ایوان اور مساجد تعمیر کرائیں۔ اسطرح برصغیر میں فن تعمیر کا ایک نیا اور جداگانہ انداز رائج ہوا۔ وسط ایشیا سے آنے والے بے شمار عالموں اور صوفیوں نے برصغیر میں اسلام کی اشاعت اور ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں لاکھوں انسانوں کی اصلاح کر کے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ ایک طرف تو مسلمان حکمرانوں نے عادلانہ نظام حکومت قائم کر کے پرانے طبقاتی نظام اور ذات پات کی تفریق کا سلسلہ ختم کیا۔ دوسری طرف صوفیا اور علماء نے عوام سے قریبی تعلق قائم کر کے ان کی ہدایت اور اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ ان کی خانقاہیں اور درسگاہیں مسلمان معاشرے کی اہم تہذیبی اور تربیتی مرکز ہوا کرتی تھیں۔ یہ ان بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج یاں کی سرزمین کی آبادی کا بڑا حصہ مسلمان ہے۔ انہوں نے یہاں کی معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے جو اثرات ونتائج برآمد ہوئے جیسے: برصغیر کا بیرونی دنیا سے تعلق قائم ہوا اور باہمی تجارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب علاقوں میں ایک ہی طرح کا نظم ونسق قائم ہونے سے انتظامی ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔ فن تعمیر کا نیا انداز قائم ہوا اور اعلیٰ صنعتوں کو فروغ حاصل ہوا۔ امن وامان کے قیام سے معاشی اور معاشرتی بہتری پیدا ہوئی۔ ایک عام ملکی زبان اردو وجود میں آئی۔ تصوف کی ترقی سے ایک عام رواداری اور باہمی میل جول کا رجحان پیدا ہوا۔ ثقافتی، علمی اور ادبی فضا قائم ہوئی۔ تہذیب وتمدن میں ترقی ہوئی۔ ہر آدمی کے لیے تعلیم عام ہو گئی۔ طبقاتی تقسیم کی حوصلہ شکنی ہوئی۔

سیاسی فاتحین جن علاقوں تک گئے، مسلمان تاجر، علما، صوفیا، طلبا اور سیاح بھی ان کے پیچھے وہاں پہنچے۔ چنانچہ شمالی ہندوستان اور بنگال دو اہم اسلامی مراکز بن گئے۔ برصغیر ایک مرکز تلے آ کر ایک سلطنت کی صورت اختیار کرنے لگا۔ رفاہِ عامہ کے کام ہونے لگے۔ علم خواص کے ہاتھوں سے نکل کر مدرسوں اور خانقاہوں میں پہنچ گیا۔ افواج اور سول انتظامیہ کی باقاعدہ تنظیم ہونے لگی۔ دو بڑی تہذیبوں کے ٹکراؤ سے ان علاقوں کا اپنا تمدن وجود میں آنے لگا جو اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی معاشرت کا حامل تھا۔ صوفیا عوام کے قریب رہ کر انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے لگے۔ سیاسی اور مذہبی کوششوں سے مقامی باہمی رابطے کی زبان پیدا ہوئی جسے پہلے ہندی اور پھر بعد میں اُردو کہا جانے لگا۔ عربی، ترکی اور فارسی کے بعد اُردو میں بھی بے شمار اسلامی کتابیں لکھی گئیں۔ تعمیرات میں انقلاب برپا ہوا۔ مساجد اور مدرسے تعمیر ہوئے اور کھلی اور روشن تعمیرات وجود میں آنے لگیں۔

سوال نمبر 43۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی دو پر نوٹ لکھیں۔

(الف) لودھی خاندان۔

جواب۔

لودھی سلطنت، دہلی کی آخری سلطنت، جو 1451ء سے 1526ء تک قائم رہی۔ 1412ء میں سلطان ناصر الدین محمود شاہ تغلق کے انتقال کے بعد سلطنت دہلی میں کئی سال تک ہنگامے رہے اور سیدوں کا خاندان مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ لیکن 1451ء میں لاہور اور سرہند کے پٹھان صوبہدار بہلول

کاشان اکیڈمی 0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

لودھی (1451ء تا1489ء) نے دہلی پر قبضہ کر کے ایک بار پھر مضبوط حکومت قائم کر دی جو لودھی سلطنت کہلائی۔ اس نے جونپور بھی فتح کر لیا جہاں ایک آزاد حکومت قائم ہو گئی تھی۔ دہلی کی یہ لودھی سلطنت اگرچہ جونپور پٹودی سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن دہلی کی مرکزی حکومت کے مقابلے میں بہت چھوٹی تھی۔ اس کی حیثیت سب مقامی حکومتوں کی طرح صرف ایک صوبائی حکومت کی تھی۔ لودھی خاندان میں سب سے زیادہ شہرت بہلول کے لڑکے سکندر لودھی (1489ء تا1517ء) کو حاصل ہے۔ آگرہ کے شہر کی بنیاد اس نے ڈالی۔ اس زمانے میں آگرہ کا نام سکندر آباد تھا۔ شہر آباد ہو جانے کے بعد سکندر لودھی نے دہلی کی بجائے آگرہ کو دارالحکومت بنا لیا۔ وہ سادہ طبیعت کا حامل تھا شاہی لباس میں تکلف پسند نہ کرتا تھا۔ انتظام مملکت اور رعایا کو خوشحالی کے لیے اقدامات میں مشغولیت، جاڑے میں کپڑے اور شالوں کی تقسیم اور محتاجوں کو کھانے کی فراہمی میں خوشی محسوس کرتا تھا۔ ہر چھ ماہ بعد محتاجوں اور مسکینوں کی فہرست اس کے سامنے پیش ہوتی اور وہ چھ ماہ کے لیے ان کے وظیفے جاری کرتا۔

البتہ سکندر لودھی غصے کا تیز تھا جس کی وجہ سے وہ کبھی کبھی ہندوؤں سے زیادتی کر جاتا تھا۔ لیکن وہ وفادار ہندوؤں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتا تھا۔ سلطان کے زمانے میں ہندوؤں نے پہلی بار فارسی پڑھنا شروع کی اور اس نے ان ہندوؤں کو سرکاری ملازمتیں دیں۔ اس کے عہد میں سنسکرت کی کتابوں کا فارسی ترجمہ کیا گیا۔ سکندر کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی (1517ء تا1526ء) تخت پر بیٹھا۔ انتہائی نااہل حکمران تھا۔ اس کو دہلی کے قریب پانی پت کے میدان میں کابل کے مغل حکمران ظہیر الدین بابر کے ہاتھوں شکست ہوگئی اور اس طرح لودھی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور مغلیہ سلطنت کی بنیاد پڑی۔ یہ فیصلہ کن جنگ پانی پت کی پہلی لڑائی کہلاتی ہے۔

سکندر لودھی۔

کاشان اکیڈمی

سکندر لودھی علم وادب کا رسیا تھا اس نے حکام کا انتخاب ذاتی قابلیت کے بنا پر کیا لہٰذا اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لیے ہندوؤں نے فارسی زبان سیکھنا شروع کر دی۔ وہ ایک قابل عقلمند اور عادل بادشاہ تھا۔ صوفیا اکرام کا خاص ادب کرتا۔ اپنے لیے مراتب نہ لیتا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود عام گھوڑے پہ سواری کرتا اور سادگی اختیار کرتا سخاوت اس کی عادت تھی اور متانت مزاج کا حصہ۔ دہلی لودھیوں کا گڑھ رہا۔ لودھی گارڈن دہلی میں مدفون ہوا۔ اس کا مقبرہ اسے کے بیٹے ابراہیم لودھی نے تعمیر کروایا۔ اس نے عوام کے مفاد لیے بہت سے کام کیے۔

0334-5504551

بہلول لودھی۔

Download Free Assignments from

ہندوستان میں افغان لودھی سلطنت کا بانی۔ سادات کی بادشاہی میں سرہند کا حاکم تھا۔ اصل میں یہ افغانستان سے آئے ہوئے پٹھان قبیلہ سے تھے۔ لودھی/لودی، پشتو: لودی، ایک بتانی پشتون (غلزئی) قبیلہ ہے جو بنیادی طور پر افغانستان اور پاکستان کے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ ''لودھی'' اُن پشتون قبائل کا حصہ ہیں جنہیں مشرق میں ان علاقوں میں دھکیل دیا گیا تھا جو آج کل پاکستان کا حصہ ہیں۔ لودھی اکثر اپنے بنی اسرائیلی نسل ہونے پر فخر کرتے ہیں یہ اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ایک گمشدہ قبیلہ ہے جو افغانستان میں آ کے آباد ہوئے یہاں سے لودھی سوری خلجی پٹھان کے افراد ہندوستان میں جا آباد ہوئے۔ جس نے جنوبی ایشیا (ہندوو پاک) کا علاقہ فتح کیا تھا۔

Solvedassignmentsaiou.com

ابراہیم لودھی۔

لودھی قبیلہ نے اپنے آپ کو منظم کیا اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں اس خطہ زمین (ہندُستان) پر حکمران ہوئے۔ یہ بہترین لڑاکا افراد تھے۔ ان کے جد قیس عبدالرشید تھے جو انہیں اس مقام تک لانے میں اہم کردار کے حامل ہیں۔ پشتو زبان میں ارتقائی منازل طے کرتے کرتے یہ لفظ''لودی'' بنا، جو دراصل''لوئے دھا'' سے مشتق ہے، جس کے معنی بڑا شخص (اعلیٰ شخصیت) کے ہیں۔ اس قبیلے کے افراد نے حیرت انگیز ترقی پائی اور سلطنتِ دہلی پر حکومت کی۔ اس قبیلے کی ایک ممتاز شخصیت ''ابراہیم لودھی'' ہے (یہ دہلی کی سلطنت کا حکمران رہا ہے)۔ ''لودھی/لودھی خاندان'' کے افراد اپنے نام کے آخر میں''خان'' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں جو ایک لقب ہے اور ان کی شخصیت کو امتیاز عطا کرتا ہے۔ گویا''خان لودی'' یا''خان لودھی''، بعض اوقات صرف''خان'' یا''لودی/لودھی'' ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ ''خان'' ایک امتیازی نام ہے جو امتیازی طور پر لکھا جاتا ہے مگر اس کے قطعی یہ مطلب نہیں کہ''خان'' کا لفظ استعمال کرنے والا''لودھی'' یا اس زمرے میں آتا ہو، اسی لیے''لودھی'' کا ٹائیٹل استعمال کیا جاتا ہے جس میں''خان'' پوشیدہ ہے اور''لودی/لودھی'' اس میں اپنے قبیلے کی امتیازیت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بقول کچھ تاریخ دان بہلول لودھی محلّہ قاضیاں والا ملتان میں پیدا ہوئے. بہلول لودھی نے بہلیم خاندان کی بنیاد رکھی. جو بہلیم راجپوت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

حسن خدمت کے صلے میں لاہور اور دیپال پور کی حکومت بھی مل گئی۔ مرکز کا نظام بگڑا تو دہلی جا کر بادشاہ بن گیا۔ اور لودھی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ جون پور''سلطنت شرقی'' کے ساتھ 26 سالہ جنگ ہے۔ مزید برآں بہلول نے گوالیار اور دھول پور کے کچھ علاقے فتح کیے۔ واپس پر جلالی نزد علی گڑھ میں وفات پائی۔ بہلول لودھی نے اپنے نام سے لودھی شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اور آج اس کے 6000 ہزار خاندان انڈیا اور پاکستان میں موجود ہیں۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سکندر لودھی کی حکومت آئی. ابراہیم لودھی 1526 آخری بادشاہ تھا۔ افغانی پٹھان خاندان کی گوت ہے۔ سوری خلجی بھی پٹھان قبائل تھے ہندوستان پہ پٹھان یعنی افغانوں کی حکومت 1206 سے 1526 تک قائم رہی پھر مغلوں کا دور آ گیا۔

(ب) دہلی سلطنت کا مرکزی نظام حکومت۔

جواب۔

سلطنت دہلی کا قیام۔ سلطان محمد غوری نے 1206ء میں گکھڑوں کے ہاتھوں سوہاوہ کے قریب دیمک کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو اس کے جانشین اور بھتیجے سلطان

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

محمود غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کا خودمختار حکمران تسلیم کرلیا۔سلطان قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی جو باہر کے حملے (1526ء) تک قائم رہی۔سلاطین دہلی خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کر کے نظام حکومت چلاتے رہے۔سلطان شمس الدین التمش،سلطان محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے قانونی جواز کے لئے عباسی خلفاء سے باقاعدہ منشور حکومت حاصل کئے۔باقی سلطان خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اور خطبات جمعہ وعیدین میں عباسی خلیفہ کا نام لے کر اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔سلاطین دہلی کے سکوں پر ایک طرف سلطان کا نام اور دوسرے طرف عباسی خلیفہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔اس طرح انہوں نے اپنی حکومت کا قانونی جواز تلاش کرلیا تھا۔

سلطان۔ سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا۔حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا۔قانونی اور اصولی طور پر سلطان خلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے،وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خودمختار،مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدوداروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کرلیتا تھا۔لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔

برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔نسلاً ترک تھے۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کردیا۔جس نے ان کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر انہیں خرید لیا۔شکل وصورت قبیح ہونے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ ان کو ایک شل (ختہ انگشت) کہتے تھے۔قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کرلیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اور اسکی فوجیں گجرات،راجپوتانہ،گنگا جمنا کے دوآبہ،بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب،گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کردیا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

فتوحات۔

قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نو زائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے میں گزرا۔عالموں کا قدر دان تھا۔اور اپنی فیاضی اور داد و دہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔یہ مقبرہ وقت اور حالات کے ہاتھوں برباد ہوتا رہا۔یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں یہ ایک سکھ کی ملکیت میں رہا انگریزوں کے دور میں یہ مقبرہ خستہ حالی کی منہ بولتی تصویر تھا قیام پاکستان کے بعد صدر ایوب خان کے دور میں محترم حفیظ جالندھری نے ان سے گذارش کی کہ مجاہد اسلام کے مقبرہ کی مرمت اور تزئین وآرائش کا بندوبست کروایا جائے صدر پاکستان نے ان کی درخواست قبول کی اور آج یہ مقبرہ مجاہد اسلام کی شان وشوکت سنبھالے کھڑا ہے۔نسلاً ترک تھا۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کردیا۔جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔شکل وصورت تو قبیح تھی لیکن ایک چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ اس کو ایک شل (ختہ انگشت) کہتے تھے۔قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کرلیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اور اس کی فوجیں گجرات،راجپوتانہ،گنگا جمنا کے دوآبہ،بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب،گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کردیا۔

دہلی طرز حکومت۔

یہ برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے پہلی دفعہ دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔یہ نسلاً ترک تھا۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشا پور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کردیا۔جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔شکل وصورت کافی عجیب ہونے کے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ اس کو ایک شل (ختہ انگشت) کہتے تھے۔لیکن نہایت ہی ذہین شخص تھا۔

قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی ذہانتوں اور صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کرلیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اور اسکی فوجیں گجرات،راجپوتانہ،گنگا جمنا کے دوآبہ،بہار اور بنگال

میٹرک ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم ایڈ، ایم اے، ایم ایس سی کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں یا ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔ جب سلطان شہاب الدین غوری نے 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب وفات پائی تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن وامان قائم رکھنے میں گزرا۔عالموں کا قدردان تھا۔اور اپنی فیاضی اور داد ودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے بھی مشہور رہا۔نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن وامان قائم رکھنے میں گزرا۔عالموں کا قدردان تھا۔ اور اپنی فیاضی اور داد ودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔نومبر 1210ء • میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔

(ج)غوری دورحکومت

جواب۔

ملتان میں سب سے پہلے صوفی یوسف گردیزی تھے۔ وہ گیارھویں صدی عیسوی میں بغداد سے یہاں آگئے تھے۔ دوسرے صوفی سلطان سخی سرور بارھویں صدی میں تشریف لائے۔سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ بہاؤالدین زکریا (ملتان) بھی بارھویں صدی میں تشریف لائے۔انہوں نے فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام کئے۔نہریں اور کنویں کھدوائے اور زراعت کے لئے کھیت تیار کئے اُچ کے سید جلال اولین میر شاہ اور سندھ کے لال شہباز قلندر ان کے مریدوں میں سے تھے۔ بارھویں صدی عیسوی ہی کے اسماعیلی داعی شاہ شمس سبزواری ملتانی بھی اہمیت رکھتے ہیں۔انہوں نے سندھ اور پنجابی میں صوفیانہ کلام پیش کیا۔اگرچہ سلطان غوری علم وادب کی سرپرستی نہ کرسکا لیکن اس نے اجمیر میں بعض مدارس اور مساجد قائم کئے۔ اس نے اپنے غلاموں کو بھی علوم وفنون اور جہانداری کی اتنی تعلیم دلائی تھی کہ جوان کے بعد اس کے نام کو زندہ رکھنے اور برصغیر کی وسیع مملکت پر حکمرانی کرنے کے اہل ہوئے۔قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، محمد بن بختیار خلجی، ناصر الدین قباچہ اور تاج الدین یلدوز اس کے ہی لائق فائق غلام تھے۔اگر ہم محمد بن قاسم سے لے کر قطب الدین ایبک تک کے اس دور کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ:

1۔ سیاسی فاتحین جن علاقوں تک گئے مسلمان تاجر، علما، صوفیا، طلبا اور سیاح بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے۔ چنانچہ شمالی ہندوستان اور بنگال دو اہم اسلامی مراکز بن گئے۔

2۔ برصغیر ایک مرکز تلے آکر ایک سلطنت بننے کی صورت اختیار کرنے لگا۔ 3۔ رفاہ عامہ کے کام ہونے لگے۔

4۔ علم خواص کے ہاتھوں سے نکل کر مدرسوں اور خانقاہوں میں پہنچ گیا۔ 5۔ افواج اور سول انتظامیہ کی باقاعدہ تنظیم ہونے لگی۔

6۔ دو بڑی تہذیبوں کے ٹکراؤ سے ان علاقوں کا اپنا تمدن وجود میں آنے لگا جو اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی معاشرت کا حامل تھا۔

7۔ صوفیا عوام کے قریب رہ کر انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے لگے۔

8۔ سیاسی اور مذہبی کوششوں سے مقامی باہمی رابطے کی زبان پیدا ہوئی جسے پہلے ہندی اور بعد میں اردو کہا جانے لگا۔عربی، ترکی اور فارسی کے بعد اردو میں بے شمار اسلامی کتابیں لکھیں گئیں۔

۔ تعمیرات میں انقلاب برپا ہوا۔مساجد اور مدرسے تعمیر ہوئے اور کھلی اور روشن تعمیرات وجود میں آنے لگیں۔

سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات

سلطان محمود کی طرح شہاب الدین غوری بھی عظیم فاتح قرار پایا۔وہ معزالدین غوری کے نام سے بھی مشہور ہے۔سلطان محمود غزنوی کے کوئی سے دو سال بعد یہ فاتح ایک بار پھر ان کی ہندو ریاستوں کو فاتح کرنے نکلا جنہوں نے دہلی، اجمیر، قنوج، بندھیل کھنڈ، گجرات، مالوہ اور بنگال میں سر اُٹھا رکھا تھا۔سلطنت غوری کو غزنویوں، ملتان کے اسماعیلیوں اور ہندوراجاؤں کی شورشوں سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ سلطان محمود غزنوی کی روایت کی پیروی کی جاتی چنانچہ 1170ء میں اس نے سب سے پہلے ملتان پر حملہ کیا۔ اسماعیل اُچ کی طرف بھاگ گئے تو اگلے سال اس نے اچ پر بھی قبضہ کر لیا۔ 1179ء میں اُس نے پشاور فتح کیا اور 1181ء میں لاہور۔1184ء میں سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے پنجاب کا الحاق اپنی سلطنت کے ساتھ رکھ لیا۔خسرو ملک جو قید سے چھوٹ تھا ایک بار پھر قسمت آزمائی کے لئے میدان میں آگیا اور لاہور پر قابض ہوگیا۔چنانچہ 1186ء میں سلطان غوری نے لاہور پر قبضہ کر کے غزنوی عہد حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اس کے بعد سلطان کا زیادہ تر وقت راجپوتوں کے ساتھ جنگوں میں گزرا۔ چنانچہ ترائن کی دو جنگیں ہانسی بلند شہر، دہلی، کول اور قنوج کی جنگیں اہم ہیں۔ 1195ء میں غوری نے ان شہروں پر قبضہ کر لیا۔اس اثناء میں اس کے زیر نگرانی بختیار نے بہار اور بنگال (1199ء) میں قطب الدین ایبک نے دریائے سندھ اور گنگا کا وسیع علاقہ فتح کر لیا۔

مرکز کی منتقلی

1203ء میں غیاث الدین محمد غوری کا انتقال ہوگیا تو شہاب الدین معزالدین محمد غوری سلطان بن گیا۔اب شورشیں اور بغاوتیں پھر سر اُٹھانے لگیں۔ پنجاب میں کھوکھروں نے فساد شروع کر دیا۔ملتان پر ایک غلام ایبک نے قبضہ کر لیا۔سلطان نے ملتان پر حملہ کر کے بغاوت فرو کر دی۔فروری 1206ء میں سلطان لاہور پہنچا اور

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک،ایف اے،آئی کام،بی اے،بی کام ،بی ایڈ،بی ایس،ایم اے،ایم ایڈ،ایم ایس سی،پی ایچ ڈی،ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے،ایم ایس سی،ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

قطب الدین ایبک کو اپنا نائب مقرر کیا۔

15 مارچ 1206ء کو واپسی کے سفر میں اسے باغی اسماعیلیوں نے شہید کر دیا۔ جس وقت سلطان شہادت کے مرتبے پر فائز ہوا اُس وقت اسلام کا جھنڈا سارے شمالی ہندوستان پر لہرا رہا تھا۔اس کے بعد اس کا بھتیجا محمود غوری حکمران بنا لیکن تاج الدین یلدوز نے غزنی میں اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ تاہم برصغیر میں غوری سلطنت قائم رہی، جسے بالآخر قطب الدین نے اپنی سلطنت قرار دے دیا۔ 24 جون 1206ء کو لاہور میں اس کی تاج پوشی ہوئی۔اب سلطنت کا مرکز غزنہ نہیں بلکہ لاہور بن گیا۔ اور یوں مرکز کی برصغیر میں منتقلی سے اسلامی مملکت کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اثرات کا جائزہ

غوری عہد جنگی فتوحات کے لحاظ سے غزنوی عہد سے ملتا جلتا ہے لیکن اُس دَور میں علمی اور معاشرتی تبدیلیوں کی رفتار زیادہ نہیں رہی کیونکہ سلطان محمد غزنوی کو اس طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ملی۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ برصغیر میں ایک اسلامی معاشرے اور سلطنت کے قیام کا جو آغاز محمد بن قاسم نے کیا تھا۔اور جسے محمود غزنوی نے تقویت دی تھی، اس عہد میں اپنے منطقی عروج کو پہنچ گئی۔اور بالآخر شمالی ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں جو اسلامی سلطنت وجود میں آئی اُس نے آگے چل کر اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کی راہیں ہموار کر دیں۔

کاشان اکیڈمی

سوال نمبر 45۔ برصغیر میں سلاطین کے دور کی عام معاشرتی اور معاشی صورت حال کا تفصیلی جائزہ پیش کریں۔

0334-5504551

جواب:

معاشرت: برصغیر کی معاشرتی صورتِ حال واضح طور پر دو قسم کے معاشروں میں تقسیم تھی۔ مسلم معاشرہ اور ہندو معاشرہ۔ دونوں الگ الگ معاشرے تھے اس لیے ان کا الگ الگ ذکر کرنا ضروری ہوگا۔

Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

مسلم معاشرہ: مغل عہد تک مسلمان دس کروڑ کی آبادی میں سے صرف ڈیڑھ کروڑ تھے۔گویا وہ اقلیت میں تھے۔اگر چہ حکومت ان کی تھی چنانچہ اسلامی تہذیب کے رنگ میں مسلمانوں کی زندگیاں ڈھل رہی تھیں۔اگر چہ دولت اور خوشحالی نے اُن سے فقر اور قناعت کی دولت چھین لی تھی لیکن خوش ذوقی، بلند ہمتی اور بلند اخلاقی انکے اندر موجود تھی۔تفریح میں بھی حصہ لیتے تھے۔مغلوں کے عہد میں مذہبی تہوار اور جشن سرکاری سطح پر پوری شان وشوکت سے منائے جاتے۔شکار اور سیاحت اُن کے عام مشغلے تھے۔ ہندوؤں کے برعکس مسلمانوں میں ذات پات کی تمیز نہ تھی لیکن سیدوں کی عزت برہمنوں ہی کی طرح الگ ذات کی حیثیت سے ہوتی۔معاشی طبقات کا لحاظ بھی رکھا جاتا۔ عام کارکن امراء کے برابر اُٹھ بیٹھ تو نہیں سکتے تھے مگر مسجد میں یہ امتیاز ختم ہو جاتے تھے۔مسلم معاشرے کو اس کی اصل صورت میں لانے کیلئے حضرت مجدد الف ثانی کی کوششیں بالآخر اورنگ زیب کے زمانے میں رنگ لائیں اور اس نے اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کوشش کی۔

ہندو معاشرہ: مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ حکومت کے باوجود ہندو اکثریت میں رہے۔اس کی وجہ سلاطین کا نرم رویہ اور مغل حکمرانوں کی نرمی اور رواداری تھی۔ اکبر نے ہندو اور مسلم کو ملا کر نئی ثقافت کو رواج دیا۔اسے اُس نے دینِ الٰہی کا نام دیا لیکن اس کے باوجود ہندو اور مسلمان الگ الگ ثقافتیں اور تہذیبیں اپنائے رہے۔اگر چہ مسلمانوں کے زیرِ اثر ہندوؤں نے بھی دھوتی چھوڑ کر پاجامہ پہننا شروع کیا اور ہندو عورتوں نے برقعے کا استعمال شروع کر دیا لیکن مسلمانوں کی طرح گوشت کھانے سے پرہیز رکھا۔ہندوؤں کے نزدیک گھر ناپاک چیز ہوتا ہے اسے صرف گائے کا گوبر ہی پاک کر سکتا ہے چنانچہ وہ کھانے کی جگہ یا چولہے اور ارد گرد کی جگہ پر گوبر کا لیپ کرتے تھے۔یہ رسم اس زمانے میں بھی ہے۔چھوت چھات اور ذات پات کا امتیاز ہندو معاشرے کی بڑی پہچان تھی جو قائم رہی البتہ مغل عہد میں ستی کی رسم کو قانوناً ممنوع کر دیا گیا لیکن یہ اورنگ زیب کے عہد تک ختم نہ ہو سکی تھی۔ ہندوؤں میں اصلاحی تحریکیں شروع ہوئیں جن میں بھگتی تحریک اور سکھ مت اہم ہیں۔مغلوں کے عہد میں ہندو حکومت کے بہت سے عہدوں پر قابض ہو گئے۔اکبر کا راجہ ٹوڈرمل اور اس کے بعد کائستھ قوم کے ہندو زمینداری اور مالیات کے محکموں پر قابض تھے۔شاہجہان کے عہد میں تجارت اور مالیات ہندوؤں کے قبضے میں جا چکی تھی۔

عورت کا مقام: مغل دور میں عورت کا مقام اور حیثیت پہلے کی نسبت بہتر ہو گئی تھی۔اگر چہ ہندو معاشرے میں عورت کو ماں کی حیثیت سے عزت حاصل تھی اور مسلم معاشرے میں نکاح، شادی اور جائیداد کے معاملات میں بھی اس کو مقام حاصل تھا لیکن مغل دور میں انہیں اعلیٰ تعلیم اور جائیداد اور سیاسی امور میں خدمات انجام دینے کی آزادی اور مواقع بھی حاصل ہو گئے تھے۔نور جہاں، ممتاز محل، جہاں آرا بیگم، روشن آرا بیگم اپنے زمانے میں بادشاہوں کی مشیر تھیں۔ ہمایوں کے دور میں شاہی حرم کی خواتین اپنے مرد دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ آزادی سے ملتی جلتی تھیں۔بعض اوقات مردانہ لباس پہن کر باہر جاتی تھیں، پولو کھیلتی تھیں، شعر وادب اور موسیقی سے دل بہلاتی تھیں۔خواتین میں عزت اور خودداری کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔عام گھریلو خواتین بھی اس قدر پردہ کرتی تھیں جس حد تک انہیں ضرورت ہوتی۔کھیتوں میں کام کرنے والی خواتین چادر سے ڈھکی رہتیں۔اگر چہ عورتیں نسبتاً آزاد تھیں لیکن ان سے پاک دامنی اور عفت کا تقاضا کیا جاتا تھا چنانچہ ضروری تھا کہ وہ نامحرموں کے پاس آنے جانے سے اجتناب کریں، اس سے بہتر تھا کہ پردہ کریں۔چنانچہ عورتیں اس لحاظ سے از خود گھروں میں رہتیں یا مردوں کی محفلوں سے دور رہتیں۔یوں انہیں تقدس اور عزت بھی حاصل ہوتی جو بازاری عورتوں، طوائفوں اور رنڈیوں کو حاصل نہ تھی۔

تفریحات اور تہوار: تفریحات اور تہواروں کے سلسلے میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں واضح اختلاف موجود تھا۔مسلمان عسکری کھیلوں، گھڑ سواری، شکار، پولو، کشتی، کبڈی

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، الف اساتذہ کی ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

وغیرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے جبکہ ہندو شطرنج اور قمار بازی کے رسیا ہوتے جا رہے تھے۔ مسلمانوں میں سماجی تہوار نہیں تھے البتہ مذہبی تہوار تھے مثلاً جمعہ اور عیدین ان کے ساتھ ساتھ ایرانی تہوار نوروز وغیرہ بھی شامل ہوگئے تھے۔ شبِ برات کا تہوار بھی منایا جاتا تھا اس میں آتش بازی کی جاتی۔ محرم کو منانے اور تعزیے نکالنے کا رواج ابھی شروع نہیں ہوا تھا البتہ محرم کے دس دن شہدائے کربلا کے حالات پر مجلسیں قائم کی جاتیں۔ سرحد، پنجاب، سندھ اور بنگال میں صوفیوں کے مزاروں پر میلے لگتے۔ یہ میلے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ ہوتے۔ سندھ میں چاند کے ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو مرد اور عورتیں بڑی تعداد میں ماکلی پہاڑ پر کسی صوفی کے مقبرے پر جمع ہو جاتے۔ ایسے مقامات تعداد میں بارہ تھے۔ ہندوؤں کا معاشرہ تہواروں کو اہمیت دیتا تھا۔ وہ ہر موسم اور موقع پر جشن مناتے۔ اُن کے اہم تہوار بسنت، پن چھمپی، ہولی، دیوالی اور شیوراتری تھے۔ ان کے علاوہ کرشن اور رام وغیرہ دیوتاؤں کے یوم پیدائش اور مقامی تہوار بھی شامل تھے۔ بسنت ماگھ کے مہینے میں موسمِ بہار کا تہوار تھا اور شودروں کیلئے ہولی کا تہوار اہم تھا۔ یہ پھاگن کے مہینے میں ہوتا۔ شیوراتری ماہ کے مہینے میں 29 ویں شب کو ہوتا۔ اس رات عبادت کی جاتی اور آتش بازی کی جاتی۔ دوسرے تہواروں میں آگ جلانا، رقص کرنا، رنگ پھینکنا اور نشہ کرنا اہمیت رکھتے تھے۔ کھشتری کا تہوار دسہرہ تھا جو جیٹھ کے مہینے کی دس تاریخ کو ہوتا۔ برہمنوں کا تہوار پورن ماشی تھا جو ساون کے مہینے میں پورے چاند کی رات کو ہوتا تھا۔ دیوتاؤں میں سے کرشن کا تہوار سب سے بڑا تھا۔ کرشن کے مسلک میں رقص کو اہمیت حاصل تھی چنانچہ گھنگھرو باندھ کر رقص کیا جاتا۔ اکبر کے دور میں بعض ہندی تہوار بھی سرکاری سطح پر دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ غرض یہ کہ ہر طرح سے تہوار منانے کی کوشش کی جاتی تھی۔

معیشت: مغل دور میں معیشت کا دار و مدار زراعت، صنعت اور تجارت پر تھا۔ زراعت اسی قدیم جاگیردارانہ نظام کے تحت ہوتی تھی۔ صنعت کا انحصار دستکاریوں اور حرفتوں پر تھا۔ یہ مشین سے نا آشنا تھی اور تجارت پُرسکون دور میں خود پھلتی پھولتی ہے، اس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ مجموعی طور پر عوام خوشحال تھے، یہ خوشحالی یورپ کے کسی بھی صنعتی ملک سے زیادہ تھی۔ بابر نے برصغیر کو فتح کرنے کی چار وجوہات بیان کی تھیں:

۱۔ ملک کی وسعت ۲۔ زمین کی زرخیزی ۳۔ سونے کی فراوانی ۴۔ ہنرمندوں کی افراط

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

زراعت: برصغیر کی زیادہ تر آبادی زراعت میں لگی ہوئی تھی سوائے جنوبی ہند کے کچھ علاقوں کے دیگر ہر طرف امن اور سکون تھا، اس لیے زراعت کی طرف توجہ عام تھی۔ زیادہ تر فصلیں ہی کاشت ہوتیں جن میں اکبر کے دور میں تمباکو بھی شامل ہوگیا تھا۔ پھلوں میں آم مقبول ترین تھا۔ بابر نے ان آموں کی تعریف کی ہے۔ اس نے اپنے ملک سے خربوزے منگوا کر آگرے کے باغ میں لگوائے تھے۔ اہم پیداوار گندم، دالیں، باجرہ، جَو، مٹر، چاول، تل اور تیل نکالنے کے دوسرے مختلف بیج، گنا کپاس اور تمباکو تھے۔ پھلوں میں آم، انگور، کھجور، انار، کیلا، دیسی خربوزے، آڑو، سیب، سنترے، انجیر، لیموں اور جامن تھے۔ پھولوں میں تلسی، گیندا اور گلاب کے علاوہ بعض دیسی جڑی بوٹیوں، ادرک اور گرم مصالحے کی کاشت بھی کی جاتی تھی۔ زرعی پیداوار سے گُڑ، عطریات اور عرق بھی بنائے جاتے۔ مغلوں نے اپنے دور میں باغات لگوائے۔ اُن کی دیکھا دیکھی امراء نے بھی باغات کی طرف توجہ دی۔ چونکہ جاگیریں موروثی نہیں ہوتی تھیں اس لیے جاگیردار کھیتوں سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی فکر میں رہتے تھے چنانچہ لگان بڑھتا اور زیادہ کھیتوں پر کاشت ہوتی لیکن عام زرعی جھگڑے نہیں ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسان کا گزارا بخوبی ہو رہا تھا۔ سیلاب یا قحط کی صورت میں حکومت مالیہ معاف کر دیتی تھی اور شاہی لنگر کھول دیئے جاتے۔ بیج مفت تقسیم کیے جاتے اور کسانوں کو بلا سود قرضے دیئے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل مغرب نے برصغیر کا رخ کرنا شروع کر دیا اور مغل دور میں سمندری ساحلوں پر اپنی تجارتی کوٹھیاں تعمیر کر لیں۔ وہ یہاں سے اناج اور مصالحے خرید کر یورپ میں بھیجتے تھے۔

صنعت و حرفت: مغلوں نے صنعت و حرفت میں بے تحاشا ترقی کی۔ سب سے بڑی صنعت کپڑے کی تھی۔ اُس دور میں زندگی پر تکلف ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیے قسم قسم کے کپڑے بننے لگے تھے۔ اکبر نے لاہور، آگرہ، فتح پور اور احمد آباد میں عمدہ کپڑے کے کارخانے لگوائے اور اس کیلئے چین سے کاریگر منگوائے۔ دہلی کے علاوہ گجرات اور بنگال میں ریشمی کپڑے کے کارخانے تھے جہاں ہزاروں کاریگر کام کرتے تھے۔ زربفت، اِطلس، سنجاف، فر، کمبل اور قالین پیداوار تھیں۔ دوسری بڑی صنعت دھات کی تھی لوہا، پیتل اور کانسی سے تلواریں، توپیں، بندوقیں، پیالے اور دیگر برتن تیار ہوتے تھے۔ اکبر کے دور میں دھاتوں کی صنعت میں نفاست پیدا ہوئی۔ خصوصاً زرگری میں عمدہ کارکردگی ظاہر ہوئی۔

ان کے علاوہ چمڑے، برتن سازی، لکڑی اور پتھر کا کام بھی بہت عمدہ ہوتا تھا۔ چٹا گانگ میں بحری جہاز بنانے کے کارخانے بھی قائم ہو گئے تھے لیکن ان صنعتوں کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ یہ ابھی تک دستکاری، ہنر اور حرفت پر قائم تھیں۔ مشین سے کام بہتر، زیادہ اور نفیس ہوتا ہے مگر مغلوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ یورپی تاجر مشینیں لے کر اکبر کے دربار میں آتے لیکن اس نے انہیں کھلونوں سے زیادہ اہمیت نہ دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر صنعتی میدان میں مشینی صنعتوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ان کے اوزار بھی توپوں اور پرانی بندوقوں تک محدود رہے اور یورپی فوجوں کے اوزاروں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔

تجارت: زراعت اور صنعت کے فروغ کا دار و مدار تجارت پر ہوتا ہے اور تجارت کیلئے پُر امن ماحول درکار ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے مغل دورِ حکومت میں امن اور سکون تھا۔ ذرائع آمد و رفت ترقی کر رہے تھے۔ سڑکیں محفوظ تھیں چنانچہ اناج اور مصنوعات کی برآمد بڑے آرام کے ساتھ ہو رہی تھی۔ تجارت کو اتنا فروغ ملا کہ اٹھارہویں صدی عیسوی تک برصغیر دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ مغلوں نے غیر ملکی تاجروں کی حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجے میں ایران، عرب، چین اور انڈونیشیا کے تاجروں کے علاوہ پرتگال، فرانس، اٹلی اور انگلستان کے تاجر اپنے بحری جہازوں پر بیٹھ کر برصغیر کا رخ کرنے لگے۔ برصغیر کی برآمدات زیادہ تھیں اور درآمدات کم۔ درآمدات میں بھی مصنوعات کم اور جانور مثلاً گھوڑے وغیرہ زیادہ اہم تھے۔ برآمدات میں ریشمی اور اُونی کپڑا، گرم مصالحہ، تیل، کھانڈ، نمک، موم، افیون، جبکہ برآمدات میں خام ریشم اور چینی کے برتن وغیرہ شامل تھے۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

ملک کے اندر لاہور، ملتان، دہلی اور گجرات تجارت کے اہم مراکز تھے۔خشکی کے راستے غیر ملکی تجارت، کوئٹہ، پشاور اور کشمیر کے راستوں مثلاً شاہراہ ریشم کیذریعے ہوتی تھی۔ یہ تینوں مقامات اب پاکستان میں شامل ہیں۔اکبر سے اورنگ زیب کے عہد تک تجارت کو پُرسکون حالات کی وجہ سے بہت فروغ ملا۔کسٹم کی شرح بھی کم ہوگئی تھی۔اس سے تاجروں کی حوصلہ افزائی ہوئی خصوصاً غیر ملکی تاجر برصغیر کے ساحلوں پر لنگر انداز ہونے لگے۔اکبر کے دور تک وزن کے پیمانے ادلتے بدلتے رہتے تھے۔سیر کا وزن بھی مختلف رہا جسے اکبر نے معیاری بنایا۔من کا وزن بھی اکبر کے دور میں چالیس سیر مقرر رہا۔اُس دور میں ایک ٹن چالیس من کے برابر ہوتا تھا جسے انگریزوں نے 27 من کے برابر کردیا۔معیارِ زندگی بڑھنے کی وجہ سے مغل دور میں سکے کی قیمت سلاطین کے دور کی نسبت کم ہوگئی تھی لیکن یہ 1857ء کے بعد کی قیمتِ خرید سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغل دورِ حکومت معاشرتی اور معاشی طور پر اپنے سے پہلے کے دورِ سلاطین اور بعد کے دورِ زوال اور انگریزی دور کی نسبت بہتر تھا۔

سوال نمبر 46۔علاؤالدین خلجی کے بارے میں ایک مفصل مضمون لکھیں۔

جواب۔

ہندوستان کا ایک ترکی حکمران خاندان جس نے افغانی رسم ورواج اور فارسی زبان اپنا لیا ہوا تھا۔مملوک سلاطین دہلی کے بعد 1290ء سے 1320ء تک خلجی بادشاہ ہندوستان پر حکمران رہے۔ خلجی خاندان کی بنیاد جلال الدین خلجی نے رکھی۔ اوراس کے بعد انکا بھتیجا علاؤالدین خلجی تخت نشین ہوا۔جس کے قبضہ میں بعدازاں پورا ہندوستان آیا۔علاؤالدین خلجی کے بعد اس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے اور بالآخر تغلقوں کے ہاتھوں خاندان خلجی کا خاتمہ ہوا۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ خلجی ترک تھے۔لیکن خلجی دراصل ایک افغان قبیلے غلجئی سے تعلق رکھتے تھے۔اوریہی غلجئی نام ہندوستان میں خلجی کی صورت اختیار کرگیا۔

جلال الدین فیروز خلجی

جلال الدین فیروز خلجی 1290–1296ئدہلی کا مسلم حکمران تھا۔وہ دہلی کے خاندان خلجی کی سلطنت کا بانی تھا جس نے خاندان غلاماں کے آخری بادشاہ شمس الدین کیمورا س کو معزول کر کے حکومت سنبھالی اوران سب لوگوں کو قتل کرادیا جنھوں نے اس کے خلاف قتل کی سازش کی تھی۔ وہ خاندان خلجی کا پہلا بادشاہ تھا۔تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ستر سال تھی۔فطرتاً رحم دل تھا۔اس کے اہم کارناموں میں سے ایک منگولوں کے ہندوستان پہ حملوں کو پسپا کرنا اور ہندوستان کی عوام کو منگولوں کی قتل وغارت سے محفوظ رکھنا تھا جو قابض ہو کر آبادیوں کا بے دریغ قتل عام کرتے اور کھوپڑیوں کے پہاڑ بنا ڈالتے تھے۔بعدازاں جب کچھ منگول مسلمان ہوگئے تو جلال الدین خلجی نے انہیں دہلی کے قریب بسنے کی اجازت دے دی ایک رعایا کے طور پہ نہ کہ حکمران کے طور پہ۔ وہ عام عوام کے لیے انتہائی شائستہ، عاجزی انکساری رکھنے والا اور بہت مشفق بادشاہ تھا۔اس کی اسی رحم دلی کی وجہ سے اسے کمزور حکمران سمجھ کراس کے خلاف کیءبار بغاوت کی گئی جو ناکام ہوئی۔اس نے باغیوں کو نرم سزائیں دی لیکن ایک درویش سدی مولا اوراس کے ہندو ساتھیوں کو اس نے بغاوت کے جرم میں قتل کرادیا تھا لیکن آج تک یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ سدی مولا واقعی بغاوت کے جرم میں ملوث تھا یا نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ارکلی خان نے زخمی سدی مولا کو ہاتھی کے نیچے کچلوا دیا لیکن چونکہ اس حوالے سے اس دور کا کوئی ہم عصر حوالہ میسر نہیں ہے اور یہ واقعہ جلال الدین خلجی کے اپنے قتل کے بعد نقل کیا گیا لہذا اس کی صحت کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔

معین الدین کیکوباد۔

سابق سلطان دہلی معزالدین کیقباد جو مفلوج ہو چکا تھا یکم فروری 1290ء • میں انتقال کرگیا۔یحیٰی سرہندی جو پندرھویں صدی عیسوی کا ہندوستانی مورخ ہے دعوٰی کرتا ہے کہ اس کی موت کی وجہ فاقہ تھا کیوں کہ اسے نظرانداز کیا گیا تھا جب کہ مغربی مصنف پیٹر جیکسن کے مطابق اسے جلال الدین خلجی کے حکم پہ قتل کیا گیا تھا لیکن پیٹر جیکسن ہو یا یحیٰی سرہندی دونوں معزالدین کیقباد کی وفات کے دوسو سے پانچ سو سال بعد یہ کہانی لکھ رہے ہیں اوراس حوالے سے اس دور کا کوئی قابل اعتبار تاریخی حوالہ میسر نہیں لہذا دونوں الزام ناقابل اعتبار اور مشکوک ہیں جن کی سچائی آج تک ثابت نہیں۔جلال الدین فیروز خلجی پہ ایک اور الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے ملک چاجو کی بغاوت کچلنے کے بعد اس کے ہندو ساتھیوں کو قتل کردیا اور اس کے مسلم ساتھیوں کو غلام بنا کر بیچ دیا لیکن اس بات کی تصدیق ایک بار پھر مستند ہم عصر تاریخی ذرائع سے نہیں ہوتی اور خلجی خاندان کے بارے میں موجود میسر تاریخ اس کے تیس سے ایک سو پچاس سال بعد لکھی گئی ہے اور لہذا ناقابل اعتبار ہے۔وہ جلال الدین جو اپنے دشمنوں کو زنجیروں تک میں جکڑنے کے خلاف تھا اور اس بات پہ اپنے اہلکاروں سے غصہ کرتا اس سے اس بات کی امید مشکل ہے اوراس کا کوئی مستند ثبوت بھی نہیں ہے۔اس پہ یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے 1291ء • میں جھین کے قلعے کو فتح کر کے قلعہ اور وہاں موجود ہندو بتوں کو توڑ ڈالا لیکن ایک بار پھر یہ تاریخی واقعات جلال الدین خلجی کے دور کے کسی مورخ کی طرف سے نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد لکھے گئے ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔

اس پہ ایک اور الزام شراب نوشی کا عائد کیا جاتا ہے اور الزام لگانے والے بھول جاتے ہیں کہ دہلی کی تاریخ کا 1260–140ءکوئی مستند ہم عصر تاریخی حوالہ میسر نہیں اوران الزامات کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ الزام تاریخ میں علاؤالدین خلجی پہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ جلال الدین خلجی کا داماد تھا لیکن اس کے اپنی بیوی اور ساس سے تعلقات اچھے نہیں تھے لہذا اس نے جلال الدین خلجی پہ اپنا انحصار کم کرنے اور دولت اکٹھی کرنے کے لیے 1293ء میں بھلسہ کی ہندو ریاست پہ حملہ کیا اور وہاں سے قیمتی خزانے اور دھاتیں لوٹ لی۔مزید یہ کہا جاتا ہے کہ اسی لالچ کے تحت اس نے 1296ء میں جنوبی ہند کے علاقے دیواگری پہ حملہ کیا اور وہاں سے بے پناہ دولت لوٹ لی۔ لیکن بات پھر وہی ہے کہ اس دور کا کوئی ہم عصر حوالہ میسر نہیں۔علاؤالدین خلجی کے بارے میں اس کے ہم عصر تاریخی ذرائع میسر نہیں۔یہاں تک کہ آج تک اس کی صحیح

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

تاریخ پیدائش معلوم نہیں باوجود اس کے کہ وہ شاہی خاندان کا اہم فرد تھا۔اس کی ابتدائی زندگی اور اکثر حالات حاجی الدبیر نے لکھے ہیں جو کہ علاؤالدین خلجی کے دوسو سے تین سوسال بعد یعنی سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی کا مورخ ہے۔لہٰذا علاؤالدین خلجی کی ابتدائی زندگی اور بیوی سے لڑائی جھگڑوں اور علاؤالدین خلجی کی دو بیویوں کی حسد کے مارے آپس میں لڑائی کا اس کا بیان ناقابل اعتبار ہے۔اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں اسی طرح کی باتیں محمد قاسم فرشتہ نے لکھی ہیں جو کہ علاؤالدین خلجی کے زمانے کے دوسوسال بعد یعنی سولہویں صدی عیسوی کا مورخ ہے اور اس لئے ناقابل اعتبار ہیں۔

سوال نمبر 47۔مغلوں کے مرکزی نظام حکومت پر ایک تفصیلی نوٹ قلمبند کریں۔

جواب۔

سلطنت دہلی کا قیام۔ سلطان محمد غوری نے 1206ء میں گکھڑوں کے ہاتھوں سوہاوہ کے قریب دیمک کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو اس کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمود غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کا خودمختار حکمران تسلیم کرلیا۔سلطان قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی جو بابر کے حملے (1526ء) تک قائم رہی۔سلاطین دہلی خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کر کے نظام حکومت چلاتے رہے۔سلطان شمس الدین التمش، سلطان محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے قانونی جواز کے لئے عباسی خلفاء سے باقاعدہ منشور حکومت حاصل کئے۔باقی سلطان خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اور خطبات جمعہ وعیدین میں عباسی خلیفہ کا نام لے کر اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔سلاطین دہلی کے سکوں پر ایک طرف سلطان کا نام اور دوسرے طرف عباسی خلیفہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔اس طرح انہوں نے اپنی حکومت کا قانونی جواز تلاش کرلیا تھا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سلطان۔ سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا۔حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا۔قانونی اور اصولی طور پر سلطان خلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خودمختار، مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدوداروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کر لیتا تھا۔لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔

سلاطین کو عدل وانصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔سلطنت کے اہم شہروں اور قصبوں میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی موجود رہتے تھے۔کبھی کبھی سلطان خود بھی مقدمے سن لیتا تھا۔اس کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔محمد بن تغلق خود کو سلطان عدل کہلانا پسند کرتا تھا۔شیر شاہ سوری کو بھی اس کے ہم عصروں نے سلطان عادل کا خطاب دیا تھا۔قومی نوعیت کے اہم مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے سلطان علماء اور مشائخ کا محضر طلب کر لیتا تھا۔سلطان شمس الدین التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف علماء کی شکایت پر محضر طلب کئے تھے۔

نائب المملکت۔ سلطان کے بعد نائب المملکت یا نائب الممالک کا عہدہ سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔اس عہدے پر فائز سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا اور اس کا منصب وزیر سے بڑا ہوتا تھا۔یہ عہدہ مستقل نہ تھا۔اس لئے بعض سلاطین کے عہد میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے زمانے میں نائب المملکت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔لیکن سلطان کی دارالحکومت سے غیر موجودگی کے زمانے میں وہ اس کے نائب کی حیثیت سے تمام اختیارات استعمال کرتا تھا۔

کمزور سلاطین کے عہد میں سلطان کی دارلحکومت میں موجودگی کے باعث نائب المملکت بڑا صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا اور سلاطین ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہتے تھے۔محمد بن تغلق جب گجرات سے باغی گورنر طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گجرات کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ جہاں کو نائب المملکت بنا گیا۔محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اس نے ایک مجہول النسب لڑکے کو سلطان کا فرزند ظاہر کر کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔سلطان فیروز تغلق بھی جب کبھی دہلی سے باہر جاتا تو اپنے وزیر خواجہ جہاں کو اپنا نائب بنا جاتا تھا۔

وزیر۔ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔وہ حکمران کی بہت سے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر اسے سبکدوش کر دیتا ہے اس لئے اسے وزیر کہا جاتا ہے۔سلاطین دہلی کے ہاں منصب وزارت میں بڑی اہمیت تھی۔بیشتر سلاطین اپنا وقت فتوحات، سیر و شکار اور مجالس عیش وطرب میں گزارتے تھے۔اس لئے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری وزیر پر آتی تھی۔وزیر کے فرائض میں سلطان کو اہم امور میں مشورہ دینا، محکمہ مال کی نگرانی کرنا، خزانے کا حساب کتاب رکھنا، عمال کا تقرر اور معطلی، خراج، لگان اور دوسرے واجبات کی وصولی۔سلطنت کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا، عوام کو ہر حال میں مطمئن رکھنا، مہمات کی نگرانی کرنا، سلطان کی ضروریات اور آرائش کا خیال رکھنا، شاہی اصطبل کی نگہداشت، فوجیوں کی بھرتی اور تربیت، یتیموں اور بیوہ عورتوں کی سرپرستی، علماء ومشائخ کی خدمت، ترویج علم کے لئے کوشش کرنا اور روزمرہ کا کام چلانا تھا۔بالفاظ دیگر حکومت کا کوئی شعبہ اس کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

دیوان عرض۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں محکمہ دفاع ''دیوان عرض'' کہلاتا تھا اور اس کے سربراہ کو ''عارض ممالک'' کہتے تھے۔اس کے فرائض میں فوج کی بھرتی اور تربیت، فوجوں کی تنخواہوں کی ادائیگی، اسلحہ کی فراہمی، فوج کے لئے رسد کا اہتمام، گھوڑوں کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال، باربرداری کے لئے جانوروں کی فراہمی اور اپنے محکمہ سے متعلقہ ریکارڈ کی تیاری شامل تھے۔عارض ممالک سال میں کم از کم ایک بار فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کا معائنہ کرتا تھا۔دیوان عرض کے محکمے میں تمام فوجیوں اور جانوروں کا حلیہ اور شناختی نشانوں کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک ایف اے آئی کام بی اے بی کام بی ایڈ بی ایس ایم اے ایم ایڈ ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

دیوان رسالت۔ دیوان رسالت امور خارجہ کا محکمہ تھا۔اس محکمے کو ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں سے خط وکتابت کرنا پڑتی تھی،اس لئے اس کا نام دیوان رسالت پڑ گیا۔ سلاطین دہلی دربار خلافت کے ساتھ باقاعدہ تعلقات رکھتے تھے۔سفیروں اور تحائف کے تبادلے کے علاوہ خط بھی آتے جاتے رہتے تھے۔جب سلطان کسی دشمن پر فتح پاتا یا کوئی اہم علاقہ فتح کرتا تو اپنے اس کارنامے کا ذکر فخریہ انداز میں ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کو لکھ کر بھیجتا تھا۔غیر ممالک سے جو سفیر آیا کرتے تھے،ان کی دیکھ بھال اور آؤ بھگت بھی اسی محکمہ کے ذمہ داری تھی۔

صدور الصدور۔ مذہبی امور اوقاف صدر الصدور کی نگرانی میں تھے۔سلطان کسی معروف عالم کو اس منصب پر فائز کرتا تھا۔اس کے ذمہ اوقاف کی دیکھ بھال، دینی مدارس کی سرپرستی،علوم دینیہ کی اشاعت، مساجد کی تعمیر اور خطیبوں اور موذنوں کا تقرر، علماء مشائخ، سادات، یتامی اور بیوگان کی مالی امداد، غربا اور مساکین کی دیکھ بھال اور خانقاہوں کی امداد شامل تھے۔یہ منصب بڑا اہم اور تقدس کا حامل تھا۔

دیوان قضاء۔ محکمہ عدل وانصاف دیوان قضا کہلاتا تھا۔اس محکمہ کا سربراہ قاضی القضاۃ یا قاضی الممالک کہلاتا تھا۔اس کے ماتحت صوبوں میں قاضی ہوتے تھے۔ قاضی کے فرائض میں مقدمات کا فیصلہ کرنا، حدود کا نفاذ، حلف لینا، گواہی قبول کرنا (جیسے رویت ہلال کے بارے میں)، تزویج یتامیٰ، اوقات کی نگرانی، خطباء وآئمہ کی دیکھ بھال، متوفی کی وصیت پر عمل درآمد، لاوارث جائیداد کی نگہداشت، گمشدہ اموال اور امانتوں کی خبرگیری اور سرکاری عمال کے بارے میں شکایات سننا شامل تھے۔عہد سلاطین میں قاضی مغیث الدین جیسے کئی نامور قاضی ہو گزرے ہیں۔جو کلمہ حق کہنے سے باز نہیں آتے تھے۔

دیوان انشاء۔ یہ محکمہ شاہی خط وکتابت کا ذمہ دار تھا۔موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے سیکریٹریٹ کہنا چاہیئے۔اس محکمہ کا نگران ''دبیر خاص'' کہلاتا تھا اور اس کے ماتحت بہت سے کاتب ہوا کرتے تھے۔یہ محکمہ اعلیٰ افسروں کے نام فرامین جاری کرتا تھا۔سلاطین کی صوبائی گورنروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ خط وکتابت بھی اسی محکمہ کے توسط سے ہوا کرتی تھی۔عہدہ داروں کے تقرر اور موقوفی کا ریکارڈ بھی یہیں رہتا تھا۔سلطان دبیر خاص کو خط کا مفہوم بتادیتا اور وہ اپنے فصیح وبلیغ الفاظ کا جامعہ پہنا دیتا۔

دیوانِ برید:۔ اس محکمہ کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کو ملک کے ہر حصے سے کسی بھی قسم کی خبر فوراً پہنچائی جائے اس محکمے کے سربراہ کو برید الممالک کہا جاتا تھا۔یہ ایک طرح کیسراغرساں ایجنسی تھی۔سلاطین کے دور میں مواصلات کا نظام کم تھا۔اسلئے جاسوس چھوڑ دیئے جاتے تھے تاکہ مقامی عہدیداروں کی ''ناجائز وجائز'' سرگرمیوں کا علم ہو سکے۔

کوتوال۔ شہر میں پولیس کا اعلیٰ افسر کوتوال کہلاتا تھا۔شہر میں امن وامان کا قیام اس کے فرائض میں شامل تھا۔وہ چوروں، ڈاکوؤں، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد پر کڑی نظر رکھتا تھا۔بسا اوقات وہ رات کے وقت شہر میں گشت کیا کرتا تھا۔محتسب کی طرح وہ بھی برائی کے اڈوں کو ختم کرنے کا ذمہ دار تھا۔شہر کے دروازوں کو نماز مغرب کے بعد بند کروانا اور فجر کے وقت کھلوانا اس کی ذمہ داری تھی۔

وکیل در۔ سلطان کے ذاتی عملے کا سربارہ وکیل در کہلاتا تھا۔شاہ محلات کے ملازمین، چوبدار، نقیب، سلطان کے ذاتی غلام محلات کے حفاظتی دستے اور اہل کار اس کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ان کی تنخواہ بھی اسی کے توسط سے تقسیم ہوتی تھی۔وہ شاہی مطبخ، آبدار خانہ، فیل خانہ اور اصطبل کا بھی نگران ہوتا تھا۔شاہی بیگمات کی ضروریات کا خیال رکھنا اور شہزادوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

امیر حاجب۔ وکیل در کے بعد اہمیت کے اعتبار سے امیر حاجب کا عہدہ تھا۔عباسی حکومت میں اس عہدے کا پتہ چلتا تھا۔وہیں سے دہلی کی سلطنت میں اس کا رواج پڑا۔سلطان عموماً محلات کے اندر رہتا تھا اور عوام وخواص کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھتا تھا۔بڑے بڑے افسر بھی سلطان سے ملنے کے لئے کئی کئی روز اس کا انتظار کیا کرتے تھے۔یہ امیر حاجب کی ذمہ داری تھی کہ وہ سرکاری افسروں اور ضرورت مندوں کو سلطان کے حضور پیش کرے اور ان کا تعارف کرائے۔فریادی بھی اسی کے توسط سے اپنی عرضداشتیں سلطان کے ضور میں پیش کیا کرتے تھے۔

نقیب۔ جب سلطان اپنے محل سے باہر آتا تو نقیب اس کی آمد کا اعلان کرتا، وہ شاہی جلوس کے آگے آگے چلتا اور لوگوں کو باادب رہنے کی تلقین کرتا۔گویا معمولی سا عہدہ تھا لیکن سلطان کے قریب کی وکہ سے بڑا معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا۔نقیب کے سر پر مور کے پروں والا طلائی مکٹ اور ہاتھ میں سونے کا گرز ہوا کرتا تھا۔نقیبوں کا افسر اعلیٰ، نقیب النقبا کہلاتا تھا۔

جاندار۔ سلطان کے ذاتی محافظ جاندار کہلاتے تھے۔ان کے افسر اعلیٰ کو سرجاندار کہتے تھے۔اس دستے میں بڑے صحت مند، بلند قامت، وجیہہ اور بہادر جوان بھرتی کئے جاتے تھے۔سلطان غیاث الدین بلبن نے سیستان سے دیو قامت جوان بلا کر اس دستے میں بھرتی کئے تھے۔ضیاء الدین برنی کی روایت ہے کہ ان کے جاہ وجلال کو دیکھ کر کمزور دل انسان بیہوش ہوجایا کرتے تھے۔

سوال نمبر 48۔مندرجہ ذیل میں سے کسی دو پر نوٹ لکھیں۔

(الف) مغلوں کا صوبائی نظام

جواب۔

برصغیر پر نادر شاہ درانی کے حملے کے بعد محمد شاہ مغل بادشاہ کی حکومت بے حد کمزور ہوچکی تھی۔مرکز کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دکن، اودھ اور بنگال خودمختار ہوچکے تھے اور برائے نام مغلوں کے ماتحت تھے۔مالوہ، گجرات اور بندھیل کھنڈ پر مرہٹوں نے قبضہ جمالیا تھا۔میرٹھ سردار گھوجی بھونسہ نے بنگال، بہادر اور اڑیسہ پر حملہ کیا اور محمد شاہ مغل

گلشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک ایف اے آئی کام بی اے بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے ایم ایڈ ایم ایس سی پی ایچ ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

حکمران نے مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے پیشوا بالاج باجی راؤ کو مالوہ کا گورنر مقرر کر دیا۔کیونکہ محمد شاہ مرہٹوں کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔اس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹے طاقت پکڑ گئے۔نظام الملک جیسے گورنروں نے لامتناہی حب جاہ کی بدولت مرکزی حکومت کو بے وقعت کر دیا۔لہذ وزراء کی ہوسِ اقتدار نے مرہٹوں کو شمالی ہند کی جانب متوجہ کیا اور اس طرح مغل تاج دار مرہٹوں کے زیر اثر آ گئے۔پس مغلیہ سلطنت کی کمزوریاں عیاں ہونے لگی بعض مسلمان زعما نے مغلوں کی ساکھ اور احترام کو بحال کرنے کے لیے احمد شاہ ابدالی والئی افغانستان کو حملہ کرنے کی دعوت دی تاکہ مرہٹوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو ختم کیا جاسکے۔بقول مئورخین حضرت شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ کو قائل کیا کہ وہ مرہٹوں اور جاٹوں کی سرکوبی کرے۔بہر حال صوبائی خودمختاری کے باعث مغلوں کی حکومت کمزور ہوتی گئی اور برصغیر میں یورپی اقوام بالخصوص انگریزوں کو موقع میسر آیا کہ خود مختار صوبوں کے گورنروں کے ساتھ ساز باز کریں اور مغلوں کی حکومت کو ختم کر دیں۔بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان پر قابض ہو گئے۔

(ب) نصیر الدین ہمایوں۔

جواب۔

عہد ہمایوں

کاشان اکیڈمی

ہمایوں اپنے باپ بابر کا جانشین بنا گر اسے ایک افغان بادشاہ شیر شاہ نے شکست دے کر ملک سے نکال دیا۔ہمایوں نے اپنی جلاوطنی کے ایام ایران میں بسر کئے جہاں شاہ طہماسپ نے اس کی پذیرائی کی۔ہمایوں شاہ ایران کے دربار میں وہاں کے بڑے بڑے مصوروں کی تخلیقات سے آشنا ہوا۔چنانچہ تبریز میں اس نے خواجہ عبد الصمد شیرازی اور میر سید علی سے ملاقات کی۔اور بعد ازاں 1549ء میں اس نے ان دونوں استادوں کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تاکہ اس کے لئے داستانِ امیر حمزہ کو مصور کریں۔جس میں بادری اور جوانمردی کے فرضی کارناموں کا ذکر ہے۔اس طرح وہ مصوری کے مغلیہ دبستان کے اصل بانی قرار پائے۔ہمایوں نے میر سید علی کو نادر الملک کا خطاب بخشا نہ''داستان امیر حمزہ'' کی تصویر سازی کے آغاز ہی میں ہمایوں کا انتقال ہو گیا جو بعد میں اکبر کے عہد میں مکمل ہوئی۔داستان امیر حمزہ کی کل تصاویر کی اصلی تعداد چودہ سوتھی اور کپڑے کے خاصے بڑے بڑے قطعوں پر بنائی گئی تھیں۔

0334-5504551

Download Free Assignments from

عہد مغلیہ اور خطاطی۔

مختلف فن میں ماہر لوگوں کی اکثریت: ہندوستان میں ہر شعبے سے متعلقہ ماہرین فن آسانی سے مل جاتے تھے۔جہاں کسی کام کو نمٹانے کے لئے بلاتردد پایہ تکمیل تک پہنچانے والے لوگ موجود ہوں تو اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔مغلیہ دور میں عمارات بننے کی وہی وجہ ہی۔یہ لوگ نسل در نسل یہی کام کرتے چلے آرہے ہیں۔

Solvedassignmentsaiou.com

ماہرین فن تعمیر: عمارات کی تعمیر اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک اس کو بنانے والا ذہن موجود نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے زیر اثر فن تعمیر کے شعبے کو بہت ترقی ملی۔کیونکہ بادشاہ کے پاس عمارت کا ڈھانچہ موجود ہوتا تھا۔اس کی تعمیر کے لئے مزدور اور دولت موجود ہوتی تھی۔لیکن اس کی خواہشات کے عین مطابق عمارت کو ڈھالنے کا ذمہ ماہرین فن تعمیر کے پاس تھا۔

پرامن ماحول: ذہنی سکون ایک ایسی دولت ہے۔جو اگر میسر نہ ہو تو انسان کسی طرح کی ذمہ داری سے عہدہ براہ نہیں ہو سکتے۔مغلیہ حکومت میں فن تعمیر کو عروج حاصل ہونے میں پرامن ماحول کا بہت عمل دخل ہے۔مغل بادشاہوں میں صرف بابر اور ہمایوں کو زیادہ تعمیرات کرنے کا موقع نہ ملا۔دوسرے بادشاہوں نے اپنے پرامن ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ذاتی ذوق: کوئی کام اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔جب تک اس کے کرنے والے ذاتی دلچسپی کا اظہار نہ کریں۔بابر سے لے کر اورنگ زیب تک تمام بادشاہ اس میدان میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔اور اسی ذوق نے انہیں ایسی شاندار عمارات بنوانے پر مجبور کیا۔جن کی شان و شوکت سے ہم انحراف نہیں کر سکتے۔

بادشاہ کے کردار کا عکس: مغلیہ دور کی ہر عمارت اپنے تعمیر کنندہ کے ذوق و کردار کا عکس پیش کرتی ہے۔ان عمارات کو بنوانے کا مقصد بادشاہوں کے نزدیک اپنی ذات کا منوانا تھا۔اس لئے انہوں نے اپنے ذات کا اظہار عمارت کی صورت میں کیا۔

(ج) جلال الدین محمد اکبر۔

جواب۔

اکبر کا عہد: اکبر اعظم کے عہد کی عمارات سے معلوم ہوا ہے کہ اکبر کا فن تعمیر ہندوستانی ایرانی اور اسلامی فنون تعمیر کا مرقع ہے۔اس کے عہد میں مغلیہ فن تعمیر کو رواج ہوا۔اور مزید ترقی کی منازل اس فن نے اسی کے دور میں طے کیا۔

اکبر کے دور کی تعمیرات کی خصوصیات: دور اکبر میں فن تعمیر نے مزید ترقی کی۔اس دور میں سنگ سرخ کا استعمال کثرت سے ہوا۔راجپوت فن کے گہرے اثرات اس کے عہد کی عمارات میں دکھائی دیتے ہیں۔سنگ سرخ اسے بہت پسند تھا۔اکبری دور میں گنبد کے بارے میں ایک جدت اختیار کی گئی۔اس دور میں دوہرے گنبد اور عمارات کی بلندی کا اصول ترک کر دیا گیا۔عمارتوں میں ہندوانہ طرز کے ستون اور برآمدے کے دروازوں کی تعمیر شہری اسلوب پر کی گئی۔

دور اکبری کی عمارات: اکبر کو بھی فن تعمیر سے خاص لگاؤ تھا۔اس کے عہد میں حکومت میں نہ صرف مساجد اور باغات تعمیر کروائے گئے بلکہ بے شمار قلعے، تالاب مینار اور

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

سرائیں بھی تعمیر ہوئیں۔

ہمایوں کا مقبرہ: مقبرے کی تعمیر کا آغاز 1564ء میں ہوا۔اکبر دور کی اس عمارت سے اکبر کی رواداری پالیسی کا آغاز ہوتا ہے۔اس میں ہندوانہ طرزِ تعمیر کی بعض چیزیں اختیار کی گئیں۔ہشت پہلو کرہ جس میں ہمایوں اور دس دوسرے افراد کی قبریں ہیں۔سنگِ مرمر سے مزین محرابیں اس عمارت کے قابلِ ذکر حصے ہیں۔اس مزار کے ادھر کسی زمانے میں ایک مدرسہ ہوتا تھا۔جواب نابود ہو چکا ہے۔

اس مقبرے کی کرسی 22 فٹ بلند ہے۔اس کے اردگرد قرآن خوانی کے لئے چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں۔عمارات کے چاروں کونوں پر مینار ہیں۔ اصل قبر کے اوپر ایک بلند و بالا قبر ہے۔جس کے کندھے پہلوانوں کی طرح ابھرے ہوئے ہیں۔بیرونی طور پر یہ گنبد معمولی طور پر بلند نظر آتے ہیں۔

قلعہ آگرہ: اکبر نے آگرہ میں جو قلعہ بنوایا ہے۔وہ تمام کام سنگِ سرخ کا بنا ہوا ہے۔یہ ایک عظیم عمارت 4249 فٹ لمبی اور 260 فٹ چوڑی ہے۔اس عمارت سے ہندوانہ طرزِ تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔کیونکہ اس میں زیادہ تر شہتری اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔اس میں محرابیں نہیں ہیں۔

فتح پور سیکری: یہ شہر کچھ عرصہ تک اکبر کا دارالحکومت بھی رہا ہے جو آگرے سے چھتیس میل کی مسافت پر موجود ہے۔اکبر نے اس زمانے میں جو عظمت بخشی اس کے کھنڈرات آج تک اس کے گواہ ہیں۔اس شہر کے بارے میں لین پول لکھتا ہے۔ہندوستان میں اس تباہ شدہ شہر سے زیادہ حسرتناک اور خوبصورت کچھ نہیں یہ ایک پریشان خواب کی خاموش تاریخ ہے۔

بلند دروازہ: جامع مسجد فتح پور سیکری کا جنوبی دروازہ جسے بلند دروازہ کہا جاتا ہے۔اپنی مثال آپ ہے۔اس کی بلندی 167 فٹ ہے۔اس کے علاوہ الہ آباد کا 40 ستونوں والا محل مدتوں اکبر کی عظمت کے گن گاتا رہا۔

قلعہ لاہور: لاہور کا قلعہ بھی اکبر کی آج بھی سنا رہا ہے۔شہر کے وسعت میں تعمیر کی گئی یہ عمارت اپنی بلندی اور سادگی کی بناء پر مغلوں کے سنہری دور کی یاد دلاتی ہے۔اس کے علاوہ اکبر نے سرائیں۔تالاب۔محل۔مینار بنوائے۔

عہدِ جہانگیری: تعمیرات کے لئے کیونکہ ایک پرامن ماحول کے ساتھ ذاتی دلچسپی کی بھی ضرورت ہے۔اس لئے جہانگیری عہد میں ہمیں تعمیرات کے میدان میں کوئی خاص کام نہیں کیا۔تاہم کچھ عمارات قابلِ ذکر ہیں۔لاہور کے شاہی قلعے میں موتی مسجد اور خوابگاہ اس نے تعمیر کروائی۔نور جہاں جو جہانگیر کی شریکِ حیات تھی۔کیونکہ وہ بھی اسی دور سے تعلق رکھتی تھی۔اور اس کی عہد ثقافت کی سربراہ تھی۔اس نے اپنے اعتماد الدولہ کا مزار بنوایا۔باغ دلکشا میں جہانگیر کا مقبرہ جو آج تک اہلِ لاہور کے لئے تفریحات کا مرکز ہے۔نور جہاں کا ہی بنوایا ہوا ہے۔جہانگیر نے باغات میں خاص دلچسپی لی۔کشمیر میں شالامار باغ اور نشاط باغ آج بھی دورِ رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 49۔مغلیہ دور کے زوال کے اسباب تحریر کریں۔

مغلوں کے زوال کے اسباب۔

جواب: دنیاوی جاہ و جلال نے مغل بادشاہوں کو نااہل اور عیش پرست بنا دیا تھا اور انہوں نے اپنے امراء اور صوبے داروں کو امورِ سلطنت سونپ دیئے تھے جو خود اپنے حکمرانوں کی تقلید میں شاہانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ اس طرح عسکری نظام بھی متاثر ہوا۔مغلیہ حکومت کی بحرانی کیفیت سے ہندوستان میں آباد سکھوں اور مرہٹوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنی قوت کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔یورپی اقوام کی برصغیر میں آمد کے بعد سیاست نے رخ بدلا اور یہ اقوام مغلیہ حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض علاقوں پر قبضہ کرنے کیلئے آپس میں گلوگیر ہوگئیں۔دیسی ریاستوں کے تاجداران کے حواری بن گئے۔اسی عرصہ میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے مغلوں کی سیاسی قوت پر ایک اور کاری ضرب لگائی۔مسلمانوں کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔انگریزوں نے اس موقع پر ایسی حکمتِ عملی اختیار کی کہ پورے برصغیر پر قابض ہو گئے۔1857ء میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کو تخت سے محروم کر دیا گیا اور مغلیہ حکومت کا چراغ گل ہو گیا۔

1۔ اخلاقی اقدار کا فقدان: اخلاقیات اسلام کی روح ہے۔اشاعت اسلام میں اسی لئے اخلاقیات نے اہم رول ادا کیا ہے۔غیر مسلمانوں سے اسلامی تعلیمات کیہمہ گیر قوت کے آگے سرنگوں ہو کر اسلام قبول کیا۔ہندوستان میں اسلامی حکومت کے وقت تو اخلاقی اقدار پیش پیش رہی مگر آہستہ آہستہ معاشرے میں ان اقدار کو پسِ پشت ڈال دیا۔

سلاطین اور امراء نے غیر اسلامی شعائر کو اپنا لیا۔بداخلاقی اور بدکاری نے جنم لیا تو جہاں مذہبی تنزل ہوا وہاں سیاسی قوت کو بھی ٹھیس پہنچی۔مغل سلطنت کے آخری فرمانروا محمد شاہ عرف رنگیلا کی مثال تاریخ کے اوراق میں ملتی ہے جسے امورِ سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور مسلسل کئی ماہ تک بازارِ حسن میں بدمست رہتا تھا۔بادشاہوں کی تقلید میں امراء نے بھی اخلاق سے گرے ہوئے فعل اختیار کیے۔دنیا کی عیش پرستی اور دولت نے حکمرانوں کو راہ راست سے بھٹکا دیا۔قرآن پاک کی تعلیم سے بیزاری ان کے زوال پزیر ہونے کی سب سے پہلی وجہ تھی۔

2۔ نااہل جانشین: 1707ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے نااہل جانشین مغلیہ سلطنت کے وارث رہے۔شاہ عالم بہادر شاہ اول (1707ء تا 1712ء)، جہاندار شاہ (1712ء تا 1713ء)، فرخ سیر (1713ء تا 1719ء)، رفیع الدرجات (1719ء) رفیع الدولہ، شاہجہان ثانی (1719ء) وغیرہ جیسے حکمرانوں میں سے اکثر عیش پرست اور تن آسان تھے۔اپنی نااہلیت کے باعث انتظامی قابلیت سے یکسر محروم تھے۔دولت کی فراوانی کی بدولت اولاد نرم و نازک کردار کی مالک تھی اور مشکلات کا سامنا کرنے سے قاصر، وزیروں کی سازشوں، سرکاری افسروں کی نااہلی اور تعیش نے حالات اور بھی دگرگوں بنا دیا تھا۔مختلف صوبے

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

خودمختار ہو گئے تھے۔شاہی خزانے خالی ہو گئے۔شاہی دربار ناچ گانے اور رنگ رلیوں کا مرکز بن گیا تھا۔مغلیہ سلطنت کا دبدبہ ختم ہو گیا اور اس کی فوجی کمزوریاں عیاں ہو گئی۔سلطنت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔رشوت ستانی عام ہو گئی۔احترامِ قانون کا فقدان ہوا اور مغلیہ سلطنت کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہوئی۔اگرچہ مغلیہ حکومت کا بیرونی ڈھانچہ درخشاں نظر آتا تھا۔بہرحال مغلوں کی بدقسمتی تھی کہ نااہل اور تن آسان حکمرانوں کی سرپرستی نے سلطنت کو تباہی اور بربادی سے ہمکنار کر دیا۔ بیرونی طاقتوں نے ہندوستان میں مغلوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے لیے سازشوں میں مصروف ہو گئے اور بالآخر سلطنت کے خاتمے کو موجب بنے۔

3۔ عسکری قوت کا انحطاط: مغلوں کی فوجی طاقت کا انحطاط اورنگ زیب کی وفات سے شروع ہو چکا تھا۔بقول ہندو اور انگریز مؤرخین کے اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی اس کا موجب بنی مگر یہ الزام تنگ نظری پر مبنی ہے۔بہرحال اس صدی میں مرہٹوں اور سکھوں میں سیاسی بیداری کا عمل پیدا ہو چکا تھا اور وہ مسلمانوں کی بالادستی کو قبول کرنے کے خلاف جدوجہد میں مصروفِ عمل ہو چکے تھے۔بدقسمتی سے حکمران وقت کی نزاکت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔نئے فنونِ حرب اور جدید ہتھیاروں کے استعمال سے عاری تھے۔شاہجہان کے دورِ حکومت سے ہی مغل صوبے دار تن آسانی کا شکار ہو گئے تھے۔عیش و عشرت اور شراب نوشی نے انہیں جنگوں کے لڑنے کے قابل بنانے سے دور رکھا اور میدانِ جنگ میں جانے سے گھبراتے تھے۔اگرچہ بابر دریا تیر کر عبور کرتا تھا اور تیغ زن سرخ و سپید سپاہی تھا،مگر اس کے برعکس اورنگزیب کے جرنیل ریشمی لباس زیب تن کر کے پالکیوں میں سوار ہو کر میدانِ جنگ جاتے تھے۔فوج کے اندر تنظیم،اتحاد اور قوت کا فقدان تھا۔جرنیل اپنے باہمی جھگڑوں اور رقابتوں کے باعث فوجی تنظیم کی طرف کم توجہ دیتے تھے۔لہٰذا فوجی انحطاط کی ناگزیر وجہ یہی تھی۔1857ء میں مغلیہ فوج جنگِ آزادی میں شکست سے دوچار ہوئی اور انگریزوں نے برصغیر پر اپنی گرفت کو مضبوط بنا لیا۔

کاشان اکیڈمی

4۔ درباری سازشیں: تن آسان حکمران بادشاہ سلطنت کے آخری دور میں امورِ جہانبانی سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور مغلیہ دربار سازشوں کا اکھاڑہ بن گیا تھا۔وزراء اور امراء حکومت کی کلیدی اسامیوں پر فائض تھے اور وہ اپنی اپنی اجارہ داری اور افسر شاہی کو قائم و دائم رکھنے میں مصروف تھے۔جس کی وجہ سے سخت بدانتظامی رہی اور سازشوں کو خوب فروغ حاصل ہوا۔درباری امراء کی گروہ بندیاں زیادہ سخت ہو گئیں۔ملکی اور غیر ملکی امتیاز نہ رہا۔غیر ملکی پارٹی دو حصوں میں منقسم ہو گئی،یعنی ایرانی اور تورانی امراء،تورانی امراء سنی تھے اور مغلوں کے ہم وطن لہٰذا ان پر شاہی نوازشوں کی بارش ہوتی تھی۔ایرانی امراء شیعہ تھے اور تعداد میں کم تھے لیکن علمی استعداد کے باعث اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔پٹھان،عرب اور روہی بھی غیر ملکی امراء کے ساتھ تھے۔ہندوستانی امراء میں مقامی سردار بھی شامل تھے۔ان میں جاٹ اور راجپوت شامل تھے۔جتھہ بندی سے شاہی طاقت زوال پذیر ہوئی اور سید برادران بادشاہ گر بن بیٹھے۔مزید برآں وزراء کے باہمی حسد اور نفاق نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔نظام الملک ، برہان الملک،عماد الملک اور نجیب الدولہ کی زندگیاں خودغرضی کا نمونہ تھیں۔جن کی خودغرضانہ پالیسیوں سے مغلیہ سلطنت کو سخت دھچکا لگا۔مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہ تھی جو اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرتی اور محلاتی سازشوں کا قلع قمع کرتی۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نظامِ حکومت تباہی سے ہمکنار ہوا اور اندرونِ ملک دوسری قوموں کو ابھرنے کا موقع ملا اور وہ آخر کار قابض ہو گئیں۔

0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

6۔ وسعتِ سلطنت: مغلیہ حکمرانوں کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں۔قندھار اور ہرات تک ان کی رسائی تھی۔اورنگزیب کے عہد میں دکن کو بھی سلطنت میں شامل کر لیا گیا تھا۔جب تک مرکز میں مضبوط حکمران قابض تھے اور سلطنت کے دور دراز علاقوں میں سکون اور امن قائم رہا۔مگر نااہل حکمرانوں کے دور میں دور دراز کے علاقوں نے خودمختاری اختیار کر لی۔اس زمانے میں رسل و رسائل کے ذرائع بھی محدود ہوتے اور جب تک آمد و رفت کے ذرائع چاک و چوبند نہ ہوں حکومت کی بقا ناممکن رہتی۔جب مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی تو دکن،اودھ اور بنگال خودمختار بن بیٹھے۔راجپوتانہ نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔بہرحال مرکز کی کمزوری تھی کہ سرحدیں بھی غیر محفوظ ہو گئی۔سلطنت کی وسعت اس قدر زیادہ تھی کہ اورنگ زیب کے بعد کسی مغل حکمران کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ اتنی وسیع و عریض سلطنت کو چلا سکتا تھا۔جونہی کمزور اور تن آسان حکمران برسرِ اقتدار آئے تو وسعتِ سلطنت میں کمی آنا شروع ہو گئی جس کے باعث مغلیہ حکومت زوال سے دوچار ہوئی اور پھر غیر ملکی اقدام کی برصغیر میں آمد اور اندرونِ ملک غیر مسلم قوتوں نے بھی سر اٹھایا اور سیاسی افق پر چھانے کے لئے مصروفِ عمل ہو گئیں۔

7۔ غیر ملکی حملے: مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں بیرونی حملوں کی وجہ سے حکومت کمزور ہو گئی۔پہلا حملہ مغل تاجدار محمد شاہ کے عہد میں ایرانی حکمران نادر شاہ نے 1739ء میں ہندوستان پر کیا۔نادر شاہ بقول بعض مؤرخین کے اپنے ساتھ تختِ طاؤس سمیت پچاس کروڑ کا سامان اور نقدی لے گیا۔اس حملے سے مغلیہ سلطنت پر کاری ضرب لگی اور وہ مفلوج ہو گئی۔صوبہ کابل کے علاوہ دریائے سندھ تک تمام علاقے پر ایران نے قبضہ جما لیا۔مزید برآں دہلی میں قتلِ عام سے مغلیہ سلطنت کی مالی حالت بھی خراب ہو گئی۔دوسرا حملہ غیر ملکی احمد شاہ ابدالی نے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کے عہد میں 1761ء میں کیا۔اگرچہ اس سے پہلے بھی احمد شاہ ابدالی نے چار بار مہم جائی کی تھی۔پہلی دفعہ 1748ء میں محمد شاہ کے عہد میں سرہند تک لشکر کشی کی۔دوسری دفعہ 1749 میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کر کے مغل گورنر معین الدین کو شکست دی اور اسے خراج کی ادائیگی پر پابند کر کے احمد شاہ ابدالی واپس چلا گیا۔پنجاب سے خراج کی عدم ادائیگی پر 1750ء میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر تیسرا حملہ کیا۔گورنر پنجاب عماد الملک نے ابدالی کی اطاعت تسلیم کر لی۔احمد شاہ چوتھی مرتبہ 1757ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا۔اور پانچویں دفعہ اس نے مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں شکست فاش دی۔جس کے باعث مرہٹوں کی فوقیت ملتان اور دہلی سے ختم ہو گئی اور شمالی ہند سے بھی مرہٹوں کا اقتدار اٹھ گیا۔پانی پت کی تیسری لڑائی کے بعد 15 فروری 1761ء میں انگریزوں نے پانڈی چری پر قبضہ کر کے برصغیر سے فرانس کا تسلط ختم کر ڈالا اور اس کے بعد مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کا وظیفہ خوار بن گیا۔گویا اس لڑائی کے دوررس نتائج یہ نکلے کہ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقبال کا ستارہ چمکا اور مغلیہ سلطنت زوال سے دوچار ہوئی۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

8۔ صوبوں کی خودمختاری: برصغیر پر نادر شاہ درانی کے حملے کے بعد محمد شاہ مغل بادشاہ کی حکومت بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ مرکز کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دکن، اودھ اور بنگال خودمختار ہو چکے تھے اور برائے نام مغلوں کے ماتحت تھے۔ مالوہ، گجرات اور بندھیل کھنڈ پر مرہٹوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ میرٹھ سردار گھوجی بھونسہ نے بنگال، بہادر اور اڑیسہ پر حملہ کیا اور محمد شاہ مغل حکمران نے مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے پیشوا بالاج باجی راؤ کو مالوہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ کیونکہ محمد شاہ مرہٹوں کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹے طاقت پکڑ گئے۔ نظام الملک جیسے گورنروں نے لامتناہی حب جاہ کی بدولت مرکزی حکومت کو بے وقعت کر دیا۔ لہذ وزراء کی ہوسِ اقتدار نے مرہٹوں کو شمالی ہند کی جانب متوجہ کیا اور اس طرح مغل تاج دار مرہٹوں کے زیر اثر آ گئے۔ پس مغلیہ سلطنت کی کمزوریاں عیاں ہونے لگی بعض مسلمان زعما نے مغلوں کی ساکھ اور احترام کو بحال کرنے کے لیے احمد شاہ ابدالی والئی افغانستان کو حملہ کرنے کی دعوت دی تا کہ مرہٹوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو ختم کیا جا سکے۔ بقول مؤرخین حضرت شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ کو قائل کیا کہ وہ مرہٹوں اور جاٹوں کی سرکوبی کرے۔ بہرحال صوبائی خودمختاری کے باعث مغلوں کی حکومت کمزور ہوتی گئی اور برصغیر میں یورپی اقوام بالخصوص انگریزوں کو موقع میسر آیا کہ خودمختار صوبوں کے گورنروں کے ساتھ ساز باز کریں اور مغلوں کی حکومت کو ختم کر دیں۔ بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان پر قابض ہو گئے۔

سوال نمبر 50۔ برصغیر پاک و ہند کی ثقافت میں مغلوں کے علوم وفنون کی اہمیت بیان کریں۔

جواب۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

مغلیہ دبستانِ مصوری

جب خاندانِ تیموری کے ایک فرزند بابر بادشاہ نے ہندوستان فتح کیا تو اِس سر زمین میں اسلامی تہذیب نے فروغ اور ترقی پائی۔ اگرچہ مغلیہ دربار میں ایک ملا جلا ہندی ایرانی اسلوب وجود میں آیا تاہم اس کے ساتھ ساتھ ایک مقامی دبستان مصوری بھی بالخصوص راجپوتانہ میں فروغ پا تا رہا جو اوراقِ تاریخ میں ’’مغلیہ دبستانِ مصوری‘‘ کے نام سے تحریر کیا جاتا ہے۔ آیئے ذیل میں ان دبستانِ مصوری کا مختصر سا مطالعہ کرتے ہیں۔

عہد بابر بابر بادشاہ کے دربار میں جو تصویریں بنائی گئیں اُن کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔ حالانکہ عربی مصادر سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ بادشاہ ایک عالم، فلسفی، سیاح جہانگشت، ماہر شکاری اور فطرت کا دلدادہ ہونے کے علاوہ فنونِ لطیفہ کا سرپرست بھی تھا۔ تاہم اس کے عہد حکومت سے بہت کم تصاویر منسوب کی جا سکتی ہیں۔ کنیل (Kunnel) کی بحری جنگ کی تصویر اُس زمانے کی شہنشاہ جہانگیر کی ملکیت ایک البم میں ہے اور برلن کے سرکاری کتاب خانہ میں محفوظ ہے، اِس میں بہزاد اور اس کے دبستان کا اثر صاف نظر آتا ہے۔ بابر کے کتب خانے میں تصویری کتابوں کا نایاب ذخیرہ تھا۔ جن میں وہ مصور کتب بھی شامل تھیں جو بابر نے ہرات کے مصوروں خصوصاً بہزاد کی تصویری تخلیقات بڑی تلاش کے بعد جمع کی تھیں۔

عہد ہمایوں

ہمایوں اپنے باپ بابر کا جانشین بنا گر اسے ایک افغان بادشاہ شیر شاہ نے شکست دے کر ملک سے نکال دیا۔ ہمایوں نے اپنی جلاوطنی کے ایام ایران میں بسر کئے جہاں شاہ طہماسپ نے اس کی پذیرائی کی۔ ہمایوں شاہ ایران کے دربار میں وہاں کے بڑے بڑے مصوروں کی تخلیقات سے آشنا ہوا۔ چنانچہ تبریز میں اس نے خواجہ عبد الصمد شیرازی اور میر سید علی سے ملاقات کی۔ اور بعد ازاں 1549ء میں اس نے ان دونوں استادوں کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تا کہ اس کے لئے داستانِ امیر حمزہ کو مصور کریں۔ جس میں بادری اور جوانمردی کے فرضی کارناموں کا ذکر ہے۔ اِس طرح وہ مصوری کے مغلیہ دبستان کے اصل بانی قرار پائے۔ ہمایوں نےمیر سید علی کو نادر الملک کا خطاب بخشا نہ ’’داستان امیر حمزہ‘‘ کی تصویر سازی کے آغاز ہی میں ہمایوں کا انتقال ہو گیا جو بعد میں اکبر کے عہد میں مکمل ہوئی۔ داستان امیر حمزہ کی کل تصاویر کی اصلی تعداد چودہ سوتھی اور کپڑے کے خاصے بڑے بڑے قطعوں پر بنائی گئی تھیں۔

عہد مغلیہ اور خطاطی۔

مختلف فن میں ماہر لوگوں کی اکثریت: ہندوستان میں ہر شعبے سے متعلقہ ماہرین فن آسانی سے مل جاتے تھے۔ جہاں کسی کام کو نمٹانے کے لئے بلاتردد پایہ تکمیل تک پہنچانے والے لوگ موجود ہوں تو اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مغلیہ دور میں عمارات بننے کی وہی وجہ بنی۔ یہ لوگ نسل در نسل یہی کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔

ماہرین فن تعمیر: عمارات کی تعمیر اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک اس کو بنانے والا ذہن موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے زیر اثر فن تعمیر کے شعبے کو بہت ترقی ملی۔ کیونکہ بادشاہ کے پاس عمارت کا ڈھانچہ موجود ہوتا تھا۔ اس کی تعمیر کے لئے مزدور اور دولت موجود ہوتی تھی۔ لیکن اس کی خواہشات کے عین مطابق عمارت کو ڈھالنے کا ذمہ ماہرین فن تعمیر کے پاس تھا۔

پرامن ماحول: ذہنی سکون ایک ایسی دولت ہے۔ جو اگر میسر نہ ہو تو انسان کسی طرح کی ذمہ داری سے عہدہ براہ نہیں ہو سکتے۔ مغلیہ حکومت میں فن تعمیر کو عروج حاصل ہونے میں پرامن ماحول کا بہت عمل دخل ہے۔ مغل بادشاہوں میں صرف بابر اور ہمایوں کو زیادہ تعمیرات کرنے کا موقع نہ ملا۔ دوسرے بادشاہوں نے اپنے پرامن ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ذاتی ذوق: کوئی کام اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس کے کرنے والے ذاتی دلچسپی کا اظہار نہ کریں۔ بابر سے لے کر اورنگ زیب تک تمام بادشاہ اس میدان میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ اور اسی ذوق نے انہیں ایسی شاندار عمارات بنوانے پر مجبور کیا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔ گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

جن کی شان وشوکت سے ہم انحراف نہیں کر سکتے۔

بادشاہ کے کردار کا عکس: مغلیہ دور کی ہر عمارت اپنے تعمیر کنندہ کے ذوق و کردار کا عکس پیش کرتی ہے۔ ان عمارات کو بنوانے کا مقصد بادشاہوں کے نزدیک اپنی ذات کا منوانا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے ذات کا اظہار عمارت کی صورت میں کیا۔

خام اشیاء کی سہولت: مغل بادشاہ شاہجہان اپنے ذہنی رجحانات کی بدولت اس فن کو آگے بڑھا رہے تھے۔ وہاں رجحانات ایک دور میں فن تعمیر کی ترقی میں یہ وجہ سب سے اہم ہے۔ کہ خام اشیاء آسانی سے مل جاتی تھیں۔ **مسئلہ روزگار:** فن تعمیر کی ترقی کی ایک بڑی وجہ روزگار کے مسئلہ کو حل کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ مغل باشاہ بہت رعایا پرور تھے۔ اور وہ عمارات کی تعمیر سے ہزاروں لوگوں کو روزگار مہیا کرنا چاہتے تھے۔

مغلیہ فن تعمیر کے مختلف ادوار: مغلیہ فن تعمیر کو فن کی ترقی کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس فن نے بتدریج کئی ترقی کی منازل طے کیں۔ اور آخر کا شاہجہانی دور میں یہ فن انتہائے کمال کو پہنچا۔

بابر کا دور: مغلیہ فن تعمیر کا آغاز بابر کی پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی پر فتح یاب کے بعد سے ہوتا ہے۔ تزک بابری سے پتہ چلتا ہے۔ کہ بابر تیموری روایات کا صحیح قلعدار اور سرپرست تھا۔ اسے نہ صرف علوم وفنون اور قدرتی مناظر سے دلچسپی تھی۔ بلکہ اسے خاندانی روایات کے مطابق فن تعمیر سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ بابر جتنا عرصہ ہندوستان رہا۔ لڑائیوں میں مصروف رہا۔ اس لئے اسے اپنے ذوق کو اجاگر کرنے کے زیادہ موقع نہ مل سکا۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے ذوق کے لئے کچھ عمارات بنوائیں۔ بابر نے برصغیر میں بارہ دریاں اور چہار باغ بنواکر اپنے ذوق کو تسکین دی۔ بابر نے باغات میں سدابہار اور پھل دار درخت لگوانے کے علاوہ مختلف قسم کے پھولوں سے سجایا۔ باغ کے دوران ایک بلند کرسی پر بارہ دری بنائی گئی۔ باغ میں داخل ہونے کے لئے پختہ اینٹوں کی روش ہوتی تھی۔ روشوں کے بیچ میں نہر اور فوارے چلتے تھے۔ روشوں کے قریب ہی درخت لگائے جاتے تھے۔ بابر کا زمانہ اقتدار صرف چند سالوں پر مشتمل تھا۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

ہمایوں کا دور: ہمایوں کا عہد حکومت پرآشوب دور تھا۔ بیچارہ ہمایوں چند ماہ سے زیادہ سکون سے حکومت نہ کرسکا۔ اور اس نے پندرہ سال بڑی کسمپرسی میں جلاوطنی میں گزارے۔ اس کے باوجود جتنے لمحات اسے میسر آئے۔ اس نے تعمیرات کی طرف خاص توجہ دی۔ پہلے دس سال کی حکومت میں جنگ وجدل اور ہنگامی حالات کے باوجود اس نے دین پناہ کا شہر تعمیر کروایا۔ اور آگرہ کا ہفت ایوان محل تیار کروایا۔ جس میں سات ایوان سات ستاروں کے نام سے منسوب تھے۔ ہر روز دربار منعقد کرنے کے لئے ایوان منتخب کیا۔ اس کے علاوہ بابر کے چند ایک تعمیری منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

اکبر کا عہد: اکبر اعظم کے عہد کی عمارات سے معلوم ہوا ہے کہ اکبر کا فن تعمیر ہندوستانی ایرانی اور اسلامی فنون تعمیر کا مرقع ہے۔ اس کے عہد میں مغلیہ فن تعمیر کو رواج ہوا۔ اور مزید ترقی کی منازل اس فن نے اسی کے دور میں طے کیا۔

اکبر کے دور کی تعمیرات کی خصوصیات: دور اکبر میں فن تعمیر نے مزید ترقی کی۔ اس دور میں سنگ سرخ کا استعمال کثرت سے ہوا۔ راجپوت فن کے گہرے اثرات اس کے عہد کی عمارات میں دکھائی دیتے ہیں۔ سنگ سرخ اسے بہت پسند تھا۔ اکبری دور میں گنبد کے بارے میں ایک جدت اختیار کی گئی۔ اس دور میں دوہرے گنبد اور عمارات کی بلندی کا اصول ترک کر دیا گیا۔ عمارتوں میں ہندوانہ طرز کے ستون اور برآمدے کے دروازوں کی تعمیر شہری اسلوب پر کی گئی۔

دور اکبری کی عمارات: اکبر کو بھی فن تعمیر سے خاص لگاؤ تھا۔ اس کے عہد میں حکومت میں نہ صرف مساجد اور باغات تعمیر کروائے گئے بلکہ بے شمار قلعے، تالاب مینار اور سرائیں بھی تعمیر ہوئیں۔

ہمایوں کا مقبرہ: مقبرے کی تعمیر کا آغاز 1564ء میں ہوا۔ اکبر دور کی اس عمارت سے اکبر کی روادارانہ پالیسی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں ہندوانہ طرز تعمیر کی بعض چیزیں اختیار کی گئیں۔ ہشت پہلو کرہ جس میں ہمایوں اور دس دوسرے افراد کی قبریں ہیں۔ سنگ مرمر سے مزین محرابیں اس عمارت کے قابل ذکر حصے ہیں۔ اس مزار کے ادھر کسی زمانے میں ایک مدرسہ ہوتا تھا۔ جو اب نابود ہو چکا ہے۔

اس مقبرے کی کرسی 22 فٹ بلند ہے۔ اس کے اردگرد قرآن خوانی کے لئے چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ عمارات کے چاروں کونوں پر مینار ہیں۔ اصل قبر کے اوپر ایک بلند وبالا قبر ہے۔ جس کے کندھے پہلوانوں کی طرح ابھرے ہوئے ہیں۔ بیرونی طور پر یہ گنبد معمولی طور پر بلند نظر آتے ہیں۔

قلعہ آگرہ: اکبر نے آگرہ میں جو قلعہ بنوایا ہے۔ وہ تمام کام سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔ یہ ایک عظیم عمارت 4249 فٹ لمبی اور 260 فٹ چوڑی ہے۔ اس عمارت سے ہندوانہ طرز تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ تر شہتری اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں محرابیں نہیں ہیں۔

فتح پور سیکری: یہ شہر کچھ عرصہ تک اکبر کا دارالحکومت بھی رہا ہے جو آگرے سے چھتیس میل کی مسافت پر موجود ہے۔ اکبر نے اس زمانے میں جو عظمت بخشی اس کے کھنڈرات آج تک اس کے گواہ ہیں۔ اس شہر کے بارے میں لین پول لکھتا ہے۔ ہندوستان میں اس تباہ شدہ شہر سے زیادہ حسرتناک اور خوبصورت کچھ نہیں یہ ایک پریشان خواب کی خاموش تاریخ ہے۔

بلند دروازہ: جامع مسجد فتح پور سیکری کا جنوبی دروازہ جسے بلند دروازہ کہا جاتا ہے۔ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی بلندی 167 فٹ ہے۔ اس کے علاوہ الہ آباد کا 40 ستونوں والا محل مدتوں اکبر کی عظمت کے گن گاتا رہا۔

قلعہ لاہور: لاہور کا قلعہ بھی اکبر کی آج بھی سنا رہا ہے۔ شہر کے وسعت میں تعمیر کی گئی یہ عمارت اپنی بلندی اور سادگی کی بناء پر مغلوں کے سنہری دور کی یاد دلاتی ہے۔ اس

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی مشقیں حاصل کرنے کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

کے علاوہ اکبر نے سرائیں ۔تالاب ۔محل ۔مینار بنوائے۔

عہد جہانگیری: تعمیرات کے لئے کیونکہ ایک پر امن ماحول کے ساتھ ذاتی دلچسپی کی بھی ضرورت ہے ۔اس لئے جہانگیری عہد میں ہمیں تعمیرات کے میدان میں کوئی خاص کام نہیں کیا۔تاہم کچھ عمارات قابل ذکر ہیں ۔لاہور کے شاہی قلعے میں موتی مسجد اور خوابگاہ اس تعمیر کروائی ۔نور جہاں جو جہانگیر کی شریک حیات تھی ۔کیونکہ وہ بھی اسی دور سے تعلق رکھتی تھی ۔اور اس کی عہد ثقافت کی سربراہ تھی ۔اس نے اپنے اعتماد الدولہ کا مزار بنوایا۔باغ دلکشا میں جہانگیر کا مقبرہ جو آج تک اہل لاہور کے لئے تفریحات کا مرکز ہے ۔نور جہاں کا ہی بنوایا ہوا ہے ۔جہانگیر نے باغات میں خاص دلچسپی لی ۔کشمیر میں شالامار باغ اور نشاط باغ آج بھی دور رفتہ کی یاد دلاتے ہیں اس زمانے میں رنگ دار شیشوں سے چھتوں کو مزین کی گیا ۔یعنی نقاشی عام ہوگئی ۔شیخوپورہ میں جہانگیری عہد کے ایک تاریخی عمارت ہرن منیار بھی ہے ۔

عہد شاہجہانی: شاہجہانی عہد تعمیرات کا سنہری دور تھا ۔اور فن تعمیر کے عروج کا زمانہ تھا ۔امن وخوشحالی کے اس دور میں ایک مغل بادشاہ کو اپنے ذوق کا بلند مظاہرہ کرنے کا موقع ملا ۔تاج محل ۔موتی مسجد آگرہ ۔جامع مسجد اور تخت طاؤس ان میں سے ہر ایک اپنی مثال آپ ہے ۔سفید رنگ کے استعمال نے ان عمارات کو چار چاند لگا دیئے ۔

سوال نمبر 51 ۔دور مغلیہ کی ممتاز مذہبی تحریکوں کے بارے میں تحریر کریں۔

جواب۔

کاشان اکیڈمی

مہدوی تحریک: مہدوی تحریک کا آغاز خون پور سے ہوا ۔اس کے بانی سید محمد جون پوری 1443ء میں پیدا ہوئے ۔آپ کو میراں مہدی اور میراں جی بھی کہتے تھے ۔آپ 1604 میں فوت ہوگئے ۔ان کی تحریک ان کی زندگی میں ہی نہ صرف برصغیر بلکہ اس کی سرحدوں تک پھیل گئی ۔لیکن 1945 میں جب انہوں نے امام مہدی ہونے کا دعوی کیا تو سختی سے مخالفت کی گئی ۔سید محمد کا اپنا زمانہ تو مغلیہ سے پہلے کا تھا ۔لیکن انکی تحریک میں شامل ہونے والے افراد کی زندگیوں کے زاہدانہ رنگ کی وجہ سے اس تحریک کی حیثیت ایک اصلاحی تحریک کی تھی ۔اس تحریک کے زیر اثر ملک میں شرع کی پابندی اور زہد وتوکل کی فضاء پیدا ہوگئی ۔پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں ایرانی بلوچستان میں مہدوی تحریک کے ارکان زکری ہیں ۔

0334-5504551

شیعی اثرات: برصغیر جنوبی ایشیاء اور ایران کے قطعات خاصے پرانے ہیں ۔برصغیر کے مسلم دور حکومت میں غزنویوں کے دربار میں ایرانی اثرات زیادہ بڑھ گئے ۔سرکاری زبان بھی فارسی تھی ۔ان کا اثر ہمایوں سے ہوا ہمایوں 1540 میں شکست کھا کر ایران چلا گیا ۔ایران کے بادشاہ نے اس سے اچھا سلوک کیا اور شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد 1555 میں جب ہمایوں نے واپس آ کر ہندوستان کی حکومت دوبارہ حاصل کی تو یہ لوگ شیعہ تھے ۔اس بے بعد مغل دور میں شیعہ شامل ہو گئے ۔کشمیر پر مغل قبضے کا محرک بھی شیعہ سنی فساد بنا ۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

شطاری سلسلہ: تصوف کے مختلف سلسلوں میں ایک سلسلہ شطاریہ بھی ہے ۔یہ سلسلہ مشہور صوفیا بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے ۔شمالی ہند میں عبداللہ شیطاری نے اسے جاری کیا ۔اس سلسلے میں توحید پر بڑا زور تھا ۔لیکن اسلامی شریعت پر عمل کم تھا ۔موسیقی کے اشغال سے رغبت کا رجحان عام تھا ۔ان کی عام زندگی میں ظاہری شان وشوکت کا رجحان زیادہ ہے ۔شریعت اسدیہ کی پابندی کا انداز بھی عام تھا ۔شیخ محمد غوث گوالیاری نے 1562ء میں وفات پائی ۔شطاری سلسلے کی توسیع میں ان کا نام نمایاں ہے ۔ان کے طریقوں یوگیوں اور بیراگیوں کے اشغال کی جھلک واضح نظر آتی ہے ۔بابر اور ہمایوں جیسے بادشاہ بھی شطاری کے معتقد تھے ۔نیز شاہ ولی اللہ کا محدث نے شطاری اشغال کی با قاعدہ تعلیم حاصل کی ہے ۔

مجددی سلسلہ۔

اکبری دور کے بعد سلسلہ مجدیہ نے مذہبی اصلاح وترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ۔سلسلہ مجددیہ سلسلہ نقشبندیہ کی ایک شاخ ہے جو شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیسے منسوب ہے ۔دراصل اس سلسلے کو شیخ احمد کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے ہندوستان میں جاری کیا تھا ۔حضرت خواجہ باق باللہ تقریبا 1597ء میں لاہور وارد ہوئے اور تقریبا ایک سال تک یہیں قیام پذیر رہے ۔یہ وہ زمانہ تھا جب (1585ء سے 1598ء) اکبر نے لاہور کو دارالحکومت بنایا ہوا تھا ۔اس زمانے میں لاہور میں سخت قحط پڑا ہوا تھا ۔اس قحط کے دوران میں حضرت خواجہ موصوف کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنا کھانا تک غریبوں میں تقسیم کرا دیتے تھے ۔اِس دوران میں حاکم لاہور قلیچ خان سے ان اک بڑا دوستانہ رہا ۔قلیچ خان اس قدر دینی حقیقت رکھنے والا تھا کہ اس نے شاہی فرامین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عیسائی پادریوں کو مراعات سے محروم رکھا ۔وہ خود مدرسے میں جا کر روزانہ تین گھنٹے تک تفسیر ،حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتا تھا ۔اس کے اس اہتمام کی وجہ سے لاہور میں علوم اسلامیہ کو قبول عام حاصل ہوا تھا ۔بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ لاہور سے دہلی تشریف لے گئے اور لوگوں کی اصلاح وہدایت کے لئے مشغول رہے ۔نومبر 1603ء میں چالیس برس کی عمر میں فوت ہوگئے ۔

حضرت مجدد الف ثانی کی جائے پیدائش اور شجرہ:

حضرت مجدد الف ثانی 26 جون 1564 کو سرہند میں پیدا ہوئے ۔آپ کا شجرۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا کر ملتا ہے ۔اُن کے پہلے استاد اور مرشد ان کے اپنے والد مخدوم عبدالاحد تھے ۔اس کے بعد اُنہوں نے خواجہ باقی باللہ اور شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے فیض حاصل کیا ۔یہ تینوں بزرگ دینی حمیت کے لیے خاص شہرت رکھتے تھے ۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کو لاہور سے کاص تعلق رہا ۔اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ کے اشارے پر آپ نے لاہور کو مرکز بنایا اور اپنے مرشد کے وصال (30 نومبر 1603ء) تک یہیں مقیم رہے ۔اور پھر واپس اپنے وطن سرہند تشریف لے گئے ۔اکبری پیدا کردہ بعض گمراہیاں جہانگیر کے عہد میں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں ۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے احیائے دین کے لئے اِن دونوں بادشاہوں کے پھیلائے گئے گمراہ نظریات کے خلاف جہاد کیا ۔حتیٰ کہ جہانگیر کے منہ پر بھی حق

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس ، پروپوزل ، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں ۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

کا اظہار کرنے سے گریز نہ کیا۔ آپ کی اس جرأت اور بیباکی نے جہانگیر کو آپ سے خائف کر دیا اور اُس نے آپ کو ایک سال کے لئے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔
حضرت مجدد الف ثانی کی اسی دینی غیرت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال نہ کہا تھا:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

سلسلہ تبلیغ اور جدوجہد: آپ نے 10 دسمبر 1624ء میں سرہند میں انتقال فرمایا اور وہیں پر دفن ہوئے۔ حضرت مجدد کا زمانہ جہانگیر کا زمانہ تھا۔ اس دور مین شاہی دربار تو الحاد کے حملے سے باہر نکل آیا تھا لیکن مجموعی فضا میں اسلام کے خلاف رجحانات عام تھے، جن میں ایک خطرناک رجحان یہ تھا کہ ہندو مذہب کو جارحانہ انداز میں از سرِ نو رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ حضرت مجدد نے "صلح کل" مشرب سے ہٹ کر اسلامی حمیت کو بنیاد بنایا۔ اُنہوں نے حق اور باطل کے مابین سمجھوتے کی شدت سے مخالفت کی۔ اس سلسلے میں اسلام کا واضح تصور (آپ کے لئے آپ کا دین اور میرے لیے میرا دین) کا ہے جو آپ کے پیشِ نظر رہا۔ چنانچہ حضرت مجدد نے رام اور رحیم کے ایک ہونے کے تصور کی سختی سے مخالفت کی اور واضح کیا کہ یہ دونوں ایک نہیں ہوسکتے کیونکہ رام "مخلوق" اور رحیم "خالق" ہے۔

حضرت مجدد کے سلسلۂ تصوف میں سنتِ رسولؐ کی پابندی اور اصحابِ رسولؐ کی متعین کردہ حدود کی اتباع پر بہت زور ہے۔ وہ تمام غیر شرعی رسوم سے منع کرتے تھے۔ ہندوستانی رسوم ورواج کے زیر اثر دین میں جو بدعات رائج ہوگئیں تھیں، حضرت مجدد الف ثانی نے ان سے سختی کے ساتھ روکا اور اسلامی شریعت کی پابندی کو لازمی قرار دیا۔ چنانچہ شریعت وطریقت کے باہم میلات سے ایسا معاشرہ قائم ہوا جو دین کا پابند ی اور اسلامی تعلیمات کا دلدادہ تھا۔ جس میں تصوف کا اپنا مقام تھا لیکن شریعت کی پابندی لازمی تھی۔ حضرت مجدد نے احیائے اسلام کی جو تحریک چلائی وہ جلد ہی پورے ملک میں پھیل گئی۔ آپ کے سینکڑوں خلفاء ملک کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے۔ سندھ میں آپ کے پوتے شیخ سیف الدین کے ایک خلیفہ مخدوم ابوالقاسم کی کوشش سے اس سلسلے کی اتنی اشاعت ہوئی کہ کوئی اور سلسلہ اس کے برابر نہ رہا۔ مخدوم ابوالقاسم 1726ء میں فوت ہوئے۔ ان کے خاص مرید مخدوم محمد معین سندھی تفسیر اور حدیث کے امام اور علمائے حق کے سردار مانے جاتے تھے۔

تحریک اور مریدان:

پنجاب اور سرحد میں مجددی سلسلے کو سندھ سے بھی کہیں زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔ حضرت مجدد کی زندگی ہی میں یہاں ایک زبردست مرکز قائم ہو گیا تھا بعد مین آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم اور خلیفہ شیخ آدم بنوری نے اس تحریک کو بہت وسعت دی۔ شیخ آدم بنوری کے ایک سو خلفاء اور ایک لاکھ مرید تھے۔ وہ سفر پر جاتے تو ہزاروں پٹھان ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ جب وہ 1642ء میں لاہور آئے تو ایک کثیر جماعت ان کے ہمراہ تھے۔ کان بھرنے والوں نے شاہجہان کو بدگمان کیا کہ شیخ آدم چاہے تو آپ کی سلطنت کا تختہ اُلٹ سکتا ہے۔ اس نے خائف ہو کر شیخ کو حج پر روانہ کر دیا۔ حج کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ ہی میں قیام کیا اور 25 دسمبر 1663ء کو 47 سال کی عمر میں وفات پا کر مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ ان کے خلفاء میں لاہور کے شیخ سعدی، کوہاٹ کے حاجی عبداللہ اور پشاور میں شیخ نور محمد پشاوری ولد خوند درویزہ خاص طور پر مشہور ہوئے۔ اُن کے ایک خلیفہ سید عبداللہ اکبر آبادی بھی تھے جن سے شاہ ولی اللہ کے والد اور چچا دونوں نے فیض حاصل کیا تھا۔ کشمیر میں نقشبندی سلسلے کے ایک اور بزرگ خاوند محمود نقشبندی عرف حضرت خواجہ ایشاں کی کوششیں زیادہ بارآور ہوئیں۔ خواجہ موصوف 5 نومبر 1642ء کو لاہور میں فوت ہو کر وہیں دفن ہوئے۔

فرقہ روشنیہ

روشنیہ فرقے کے مخصوص عقائد اور شریعت محمدی سے ان کی آزاد منشی کے علاوہ ان کا جارحانہ انداز بھی حکومت اور عوام کے لئے اعتراض کا سبب بنا۔ انہوں نے رہزنی اور لوٹ مار کا انداز اختیار کر لیا۔ یہ انداز ان کی آزادی روی کا فطری نتیجہ تھا۔ کیونکہ جو شریعت کی پابندی کی پرواہ نہیں کرتا، اسے قانون کی پابندی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ بہر حال ان کا یہ طرز عمل حکومت وقت کے ساتھ تصادم کا باعث بن گیا۔ چنانچہ پیر روشن کے مریدوں اور مغل افواج میں جھڑپوں کا سلسلہ چل نکلا۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ 1572ء میں روشنیہ فرقہ کے بانی بایزید انصاری کا انتقال ہوگیا۔ لیکن ان کے جانشینوں اور مغلوں کی کشمکش جاری حتی کہ شاہجہان کے زمانے میں اس فرقے کے خلیفہ عبد القادر اور ان کے خاص رفقاء دربار شاہی سے وابستہ ہوگئے۔

روشنیہ فرقے میں اسلامی شریعت سے آزادی کا رجحان عام تھا۔ ہندو بھی اس فرقے سے منسلک ہوتے رہے اور ان کے بعض عقائد ورسوم بھی اس فرقے کا حصہ بن گئے تھے۔ اس فرقے کے لوگوں میں ننگے پھرنے کا رجحان بھی پیدا ہو گیا تھا۔ مردوں عورتوں کا کھلم کھلا میل ملاپ اور ناچ گانا بھی ان کے اشغال کا حصہ بنگئے تھے۔ اسلام کے بنیادی ارکان تک میں تبدیلیاں کر دی گئی تھیں۔ اس لئے روشنیہ فرقے پر یہ الزام عائد کیا جاتا تھا کہ انہوں نے ایک نئی شریعت جاری کر دی ہے۔ روشنیہ فرقہ پاکستان ہی کے موجودہ علاقے سے ابھرا اور یہیں سے اس کی خوب اشاعت ہوئی۔ اس کے بانی کو ادب اور موسیقی پر بڑی دسترس حاصل اور اب تک پختونوں ادب وموسیقی پر اس کے گہرے اثرات کا اعتراف کیا جاتا ہے لوگوں کے مذہبی جذبات کو متاثر کرنے کے لئے ان دونوں ذرائع کو بڑے موثر انداز میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود اس علاقے میں روشنیہ فرقہ اب ناپید ہو چکا ہے۔

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس سی کی پی ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

قادری سلسلہ۔ شاہجہان کے عہد میں لاہور میں قادری سلسلے کے ایک بزرگ حضرت میر محمد المعروف میاں میر نے بڑی شہرت پائی ۔ ان کا سن وفات بھی 36-1635 ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاہ بلاول قادری کے ہمعصر تھے۔شاہجہان نے ایک دفعہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہو کر نذرانہ پیش کیا تھا۔شاہ بلاول نے اسے قبول کر لیا لیکن میاں میر نے قبول نہیں کیا تھا۔شاہجہان نے میاں میر کو شاہ بلاول قادری کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے تو نذرانہ قبول کر لیا لیکن آپ نے نذرانہ قبول نہیں کیا۔تو میاں میر نے شاہ بلاول کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ:

''انکی مثال دریا کی سی ہے اور میری مثال تالاب کی سی ۔ دریا میں کوئی پلید چیز گر جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا لیکن تالاب میں کوئی پلید چیز گر جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے'' میاں میر ریاضت وعبادت اور ہدایت وتلقین میں بڑے مشہور تھے۔تاہم ان پر وحدت الوجود کے فلسفے کا رنگ غالب تھا اور ان کے مسلک میں شریعت کی پابندی کا خاص اہتمام نہیں تھا۔اس لحاظ سے وہ اپنے معاصر قادری بزرگ شاہ بلاول قادری سے بہت مختلف تھے۔یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ معاصر قادری بزرگ شاہ میاں میر کی وجہ سے سرکاری دربار میں ایک ایسا رجحان فروغ پانے لگا جس میں اسلامی شریعت سے انحراف کی راہ کھلتی ہے۔ راوا شکوہ میاں میر کا بڑا معتقد تھا۔میاں میر کے خلیفہ ملا شاہ قادری تھے، گرمیوں میں کشمیر اور سردیوں میں لاہور ان کا مرکز ہوتا تھا۔ان سے متعلقہ ایک روایت ہے کہ کشمیر کے شیعہ سنی اختلافات میں ان کے مناظرہ وتلقین کی وجہ سے ہزاروں مخالفین دائرہ اہل سنت میں داخل ہو گئے۔ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سر عام چاروں خلفاء کی تعریف کرتے تھے۔ان پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا۔ داراشکوہ لاہوری قادریوں کے وجودی اسلوب کا ایک نمائندہ نمونہ تھا۔وہ میاں میر کا خاص مقصد تھا لیکن جب اس نے باقاعدہ بیعت کا ارادہ کیا تو میاں میر وفات پا چکے تھے۔لہٰذا 1639ء میں وہ ملا شاہ قادری کا باقاعدہ مرید ہوا۔ داراشکوہ نے ''صلح کل'' مشرب کے نام پر ہندومت اور اسلام دونوں کو تلاش حق کے دو طریقے قرار دیا تھا اور دونوں میں مطابقت ثابت کرنے کی کوشش کی۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

سوال نمبر 52۔مندرجہ ذیل میں سے کسی دو پر نوٹ لکھیں۔

(الف) تحریک جہاد

جواب۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

تحریک جہاد۔ شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے شاہ عبدالعزیزؒ تھے۔وہ دیکھ کہ برصغیر میں مسلمانوں کی عملی زندگی بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے۔ وہ معاشرتی اور سیاسی طور پر زوال اور پستی کی طرف جا رہے ہیں۔اس لئے سکھ اور انگریز انہیں دبائے چلے جا رہے ہیں۔انہوں نے ایک ایسی تحریک کی ضرورت محسوس کی جو مسلمانوں کی کمزوریوں اور گمراہیوں کو دور کر کے ان میں اتحاد، یکجہتی اور بیداری پیدا کر سکے۔یہ تحریک عملی جدوجہد سے اسلام کا وقار اور جلال دوبارہ مستحکم کرنے کے قابل ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ سکھوں کے ظلم وستم کے واقعات کے سبب خود ان کے خلاف جہاد کرنے کے خواہشمند تھے۔لیکن بڑھاپے کی سبب اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔البتہ جب سر سید احمد بریلوی نے اس سلسلے کا آغاز کیا اور بیعت کی غرض سے دہلی سے باہر جانے لگے تو شاہ عبدالعزیز نے اپنا عمامہ اور اپنی قبا خود انہیں پہنا کر رخصت کیا۔شاہ صاحب جولائی 1823ء کو انتقال کر گئے لیکن انہوں نے جان نثار اور سرگرم کارکنوں کی جو جماعت تیار کی تھی، انہوں نے تحریک کا کام آگے بڑھایا، چنانچہ تحریک جہاد کے سلسلے میں سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور تیتو میر شہید کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(ب) شاہ ولی اللہ

جواب۔

حالات زندگی۔ شاہ ولی اللہ 21 فروری 1703ء کو دہلی میں پیدا ہوئے (یعنی اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار برس پہلے ان کی ولادت ہوئی)۔ان کے خاندان کے کئی افراد اصحابِ قلم وتلوار ہو گزرے تھے۔شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم بڑے جید عالم اور پارسا بزرگ تھے۔اُنہوں نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے پندرہ برس کی عمر میں اپنے والد کی نگرانی میں اپنی رسمی تعلیم مکمل کر لی۔پھر والد کے انتقال کے بعد 19 برس کی عمر میں دہلی میں باقاعدہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، جو بارہ سال تک جاری رہا۔

1730ء میں شاہ صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے اور قریباً ڈیڑھ سال تک وہیں مقیم رہ کر علمائے دین سے فیض حاصل کیا۔9 جولائی 1732ء کو واپس دہلی تشریف لائے اور ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

اُس زمانے میں لوگ قرآن مجید پڑھتے تو تھے لیکن اس کے مفہوم ومعانی پر توجہ نہیں دیتے تھے، اس لئے شاہ ولی اللہ نے ضرورت محسوس کی کہ قرآن مجید کا ترجمہ کیا جائے، چنانچہ علماء کی مخالفت کے باوجود لکھے پڑھے لوگ کی سہولت اور فہم قرآن کا ذوق پیدا کرنے کے لئے انہوں نے 1738ء میں قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کر دیا۔

قرآن وحدیث کے تراجم کی بنیاد۔ ''سب سے بڑا اس کام شاہ صاحب کا یہ ہے کہ سب سے پہلے ان ہی میں ہندوستان میں قرآن وحدیث کے ترجمے کی بنیاد بڑی جرأت اور ہمت سے کام لے کر بالآخر ڈال دی تھی۔ اگرچہ خود اُنہی نے فارسی میں قرآن کا بھی ترجمہ کیا اور حدیث کی قدیم ترین کتاب مؤطا امام مالک کا بھی ترجمہ فارسی ہی میں کیا کہ اُن کے زمانے تک غالباً اُردو عام طور سے لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں بنی تھی۔ جو بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، وہ فارسی ہی میں لکھتے پڑھتے تھے۔

اُنہوں نے عربی اور فارسی میں قریباً سینتیس کتابیں تصنیف کیں۔ان کی کتابوں کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے لئے اسلام کی نئے سرے سے تشریح کی جائے تاکہ ان میں صحیح اسلامی اقدار پھر سے جلوہ گر ہوں۔ان میں مساوات پیدا کی جائے۔دولت کی منصفانہ تقسیم کا نظام رائج کیا جائے اور صحیح اسلامی خطوط پر مسلم معاشرہ قائم کیا

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ۔گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

جا سکے۔اُنہوں نے اپنے دارالعلوم کے لئے نیا نصاب مرتب کیا تا کہ پرانے نصاب میں سے زبان وقواعد کی پیچیدگی، یونانی، ہندی اور فلسفے کی آمیزش کے اثرات دور کئے جا سکیں۔شاہ ولی اللہ بلاشبہ ایک بڑے مفکر، عالم دین اور صوفی تھے۔اُنہوں نے اجتہاد کی ضرورت کا احساس دلایا۔

مشغلہ۔ شاہ ولی اللہ قریباً سینتیس کتابوں کے مصنف تھے۔کچھ کتابوں کے نام ہم نے لکھ دیئے۔کوشش کریں کہ ان کی فارسی کتابوں کی فہرست مرتب ہو جائے۔آپ چاہیں تو ان کتابوں کے موضوعات بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔

''ایک چھوٹا سا بیج بویا گیا اور اس کے پھل سے ہم اب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔یہ عدالتی زبان کی تبدیلی تھی۔فارسی کی جگہ انگریزی رائج کر دی گئی۔ہندوستان کی تعلیم کو مغربیت کا رنگ دینے کے لیے یہ لازمی امر تھا۔بظاہر یہ تبدیلی معمولی معلوم ہوتی تھی اور اس کے نتائج بھی معمولی نظر آتے تھے،لیکن مسلمانوں نے اس تبدیلی پر سخت احتجاج کیا اور فی الواقع یہ ان کے لیے سخت تباہ کن تبدیلی تھی۔ایسی صورتِ حال میں دودو میاں نے اپنی ذہانت اور ہوشیاری سے اس تحریک کو منظّم کیا اور مشرقی بنگال کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا۔ہر حلقے میں مریدوں کے مسائل کی نگرانی کے لیے اپنا ایک خلیفہ مقرر کیا۔خلیفہ اپنے حلقے کی ذرا ذرا سی بات سے دودو میاں کو باخبر رکھتا تھا۔یہ لوگ خطوط کے ذریعے مسلسل خفیہ رپورٹ دودو میاں کو بھیجتے رہتے اور ان سے ہدایات حاصل کرتے رہتے تھے۔یہ خطوط ''احمد نامہ'' کہلاتے اور ان کے نیچے ''احمد نام ، نامعلوم'' لکھا ہوتا،لیکن انہیں مقدس صحیفہ کی طرح پڑھا جاتا اور ان پر سختی سے عمل بھی کیا جاتا تھا۔(14) خلیفہ ہی مقامی مریدوں کے باہمی تنازعات کا فیصلہ کرتا تھا۔آپ کی سوچ یہ تھی کہ بنگال میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو مسلمانوں کو خود پر منحصر رہنا چاہیے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

''ان کا (دودو میاں) کا استدلال یہ تھا کہ اگر بنگال میں ایسی مسلم حکومت نہیں ہے جسے مسلمان جائز طور پر تسلیم کر سکیں تو انہیں اپنی زندگی کے بعض ضروری وظائف کی ادائیگی کے لیے قوم کو منظّم کرنا ضروری ہے۔اس لیے اخوات کے اعلیٰ مقصد پر بہت زور دیا گیا اور برادری کے ہر رکن کے لیے لازمی قرار دیا گیا کہ اس کا جو بھائی کسی مصیبت میں گرفتار ہو وہ اس کی مدد کرے،اس برادری کے ارکان میں جو تنازعات پیدا ہوں انہیں وہ قانونی عدالتوں میں فیصلے کے لیے نہ لے جائیں بلکہ دادو میاں خود ان کا فیصلہ کریں۔اسی دوران دودو میاں نے ''الارض للہ'' (زمین اللہ کی ملکیت ہے) کا نعرہ لگایا اور فرمایا کہ کسی کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اس پر بطور وراثت قابض ہو اور نہ ہی وہ مالیہ وصول کر سکتا ہے۔کاشت کار کے لیے زمیندار کو ٹیکس ادا کرنا ضروری نہیں البتہ حکومت کو بطور نظم و نسق کچھ واجبات دینے ضروری ہیں۔اس کے علاوہ دودو میاں نے ہندو بنیوں کے قرضوں اور سود در سود کے خلاف بھی آواز اٹھائی اور آپ نے کسانوں کو ہدایت کی کہ وہ ''خاص محل'' کے اراضی پر آباد ہو جائیں،جن کا انتظام براہ راست حکومت کے ہاتھوں میں تھا کیوں کہ اس طرح سے وہ حکومت کے عائد کردہ لگان کے سوا باقی تمام محاصل سے آزاد ہو جائیں گے۔

کسان اس امید پر کہ انہیں ٹیکسوں کے بوجھ اور زمینداروں کے ظلم وستم سے نجات مل جائے گی،جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈامپیر (Dampier) کے مطابق دودو میاں نے کم از کم اسّی (80) ہزار سرگرم کارکن جمع کر لیے تھے اور عام خیال تھا کہ وہ انگریزوں کو بنگال کی سرزمین سے نکال باہر کر کے مسلمانوں کی حکومت قائم کریں گے۔ان تمام اسباب کی وجہ سے ہندو زمینداروں اور انگریزوں نے یکساں طور پر اس تحریک کی سختی سے مخالفت کی اور اس کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوششیں کیں اور تحریک کے قائد پر مختلف الزامات لگائے گئے اور گرفتار کیا گیا۔عزیزالرحمٰن ملک لکھتے ہیں:

''ہندو زمینداروں نے بھی مسلم کسانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور ہر ممکن طریقے سے اس تحریک کو ختم کرنے اور اس میں انہیں شامل ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔بطور سزا ان کی داڑھیاں ایک ساتھ باندھ دی جاتیں اور انہیں سرخ مرچ پسی ہوئی تمبا کو کے طور پر استعمال کرنے پر مجبور کیا جاتا۔دودو میاں پر 1838ء میں لوگوں میں اشتعال پھیلانے اور کئی گھروں کو لوٹنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔1841ء میں ایک قتل کے الزام میں عدالت میں حاضری دینے پر مجبور کیا گیا۔1844ء میں قفل شکنی اور بلا اجازت کسی کے مکان میں مداخلت کے الزام اور غیر قانونی اجتماع کے جرم میں مقدمہ دائر کیا گیا۔'

(ج) فرائضی تحریک

جواب۔

فرائضی تحریک۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت کے بعد برصغیر میں بدامنی اور بے دینی کے عناصر بتدریج فروغ پاتے چلے گئے۔ایسے عناصر کی روک تھام کے لئے اور اپنی دینی اقدار کی ترویج کے لئے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی خدمات بے مثال ہیں۔ان کے اہل خاندان نے ہدایت اور اصلاح کی تحریک جاری رکھی۔اسی قسم کی ایک اصلاحی تحریک بنگال میں بھی شروع ہوئی جو فرائضی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔

فرائضی تحریک کا مقصد۔ بنگالی مسلمانوں میں ہندوانہ رسم ورواج رچ بس چکے تھے۔ان کے عقائد اور اعمال میں کئی ایسی چیزیں شامل ہو گئی تھیں جن کا اسلامی تعلیم میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ہندو زمینداروں نے مسلمان کسانوں کو اپنے جبر کے نیچے میں دبا کر رکھا تھا۔اس لئے ہندوؤں کی ناانصافی اور ہندوؤں کی ناانصافی اور ہندوانہ رسم ورواج کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔یہ آواز اٹھانے والے ضلع فرید پور کے حاجی شریعت اللہ تھے۔

ا۔ بنگال کے مسلمانوں میں اصلاح اور اتحاد کا جذبہ پیدا کرنا تا کہ وہ ہندو زمیندار کی ناانصافی سے نجات پا سکیں اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے قابل بن سکیں۔

۲۔ دین کی صحیح سمجھ بوجھ اور واقفیت پیدا کرنا تا کہ پیروں کی غیر ضروری اور نامناسب ناز برداری اور قدر افزائی کی بجائے مسلمانوں میں برابری کا احساس اُبھار جائے۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

میٹرک ایف اے آئی کام بی اے بی کام ، بی ایڈ بی ایس ایم اے ایم ایڈ ایم ایس سی پی ایچ ڈی ایف اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔ گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

۳۔ اسلامی حکومت کے خاتمے اور انگریزی حکومت کے قیام ہی ملک دارالسلام نہیں بلکہ دارالحرب بن گیا ہے۔ اس لئے جمعہ اور عید کی نمازیں با جماعت ادا نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ پاکستان بننے تک فرائضی تحریک سے وابستہ لوگ اِن نمازوں کے اجتماعات منعقد نہیں کرتے تھے۔ الغرض فرائضی تحریک نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلے میں اپنی انفرادیت اور برتری کا احساس دلایا اور مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کر کے انہیں ہندوؤں کے گمراہ کن نظریات سے محفوظ کیا۔

ان حالات میں اصلاحی تحریکوں میں سے ایک تحریک بنگال کی سرزمین پر مولانا شریعت اللہ بنگالی (1781ء ۔ 1840ء) کی قیادت میں اٹھی، جو ''فرائضی تحریک'' کے نام سے مشہور ہوئی اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کی ساکھ بہت حد تک بحال ہوئی۔ بقول شیخ محمد اکرام:

''انیسویں صدی میں اسلامی بنگال کی روحانی علیحدگی کا خاتمہ ہوا اور ہندوانہ اثرات کا جادو ٹوٹا۔ اس کی اصل وجہ نئی اسلامی تحریکیں تھیں۔''(1)

اس تحریک کا نام 'فرائضی تحریک' اس لیے پڑا کہ اس کے ماننے والے اسلام کے عائد کردہ فرائض کی بجا آوری کا عہد کیے ہوئے تھے۔ اس لیے ''فرائضی'' کہلانے لگے۔ معین الدین خان لکھتے ہیں:

''آپ (حاجی شریعت اللہ) فرائض کی ادائیگی پر بہت زور دیتے تھے اور ہندوانہ رسومات کو ترک کرا کے شعائرِ اسلام پر عمل کرانا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ کی تحریک ''فرائضی'' کے نام سے موسوم ہو گئی۔''

کاشان اکیڈمی

حاجی شریعت اللہ بنگالی 1781ء کو ضلع فرید پور کے ایک گاؤں بہادر پور میں پیدا ہوئے۔(3) آپ اٹھارہ برس کی عمر میں حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے۔ جہاں شیخ طاہر السنبل الشافعی المکی کے حلقہ ارادت میں شریک ہو کر تقریباً بیس برس وہیں مقیم رہے۔ اس دوران بقول جگدیش نرائن سرکار آپ وہابی تحریک سے بہت متاثر ہوئے تھے، اگرچہ اس کے بعض سیاسی افکار سے اتفاق نہیں رکھتے تھے اور عملی طور پر فرائض کی انجام دہی میں آپ کا رجحان حنفی مسلک کی طرف تھا۔(4) لیکن بعض مؤرخین نے اس سے اختلاف کیا ہے، چناں چہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا:

0334-5504551

''کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی اصلاحات کے معاملے میں وہابیوں سے استفادہ کیا تھا مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، انہوں نے مکہ میں ایسے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی جو وہابی مذہب کے خلاف تھے۔ بہر حال، انہوں نے اپنے وہابی ہونے کا کبھی اعلان نہیں کیا۔ اسلام میں جن رسوم و اعمال کی اجازت نہیں ہے، ان کو ترک کرنے کی تلقین کرنے والوں کے لیے وہابی ہونا ضروری نہیں ہے۔''(5)

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

حاجی شریعت اللہ بنگالی 1802ء میں ہندوستان واپس آئے۔(6) اس وقت تک آپ بحیثیت متقی، عالم اور ایک مناظر کے مشہور ہو چکے تھے۔ یہاں پر آپ کئی سال تک اپنے وطن دیہات میں نہایت خاموشی سے درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے۔ پھر انہوں نے 1804ء میں 'فرائضی' کے نام سے ایک جماعت بنائی۔(7) ابتدا میں یہ تحریک ڈھاکہ، فرید پور، باقر گنج اور میمن سنگھ میں شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ باریسال کے اضلاع کے دیہاتی مسلمانوں کی اکثریت اس تحریک میں شامل ہو گئی۔

سوال نمبر 54۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

1۔ دوان برید سے کیا مراد ہے۔

جواب۔ **دیوان برید:** اس محکمے کی ذمہ داری سلطان کو مختلف علاقوں سے خبریں پہنچانا، جاسوسوں کی رپورٹیں فراہم کرنا، اور ڈاک کی ترسیل تھا۔ اس محکمے کا نگران برید ممالک کہلاتا تھا۔ اس کا رابطہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے جاسوسوں اور پرچہ نویسوں کے ساتھ رہتا تھا اور وہ پل پل کی خبریں سلطان کے حضور پیش کرتا تھا۔ اگر کسی پرچہ نویس سے خبر بھیجنے پر کوتاہی ہوتی تو اسے سخت سزا دی جاتی۔ شاہراہوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں موجود تھیں جہاں مستعد ہرکارے اور تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے۔ یہ ہرکارے سرکاری ڈاک ایک چوکی سے دوسری چوکی تک پہنچا دیتے تھے۔

2۔ سلاطین دہلی کے دور میں گنے کا سب سے چھوٹا یونٹ کیا کہلاتا تھا؟

جواب۔ سلاطین دہلی کے دور میں گنے کا سب سے چھوٹا یونٹ پرنٹ دانہ کہلاتا تھا

3۔ محمد بن تغلق خسرو خان کے عہد میں کس عہدے پر فائز ہوا؟

جواب۔ محمد بن تغلق خسرو خان کے عہد میں نائب سلطنت پر فائز ہوا۔

4۔ ترائن کی جنگیں کس کے دور میں لڑی گئیں؟

جواب۔

شہاب الدین غوری افواج کا زبردست جنگجو اور سپہ سالار تھا۔ وہ اپنی ریاست کو محمود غزنوی کی ریاست سے بھی وسیع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے 1175ء میں ہندوستان پر پہلی بار حملہ کر کے ملتان کو فتح کر لیا، اس کے بعد وہ اچ پہنچا جواب بہاولپور ڈویژن میں ہے ہندوستان کے لیے ہونیوالی جنگ نہایت نزدیک تھی شہاب الدین کے پاس اجمیر و دہلی کے راجہ اور زبردست لڑاکا پرتھوی راج سے مقابلے کے لیے اچھی فوج موجود تھی۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

پہلی جنگ

درمیان پہلے معرکے میں پرتھوی راج کا پلہ بھاری رہا شہاب الدین کو جنوب مشرقی پنجاب میں تھانیسار کے نزدیک ترائین کے مقام پر شکست ہوئی شہاب الدین نہایت شدید زخمی ہوا اور غوری افواج میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں ۔جس پر شہاب الدین کو شدید شرمندگی ہوئی اور اس نے اپنے ان تمام فوجیوں کو سزا دی جنھوں نے دشمن کو پیٹھ دکھائی تھی۔

دوسری جنگ

1192ء میں شہاب الدین غور مکمل تیاری اور پہلے سے مضبوط فوج کے ساتھ واپس آیا پرتھوی راج بھی اپنے اتحادیوں کے ہمراہ آگے بڑھا۔محمد قاسم فرشتہ کے مطابق پرتھوی راج چوہان کی تین لاکھ گھڑسوار فوج 3000 ہاتھیوں کے ساتھ غور کے حکمران شہاب الدین محمد کے سامنے کھڑی تھی۔غوری کی فوج میں ایک لاکھ بیس ہزار افغان ،تاجک اور ترک فوجی شامل تھے جو ملتان اور لاہور سے گزرتے ہوئے ترائن پہنچے تھے۔صبح غوری نے حملے کا آغاز کیا۔ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک ہولناک جنگ چھڑی۔ایک پہر دن چڑھنے پر غوری نے پسپائی اختیار کرنے کی چال چلی۔

5۔ کس سلطان نے سلطنت عباسیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھا؟

جواب۔ قطب الدین ایبک۔

6۔ بابر نے پنجاب پر کتنے حملے کیے؟

جواب۔ پانچ

7۔ کس حکمران کے عہد میں سندھ خودمختار ہو گیا تھا؟

جواب۔ ناصر الدین احمد۔

8۔ کتاب الہند کس کی تصنیف ہے؟

جواب۔ ابوالفضل کی۔

8۔ مسعود سعد سلمان کون تھا؟

جواب۔ برصغیر کا پہلا فارسی شاعر۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 5 ۔اسلام سے قبل برصغیر کے مذہبی، معاشرتی اور معاشی حالات پر تنقیدی نوٹ تحریر کریں۔

جواب: سیاسی حالات: شمالی ہندوستان میں برصغیر خصوصا پاکستان کا موجودہ علاقہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندو تہذیب وثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا۔سرحد، بلوچستان میں یعنی قابل اور قندھار سے مسلمانوں کی آمد ملتان تک بدھ مت کا دوردورہ تھا۔سندھ میں برہمنوں کی طاقت اور فوقیت حاصل تھی۔لیکن ہندو ثقافت کا شاندار دور ختم ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔گپت خاندان کی شادی شان وشوکت اور استحکام اشوک کا انصاف اب پرانے زمانے کی کہانیاں تھیں۔ہندو حکمران پرش کی وفات کے پانچ سال بعد تک برصغیر میں طائف املکو کی یعنی خودمختاری کے رجحانات کا دوردورہ تھا۔کوئی ایک مرکزی حکومت قائم نہ ہو سکی۔مختلف جگھوں پر زمینداریاں اور جاگیریں تھیں۔جس کا بس چلتا اپنی جاگیریں توسیع کر لیتا اور دوسروں کی جاگیریں توسیع یعنی چھین لیتا۔

پنجاب پر پانچ صدی عیسوئی سے راجپوت حکمران تھے۔سندھ پر برہمنوں نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔بلوچستان میں کئی قبائلی سردار حکومت کر رہے تھے۔اور کشمیر بھی مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔اس دور میں صرف قنوج ،اجمیر، بنگال،اور رکن میں کچھ ہندو راجاؤں نے ریاستوں کو مقام دیا۔ برصغیر میں مرکزیت اور یہاں کے باشندے میں ہندوستانی ہونے کا شعور بھی موجود نہیں تھا۔

معاشرتی حالات: مسلمانوں کی آمد سے قبل برصغیر کا معاشرہ مختلف طبقوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔فرعون نے تو معاشرے کے دو گروہ بنائے تھے۔ایک امیر اور ایک غریب۔لیکن برہمنوں نے برصغیر میں کئی ذاتوں کو طبقوں کی صورت دے رکھی تھی۔ذاتوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

1۔برہمن 2۔کھشتری 3۔ویش 4 ۔شودر

برہمن: یہ سب سے بلند ذات گردانی جاتی تھی اور ان کو معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

کھشتری: برہمن کے بعد طاقتور ذات کھشتری تھی۔ان کا کام ملک کی حفاظت تھا۔

ویش: یہ تیسری ذات تھی اور یہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

شودر: یہ سب سے نچلی ذات ہے اور ان کو معاشرتی استحصالی کا شکار رکھا جاتا تھا۔

اخلاقی انحطاط: ذات پات کا یہ نظام اخلاقی کمزوریوں کا سبب بنا ہر طبقہ دلی طور پر دوسرے سے نفرت کرتا تھا۔معاشرتی بنیاد پر ظلم وستم موجود تھا۔

معاشرتی رسمیں: شادی معاشرے کی بنیادی رسم ہے۔ہندو معاشرے میں بچپن میں شادی عام تھی۔شادی صرف خاندان یا ذات کے طور پر اندر ہی ہو سکتی ہے۔برہمن کو صرف چار شادیاں کرنے کی اجازت تھی۔شوہر مر جاتا تو بیوہ کو دوبارہ دوسری شادی کو عمر بھر اجازت نہ تھی۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس۔ گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

عورت کا مقام: ہندو معاشرے میں عورت کم تر اور ذلیل ترین مخلوق تھی۔ ہندو دھرم کے مطابق بچپن میں لڑکی کو باپ کی فرمانبردار ہونا چاہئے۔ جوانی میں شوہر کی خدمت کرنی چاہئے۔

بود و باش: ہندوؤں کا رہنا سہنا غلاظت آمیز تھا۔ یہ اپنے جسم کے کسی حصے کے بال نہ تراشتے تھے۔ جسم زیادہ تر ننگا رہتا تھا۔ ناخنوں کو بڑھانے الگ الگ کھانا کھاتے اور بچا کھچا کھانا پھینک دیتے۔

تعلیم: ہندومت میں تعلیم حاصل کرنے کا حق صرف برہمنوں کو تھا ٹیکسلا اور سیالکوٹ کی درسگاہیں قائم تھیں۔ یہاں بھی صرف اونچی ذات کے لوگ داخلہ لے سکتے تھے۔

ذہنی ماحول: برصغیر کو اگر دیہاتی معاشرہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ دیہات آج بھی یہاں کے سیاسی اور معاشرتی امور کی نگرانی کر رہا ہے۔ زمینداروں اور دیہی برادریاں دیہات میں قائم ہیں یہ صورتحال مسلمانوں کی آمد سے پہلے موجود تھی۔

تجارت: برصغیر میں تجارت ویش کے ہاتھ میں تھی جو نسل در نسل اپنے کام کے ماہر ہوتے۔ گنے اوم، یونان، چین۔ مصر۔ عرب تک ان کے تجارتی قافلے جاتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے بندرگاہوں میں بحری جہاز، تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ مالا بار آور دیبل کی بندرگاہیں مسلمانوں کی آمد سے وقت قابل ذکر ہیں۔ ویش کو اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ برہمن کو پیش کرنا پڑتا ہے۔

زراعت: برصغیر بنیادی طور پر زرعی علاقہ ہے اس کا معاشرہ بھی زرعی معاشرہ تھا دیہات قائم ہونے زمینداریاں وجود میں آئیں۔ لوٹ کھسوٹ یا ایک سلسلہ جاری ہوا۔ زراعت میں ترقی نہ ہونے کے برابر تھی۔ دریاؤں کے ارد گرد کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ یہ کام کسان کا تھا کسان کا کام بے حد ہوتا تھا۔ جو بے حد غریب تھا۔ اس کے باوجود پاکستان کا علاقہ برصغیر کے لئے اناج مہیا کرتا رہا تھا۔ کسی حد تک زراعت دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر ہوتی تھی۔

سودی کاروبار: تجارت اور زراعت کا دارومدار روپے پر تھا۔ عام تاجر کے پاس لگان، قحط اور لوٹ مار کے بعد تباہی کے بعد پیسہ بچتا ہی کہاں تھا۔ چنانچہ ضرورت کے وقت اسے ساہوکار سے روپیہ قرض لینا پڑتا ہے اس سود کی شرح عموماً سو فی صد سالانہ تک ہوتی سود کی رقم پر سود مرکب وصول کیا جاتا۔

عام معاشی حالت: ساتویں صدی عیسوی میں برصغیر میں عام معاشی حالات دل گرد دوں تھی۔ روپیہ سونا چاندی، اور قیمتی جوہر برہمنوں اور ساہوکاروں کے پاس ہوتے تھے۔ عوام ایک وقت کے بعد دوسرے وقت میں روٹی کی تلاش میں رہتے۔ غربت کے باعث عوام لباس نہ پہن سکے زیادہ سے زیادہ لنگوٹی ان کے پاس ہوتی۔ رفتہ رفتہ چارے سے جسم ڈھانپنا چاہئے۔ مسلمانوں نے یہاں تک لوگوں کو شلوار قمیض اور پاجامہ سے روشناس کرایا۔ چنانچہ سندھ، بلوچستان، سرحد نے شلوار قمیض کا رواج حاصل کیا جوا، قمار بازی عام تھی۔ ملاوٹ، فریب، قتل عام تھی۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

سوال نمبر 56 سلاطین دہلی کے صوبائی نظام کا تنقیدی جائزہ لیں۔

جواب۔

سلطنت دہلی کا قیام۔ سلطان محمد غوری نے 1206ء میں گھکھڑوں کے ہاتھوں سوہاوہ کے قریب دیمک کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو اس کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمود غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کا خودمختار حکمران تسلیم کرلیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی جو بابر کے حملے (1526ء) تک قائم رہی۔ سلاطین دہلی خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کر کے نظام حکومت چلاتے رہے۔ سلطان شمس الدین التمش، سلطان محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے قانونی جواز کے لئے عباسی خلفاء سے باقاعدہ منشور حکومت حاصل کئے۔ باقی سلطان خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اور خطبات جمعہ وعیدین میں عباسی خلیفہ کا نام لے کر اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔ سلاطین دہلی کے سکوں پر ایک طرف سلطان کا نام اور دوسرے طرف عباسی خلیفہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔ اس طرح انہوں نے اپنی حکومت کا قانونی جواز تلاش کرلیا تھا۔

سلطان۔ سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا۔ حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا۔ قانونی اور اصولی طور پر سلطان خلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔ جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خودمختار، مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔ وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔ وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔ سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدیداروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔ یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کر لیتا تھا۔ لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔

سلاطین کو عدل وانصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ سلطنت کے اہم شہروں اور قصبوں میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی موجود رہتے تھے۔ کبھی کبھی سلطان خود بھی مقدمے سن لیتا تھا۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ محمد بن تغلق خود کو سلطان عدل کہلانا پسند کرتا تھا۔ شیر شاہ سوری کو بھی اس کے ہم عصروں نے سلطان عادل کا خطاب دیا تھا۔ قومی نوعیت کے اہم مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے سلطان علماء اور مشائخ کا محضر طلب کر لیتا تھا۔ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف علماء کی شکایت پر محضر طلب کئے تھے۔

نائب المملکت۔ سلطان کے بعد نائب المملکت یا نائب الممالک کا عہدہ سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس عہدے پر فائز سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا اور اس کا منصب وزیر سے بڑا ہوتا تھا۔ یہ عہدہ مستقل نہ تھا۔ اس لئے بعض سلاطین کے عہد میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے زمانے میں نائب المملکت کی کوئی

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے سے آئی کام، بی اے سے بی کام، بی ایڈ، ایم ایڈ، ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل، پی ایچ ڈی کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایم ایس سی کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

حیثیت نہیں ہوتی تھی۔لیکن سلطان کی دارالحکومت سے غیر موجودگی کے زمانے میں وہ اس کے نائب کی حیثیت سے تمام اختیارات استعمال کرتا تھا۔
کمزور سلاطین کے عہد میں سلطان کی دارالحکومت میں موجودگی کے باعث نائب المملکت بڑا صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا اور سلاطین ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہتے تھے۔محمد بن تغلق جب گجرات سے باغی گورنر طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گجرات کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ جہاں کو نائب المملکت بنا گیا۔محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اس نے ایک مجہول النسب لڑکے کو سلطان کا فرزند ظاہر کر کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی ،لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔سلطان فیروز تغلق بھی جب کبھی دہلی سے باہر جاتا تو اپنے وزیر خواجہ جہاں کو اپنا نائب بنا جاتا تھا۔

وزیر۔ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔وہ حکمران کی بہت سے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر اسے سبکدوش کر دیتا ہے اس لئے اسے وزیر کہا جاتا ہے۔سلاطین دہلی کے ہاں منصب وزارت میں بڑی اہمیت تھی۔ بیشتر سلاطین اپنا وقت فتوحات ،سیر وشکار اور مجالس عیش وطرب میں گزارتے تھے۔اس لئے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری وزیر پر آتی تھی۔وزیر کے فرائض میں سلطان کو اہم امور میں مشورہ دینا ،محکمہ مال کی نگرانی کرنا ،خزانے کا حساب کتاب رکھنا ،عمال کا تقرر اور معطلی ،خراج ،لگان اور دوسرے **واجبات کی وصولی**۔سلطنت کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا ،عوام کو ہر حال میں مطمئن رکھنا ،مہمات کی نگرانی کرنا ،سلطان کی ضروریات اور آرائش کا خیال رکھنا ،شاہی اصطبل کی نگہداشت ،فوجیوں کی بھرتی اور تربیت ،یتیموں اور بیوہ عورتوں کی سر پرستی ،علماء ومشائخ کی خدمت ،ترویج علم کے لئے کوشش کرنا اور روزمرہ کا کام چلانا تھا۔ بالفاظ دیگر حکومت کا کوئی شعبہ اس کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

دیوان عرض۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں محکمہ دفاع ''دیوان عرض'' کہلاتا تھا اور اس کے سربراہ کو ''عارض مما لک'' کہتے تھے۔اس کے فرائض میں فوج کی بھرتی اور تربیت ،فوجوں کی تنخواہوں کی ادائیگی ،اسلحہ کی فراہمی ،فوج کے لئے رسد کا اہتمام ،گھوڑوں کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال ،بار برداری کے لئے جانوروں کی فراہمی اور اپنے محکمہ سے متعلقہ ریکارڈ کی تیاری شامل تھے۔عارض مما لک سال میں کم از کم ایک بار فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کا معائنہ کرتا تھا۔دیوان عرض کے محکمے میں تمام فوجیوں اور جانوروں کا حلیہ اور شناختی نشانوں کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔

دیوان رسالت۔ دیوان رسالت امور خارجہ کا محکمہ تھا۔اس محکمے کو ہمسایہ مما لک کے حکمرانوں سے خط وکتابت کرنا پڑتی تھی ،اس لئے اس کا نام دیوان رسالت پڑ گیا۔سلاطین دہلی دربار خلافت کے ساتھ باقاعدہ تعلقات رکھتے تھے۔سفیروں اور تحائف کے تبادلے کے علاوہ خط بھی آتے جاتے رہتے تھے۔جب سلطان کسی دشمن پر فتح پاتا یا کوئی اہم علاقہ فتح کرتا تو اپنے اس کارنامے کا ذکر فخریہ انداز میں ہمسایہ مما لک کے حکمرانوں کو لکھ کر بھیجتا تھا۔غیر مما لک سے جو سفیر آیا کرتے تھے ،ان کی دیکھ بھال اور آؤ بھگت بھی اسی محکمہ کے ذمہ داری تھی۔

صدور الصدور۔ مذہبی امور اوقاف صدر الصدور کی نگرانی میں تھے۔سلطان کسی معروف عالم کو اس منصب پر فائز کرتا تھا۔اس کے ذمہ اوقاف کی دیکھ بھال ،دینی مدارس کی سرپرستی ،علوم دینیہ کی اشاعت ،مساجد کی تعمیر اور خطیبوں اور موذنوں کا تقرر ،علماء مشائخ ،سادات ،یتامی اور بیوگان کی مالی امداد ،غربا اور مساکین کی دیکھ بھال اور خانقاہوں کی امداد شامل تھے۔یہ منصب بڑا اہم اور تقدس کا حامل تھا۔

دیوان قضاء۔ محکمہ عدل وانصاف دیوان قضا کہلاتا تھا۔اس محکمہ کا سربراہ قاضی القضاۃ یا قاضی المما لک کہلاتا تھا۔اس کے ماتحت صوبوں میں قاضی ہوتے تھے۔قاضی کے فرائض میں مقدمات کا فیصلہ کرنا ،حدود کا نفاذ ،حلف لینا ،گواہی قبول کرنا (جیسے رویت ہلال کے بارے میں) ،ترویج یتامیٰ ،اوقات کی نگرانی ،خطباء وآئمہ کی دیکھ بھال ،متوفی کی وصیت پر عمل درآمد ،لاوارث جائیداد کی نگہداشت ،گمشدہ اموال اور امانتوں کی خبر گیری اور سرکاری عمال کے بارے میں شکایات سننا شامل تھے۔عہد سلاطین میں قاضی مغیث الدین جیسے کئی نامور قاضی ہو گزرے ہیں۔جو کلمہ حق کہنے سے باز نہیں آتے تھے۔

دیوان انشاء۔ یہ محکمہ شاہی خط وکتابت کا ذمہ دار تھا۔موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے سیکریٹریٹ کہنا چاہیئے۔اس محکمہ کا نگران ''دبیر خاص'' کہلاتا تھا اور اس کے ماتحت بہت سے کاتب ہوا کرتے تھے۔یہ محکمہ اعلیٰ افسروں کے نام فرامین جاری کرتا تھا۔سلاطین کی صوبائی گورنروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ خط وکتابت بھی اسی محکمہ کے توسط سے ہوا کرتی تھی۔عہدہ داروں کے تقرر اور موقوفی کا ریکارڈ بھی یہیں رہتا تھا۔سلطان دبیر خاص کو خط کا مفہوم بتا دیتا اور وہ اپنے فصیح وبلیغ الفاظ کا جامعہ پہنا دیتا۔

دیوانِ برید:۔ اس محکمہ کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کو ملک کے ہر حصے سے کسی بھی قسم کی خبر فوراً پہنچائی جائے اس محکمے کے سربراہ کو برید المما لک کہا جاتا تھا۔یہ ایک طرح کی سراغرساں ایجنسی تھی۔سلاطین کے دور میں مواصلات کا نظام کم تھا۔اسلئے جاسوس چھوڑ دیئے جاتے تھے تا کہ مقامی عہدیداروں کی ''ناجائز وجائز'' سرگرمیوں کا علم ہو سکے۔

کوتوال۔ شہر میں پولیس کا اعلیٰ افسر کوتوال کہلاتا تھا۔شہر میں امن وامان کا قیام اس کے فرائض میں شامل تھا۔وہ چوروں ،ڈاکوؤں ،بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد پر کڑی نظر رکھتا تھا۔بسا اوقات وہ رات کے وقت شہر میں گشت کیا کرتا تھا۔محتسب کی طرح وہ بھی برائی کے اڈوں کو ختم کرنے کا ذمہ دار تھا۔شہر کے دروازوں کو نماز مغرب کے بعد بند کروانا اور فجر کے وقت کھلوانا اس کی ذمہ داری تھی۔

وکیل در۔ سلطان کے ذاتی عملے کا سربراہ وکیل در کہلاتا تھا۔شاہ محلات کے ملازمین ،چوبدار ،نقیب ،سلطان کے ذاتی غلام ،محلات کے حفاظتی دستے اور اہل کار اس کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ان کی تنخواہ بھی اسی کے توسط سے تقسیم ہوتی تھی۔وہ شاہی مطبخ ،آبدار خانہ ،فیل خانہ اور اصطبل کا بھی نگران ہوتا تھا۔شاہی بیگمات کی ضروریات کا خیال رکھنا اور شہزادوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

کاشان اکیڈمی 0334-5504551 Download Free Assignments from Solvedassignmentsaiou.com

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس ،پروپوزل ،پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

امیر حاجب۔ وکیل در کے بعد اہمیت کے اعتبار سے امیر حاجب کا عہدہ تھا۔عباسی حکومت میں اس عہدے کا پتہ چلتا تھا۔وہیں سے دہلی کی سلطنت میں اس کا رواج پڑا۔سلطان عموماً محلات کے اندر رہتا تھا اور عوام وخواص کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھتا تھا۔بڑے بڑے افسر بھی سلطان سے ملنے کے لئے کئی کئی روز اس کا انتظار کیا کرتے تھے۔یہ امیر حاجب کی ذمہ داری تھی کہ وہ سرکاری افسروں اور ضرورت مندوں کو سلطان کے حضور پیش کرے اور ان کا تعارف کرائے۔فریادی بھی اسی کے توسط سے اپنی عرضداشتیں سلطان کے ضور میں پیش کیا کرتے تھے۔

نقیب۔ جب سلطان اپنے محل سے باہر آتا تو نقیب اس کی آمد کا اعلان کرتا، وہ شاہی جلوس کے آگے آگے چلتا اور لوگوں کو باادب رہنے کی تلقین کرتا۔گویا معمولی سا عہدہ تھا لیکن سلطان کے قریب کی وکہ سے بڑا معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا۔نقیب کے سر پر مور کے پروں والا طلائی مکٹ اور ہاتھ میں سونے کا گرز ہوا کرتا تھا۔نقیبوں کا افسر اعلیٰ، نقیب النقبا کہلاتا تھا۔

جاندار۔ سلطان کے ذاتی محافظ جاندار کہلاتے تھے۔ان کے افسر اعلیٰ کو سر جاندار کہتے تھے۔اس دستے میں بڑے صحت مند، بلند قامت، وجیہہ اور بہادر جوان بھرتی کئے جاتے تھے۔سلطان غیاث الدین بلبن نے سیسان سے دیو قامت جوان بلا کر اس دستے میں بھرتی کئے تھے۔ضیاء الدین برنی کی روایت ہے کہ ان کے جاہ وجلال کو دیکھ کر کمزور دل انسان بیہوش ہوجایا کرتے تھے۔

سوال نمبر 57۔ برصغیر میں مسلم فاتحین کے زیر اثر قائم ہونے والے اہم علمی اور تہذیبی مراکز پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

جواب:

برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے جو اثرات ونتائج: برصغیر میں اسلامی تعلیم وتبلیغ کا پہلا مرکز مالا بار تھا۔وہاں کے راجہ نے حضور اکرم ﷺ کے زمانے ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔اسی طرح جزائر سراندیپ میں عرب تاجروں کی آمد ورفت سے اسلام کی روشنی پھیلی اور وہاں کا راجہ بھی مشرف بہ اسلام ہوا۔چنانچہ اس طرح رفتہ رفتہ برصغیر کے دوسرے حصوں میں بھی اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور مسلم معاشرہ تشکیل پاتا چلا گیا لیکن یہاں یہ بات ضرور ذہن میں تازہ کر لینی چاہیئے کہ مسلم معاشرے سے قبل ہندوؤں کا رہن سہن کیسا تھا۔اور ان کے معاشرتی احوال کیسے تھے۔اس کیلئے یہ نکات پیش نظر رہنے چاہئیں:

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

برصغیر میں ہندوؤں کا معاشرہ ذات پات کی تفریق کی وجہ سے مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔برہمن سب سے اونچی ذات سمجھی جاتی تھی۔تعلیم حاصل کرنا، خصوصاً مذہبی تعلیم کا حصول صرف برہمنوں سے مخصوص تھا۔برہمن سب سے اونچی ذات سمجھے جاتے تھے۔انہیں ویدوں کے کلمات سننے کی اجازت نہ تھی۔معاشرہ اخلاقی طور پر بہت ساری کمزوریوں اور خرابیوں کا شکار تھا۔سود خوری، منافع خوری، جوابازی اور ستی کا رواج تھا۔بت پرستی عام تھی۔عورت کو معاشرے میں عزت کا کوئی مقام حاصل نہ تھا۔چنانچہ اس قسم کے معاشرے میں پاکیزہ زندگی کا کوئی تصور نہ تھا۔زندگی میں پاکیزگی، توازن اور مساوات وانصاف کی اقدار کیلئے ابھی مسلم معاشرے کے قیام کا انتظار تھا۔

1۔ ثقافتی اثرات: مسلمانوں کی آمد سے خصوصاً محمود غزنوی کے حملوں کے بعد برصغیر میں اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بڑی مدد ملی۔لباس، خوراک اور رہن سہن میں تبدیلی آئی۔اسی طرح علم وادب کو فروغ حاصل ہوا، فن تعمیر اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترقی وترویج کے سلسلے میں نہایت مثبت نتائج مرتب ہوئے۔ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبانوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کے ملاپ سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی جو ہندوستانی تہذیب کہلائی۔سندھی رسم الخط، سندھی زبان پھر اردو زبان اسی تہذیب کی پیداوار تھی۔

2۔ معاشی پیداوار: ہندو برہمنوں نے اپنے مندروں میں بے اندازہ دولت جمع کر رکھی تھی۔محمود غزنوی کے حملوں کے نتیجے میں یہ دولت مسلمانوں کے قبضے میں آگئی اور عالم اسلام پر صرف ہونے لگی۔محمود غزنوی نے اس دولت سے اپنی فوج کی تنظیم نو کی، اپنی سلطنت کو مضبوط کیا اور غزنہ میں عالی شان عمارات سر اٹھانے لگی۔برصغیر میں فوری طور پر سونے چاندی کے ذخیرے کم ہوگئے۔لیکن چونکہ یہ بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور اس وقت یہاں لوٹ کھسوٹ کرنے والے برہمن اپنا اثر ورسوخ کھو چکے تھے، اسی لئے چند ہی برسوں میں کسانوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوگیا، عربی نسل کے گھوڑوں اور اونٹوں کی افزائش ہونے لگی۔اور کھجوروں کی بہتات ہوگئی۔تجارت کو دیانت اور امانت کی بنیادوں پر استوار کیا گیا۔جس سے ہندوستان کی معیشت کو استحکام حاصل ہوا۔

3۔ علمی اثرات: اس دور میں علوم وفنون کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔عباسی خلفا نے ہندی کتابوں کے تراجم میں دلچسپی لی، چنانچہ فلکیات کی کتابیں سدہانت، آریہ بھٹ اور کھنڈ یا کھنڈ سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئی۔ہندوستانی اعداد اور صفر لکھنے کے طریقے کو مسلمانوں نے ترقی دے کر عربی ہندسوں سے روشناس کرایا۔اس سے گنتی لکھنا آسان ہوگیا۔طب پر ہندو پنڈتوں کی کتابیں خصوصاً سشرت، چرک اور چانکیہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔سنسکرت کی کتاب پنچ تنتز کا فارسی ترجمہ کلیلہ ودمنہ اور کئی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہوئے۔نویں صدی عیسوی کے اواخر میں قرآن مجید کا سندھی میں ترجمہ ہوا۔اس سے سندھی زبان میں اسلام کی اشاعت کو فروغ حاصل ہوا۔محمود غزنوی کے دور میں غزنہ کا دربار علم وادب کا مرکز بن گیا جو رفتہ رفتہ لاہور منتقل ہوگیا۔اس کے دربار میں البیرونی، فارابی، بیہقی ارناصحی جیسے ممتاز علما موجود تھے۔لاہور میں اس کے ساتھ البیرونی، مسعود سعد سلمان جیسے علما آئے اور سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے دور میں داتا گنج بخشؒ جیسے صوفیا تشریف لائے۔

4۔ مذہبی اثرات: سندھ ملتان اور پنجاب کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی سلطنت کم وبیش پورے برصغیر میں قائم ہوگئی اسلامی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی علم وفضل اور عدل ومساوات کا دور دورہ ہوگیا۔اسلامی علوم وفنون کو بڑی ترقی ملی ور مسلمان بادشاہوں نے بڑے بڑے شہروں میں عالی شان محل، ایوان اور مساجد تعمیر کرائیں۔اسطرح برِصغیر میں فن تعمیر کا ایک نیا اور جداگانہ انداز رائج ہوا۔وسط ایشیا سے آنے والے بے شمار عالموں اور صوفیوں نے برصغیر میں اسلام کی اشاعت اور ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے ایم ایس سی ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک ایف اے آئی کام بی اے بی کام، بی ایڈ بی ایس ایم اے ایم ایڈ ایم ایس سی پی ایچ ڈی ایف اے اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

انہوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں لاکھوں انسانوں کی اصلاح کر کے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ایک طرف تو مسلمان حکمرانوں نے عادلانہ نظام حکومت قائم کر کے پرانے طبقاتی نظام اور ذات پات کی تفریق کا سلسلہ ختم کیا۔دوسری طرف صوفیا اور علماء نے عوام سے قریبی تعلق قائم کر کے ان کی ہدایت اور اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ان کی خانقاہیں اور درسگاہیں مسلمان معاشرے کی اہم تہذیبی اور تربیتی مرکز ہوا کرتی تھیں۔یہ ان بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج یہاں کی سرزمین کی آبادی کا بڑا حصہ مسلمان ہے۔انہوں نے یہاں کی معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے جو اثرات ونتائج برآمد ہوئے جیسے:
برصغیر کا بیرونی دنیا سے تعلق قائم ہوا اور باہمی تجارت کا سلسلہ شروع ہوا۔سب علاقوں میں ایک ہی طرح کا نظم و نسق قائم ہونے سے انتظامی ہم آہنگی پیدا ہوگئی۔فن تعمیر کا نیا انداز قائم ہوا اور اعلیٰ صنعتوں کو فروغ حاصل ہوا۔امن وامان کے قیام سے معاشی اور معاشرتی بہتری پیدا ہوئی۔ایک عام ملکی زبان اردو وجود میں آئی۔تصوف کی ترقی سے ایک عام رواداری اور باہمی میل جول کا رجحان پیدا ہوا۔ثقافتی ،علمی اور ادبی فضا قائم ہوئی۔تہذیب وتمدن میں ترقی ہوئی۔ہر آدمی کے لیے تعلیم عام ہوگئی۔طبقاتی تقسیم کی حوصلہ شکنی ہوئی۔

سیاسی فاتحین جن علاقوں تک گئے ،مسلمان تاجر ،علما ،صوفیا ،طلبا اور سیاح بھی ان کے پیچھے وہاں پہنچے۔چنانچہ شمالی ہندوستان اور بنگال دو اہم اسلامی مراکز بن گئے۔برصغیر ایک مرکز تلے آ کر ایک سلطنت کی صورت اختیار کرنے لگا۔رفاہِ عامہ کے کام ہونے لگے۔علم خواص کے ہاتھوں سے نکل کر مدرسوں اور خانقاہوں میں پہنچ گیا۔افواج اور سول انتظامیہ کی باقاعدہ تنظیم ہونے لگی۔دو بڑی تہذیبوں کے ٹکراؤ سے ان علاقوں کا اپنا تمدن وجود میں آنے لگا جو اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی معاشرت کا حامل تھا۔صوفیا عوام کے قریب رہ کر انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے لگے۔سیاسی اور مذہبی کوششوں سے مقامی باہمی رابطے کی زبان پیدا ہوئی جسے پہلے ہندی اور پھر بعد میں اُردو کہا جانے لگا۔عربی ،ترکی اور فارسی کے بعد اُردو میں بھی بے شمار اسلامی کتابیں لکھی گئیں۔تعمیرات میں انقلاب برپا ہوا۔مساجد اور مدرسے تعمیر ہوئے اور کھلی اور روشن تعمیرات وجود میں آنے لگیں۔

کاشان اکیڈمی
0334-5504551

سوال نمبر 5؛ مندرجہ ذیل میں سے کسی دو پر نوٹ لکھیں۔

(الف) لودھی خاندان۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

جواب۔

لودھی سلطنت ،دہلی کی آخری سلطنت ،جو 1451ء سے 1526ء تک قائم رہی۔1412ء میں سلطان ناصر الدین محمود شاہ تغلق کے انتقال کے بعد سلطنت دہلی میں کئی سال تک ہنگامے رہے اور سیدوں کا خاندان مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔لیکن 1451ء میں لاہور اور سرہند کے پٹھان صوبیدار بہلول لودھی (1451ء تا 1489ء) نے دہلی پر قبضہ کر کے ایک بار پھر مضبوط حکومت قائم کر دی جو لودھی سلطنت کہلائی۔اس نے جونپور بھی فتح کر لیا جہاں ایک آزاد حکومت قائم ہو گئی تھی۔دہلی کی یہ لودھی سلطنت اگرچہ جونپور پٹودی سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی ،لیکن دہلی کی مرکزی حکومت کے مقابلے میں بہت چھوٹی تھی۔اس کی حیثیت سب مقامی حکومتوں کی طرح صرف ایک صوبائی حکومت کی تھی-لودھی خاندان میں سب سے زیادہ شہرت بہلول کے لڑکے سکندر لودھی (1489ء تا 1517ء) کو حاصل ہے۔آگرہ کے شہر کی بنیاد اس نے ڈالی۔اس زمانے میں آگرہ کا نام سکندر آباد تھا۔شہر آباد ہو جانے کے بعد سکندر لودھی نے دہلی کی بجائے آگرہ کو دارالحکومت بنالیا۔وہ سادہ طبیعت کا حامل تھا شاہی لباس میں تکلف پسند نہ کرتا تھا۔انتظام مملکت اور رعایا کو خوشحالی کے لیے اقدامات میں مشغولیت ،جاڑے میں کپڑے اور شالوں کی تقسیم اور محتاجوں کو کھانے کی فراہمی میں خوشی محسوس کرتا تھا۔ہر چھ ماہ بعد محتاجوں اور مسکینوں کی فہرست اس کے سامنے پیش ہوتی اور وہ چھ ماہ کے لیے ان کے وظیفے جاری کرتا۔
البتہ سکندر لودھی غصے کا تیز تھا جس کی وجہ سے وہ کبھی کبھی ہندوؤں سے زیادتی کر جاتا تھا۔لیکن وہ وفادار ہندوؤں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتا تھا۔سلطان کے زمانے میں ہندوؤں نے پہلی بار فارسی پڑھنا شروع کی اور اس نے ان ہندوؤں کو سرکاری ملازمتیں دیں۔اس کے عہد میں سنسکرت کی کتابوں کا فارسی ترجمہ کیا گیا۔سکندر کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی (1517ء تا 1526ء) تخت پر بیٹھا۔انتہائی نااہل حکمران تھا۔اس کو دہلی کے قریب پانی پت کے میدان میں کابل کے مغل حکمران ظہیر الدین بابر کے ہاتھوں شکست ہوگئی اور اس طرح لودھی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور مغلیہ سلطنت کی بنیاد پڑی۔یہ فیصلہ کن جنگ پانی پت کی پہلی لڑائی کہلاتی ہے۔

سکندر لودھی۔

سکندر لودھی علم وادب کا رسیا تھا اس نے حکام کا انتخاب ذاتی قابلیت کے بنا پہ کیا لہٰذا اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لیے ہندوؤں نے فارسی زبان سیکھنا شروع کر دی۔وہ ایک قابل عقلمند اور عادل بادشاہ تھا۔صوفیا اکرام کا خاص ادب کرتا۔اپنے لیے مراتب نہ لیتا۔بادشاہ ہونے کے باوجود عام گھوڑے پہ سواری کرتا اور سادگی اختیار کرتا سخاوت اس کی عادت تھی اور متانت مزاج کا حصہ۔دہلی لودھیوں کا گڑھ رہا۔لودھی گارڈن دہلی میں مدفون ہوا۔اس کا مقبرہ اسے کے بیٹے ابراہیم لودھی نے تعمیر کروایا۔اس نے عوام کے مفاد لیے بہت سے کام کیے۔

بہلول لودھی۔

ہندوستان میں افغان لودھی سلطنت کا بانی۔سادات کی بادشاہی میں سرہند کا حاکم تھا۔اصل میں یہ افغانستان سے آئے ہوئے پٹھان قبیلہ سے تھے۔لودھی/لودی ،پشتو: لودی ،ایک بتانی پشتون (غلزئی) قبیلہ ہے جو بنیادی طور پر افغانستان اور پاکستان کے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔''لودھی'' اُن پشتون قبائل کا حصہ ہیں جنھیں مشرق میں ان علاقوں میں دھکیل دیا گیا تھا جو آج کل پاکستان کا حصہ ہیں۔لودھی اکثر اپنے بنی اسرائیلی نسل ہونے پر فخر کرتے ہیں یہ اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ایک گمشدہ

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس ،پروپوزل ،پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے ،ایم ایس سی ،ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک ،ایف اے ،آئی کام ،بی اے ،بی کام ،بی ایڈ ،بی ایس ،ایم اے ،ایم ایڈ ،ایم ایس سی کی پرانی ڈگری اے الف اساتذہ کی حل شدہ اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

قبیلہ ہے جو افغانستان میں آ کے آباد ہوئے یہاں سے لودھی سوری خلجی پٹھان کے افراد ہندوستان میں جا آباد ہوئے۔جس نے جنوبی ایشیا (ہندو و پاک) کا علاقہ فتح کیا تھا۔

ابراہیم لودھی۔

لودھی قبیلہ نے اپنے آپ کو منظم کیا اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں اس خطہ زمین (ہندستان) پر حکمران ہوئے۔ یہ بہترین لڑا کا افراد تھے۔ان کے جد قیس عبدالرشید تھے جو انہیں اس مقام تک لانے میں اہم کردار کے حامل ہیں۔پشتو زبان میں ارتقائی منازل طے کرتے کرتے یہ لفظ ''لودی'' بنا، جو در اصل ''لوئے دھا'' سے مشتق ہے، جس کے معنی بڑا شخص (اعلیٰ شخصیت) کے ہیں۔اس قبیلے کے افراد نے حیرت انگیز ترقی پائی اور سلطنتِ دہلی پر حکومت کی۔اس قبیلے کی ایک ممتاز شخصیت ''ابراہیم لودھی'' ہے (یہ دہلی کی سلطنت کا حکمران رہا ہے)۔''لودھی/لودھی خاندان'' کے افراد اپنے نام کے آخر میں ''خان'' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں جو ایک لقب ہے اور ان کی شخصیت کو امتیاز عطا کرتا ہے۔گویا ''خان لودی'' یا ''خان لودھی''، بعض اوقات صرف ''خان'' یا ''لودی/لودھی'' ہی استعمال کیا جاتا ہے۔''خان'' ایک امتیازی نام ہے جو امتیازی طور پر لکھا جاتا ہے مگر اس کے قطعی یہ مطلب نہیں کہ ''خان'' کا لفظ استعمال کرنے والا ''لودھی'' یا اس زمرے میں آتا ہو، اسی لیے ''لودھی'' کا ٹائیٹل استعمال کیا جاتا ہے جس میں ''خان'' پوشیدہ ہے اور ''لودی/لودھی'' اس میں اپنے قبیلے کی امتیازیت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بقول کچھ تاریخ دان بہلول لودھی محلّہ قاضیاں والا ملتان میں پیدا ہوئے. بہلول لودھی نے بہلیم خاندان کی بنیاد رکھی. جو بہلیم راجپوت کےطور پر جانے جاتے ہیں۔

حسن خدمت کے صلے میں لاہور اور دیپال پور کی حکومت بھی مل گئی۔ مرکز کا نظام بگڑا تو دہلی جا کر بادشاہ بن گیا۔اور لودھی خاندان کی بنیاد رکھی۔اس کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ جون پور ''سلطنت شرقی'' کے ساتھ 26 سالہ جنگ ہے۔مزید برآں بہلول نے گوالیار اور دھول پور کے کچھ علاقے فتح کیے۔واپس پر جلالی نزد علی گڑھ میں وفات پائی۔بہلول لودھی نے اپنے نام سے لودھی شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔اور آج اس کے 6000 ہزار خاندان انڈیا اور پاکستان میں موجود ہیں۔ان کے بعد ان کے بیٹے سکندر لودھی کی حکومت آئی۔ ابراہیم لودھی 1526 آخری بادشاہ تھا۔افغانی پٹھان خاندان کی گوت ہے۔سوری خلجی بھی پٹھان قبائل تھے ہندوستان پہ پٹھان یعنی افغانوں کی حکومت 1206 سے 1526 تک قائم رہی پھر مغلوں کا دور آ گیا۔

گلستان اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

(ب) دہلی سلطنت کا مرکزی نظام حکومت۔

جواب۔

سلطنت دہلی کا قیام۔ سلطان محمد غوری نے 1206ء میں گکھڑوں کے ہاتھوں سوہاوہ کے قریب دیمک کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو اس کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمود غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کا خودمختار حکمران تسلیم کرلیا۔سلطان قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی جو بابر کے حملے (1526ء) تک قائم رہی۔سلاطین دہلی خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کر کے نظام حکومت چلاتے رہے۔سلطان شمس الدین التمش، سلطان محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے قانونی جواز کے لئے عباسی خلفاء سے باقاعدہ منشور حکومت حاصل کئے۔باقی سلطان خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اور خطبات جمعہ وعیدین میں عباسی خلیفہ کا نام لے کر اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔سلاطین دہلی کے سکوں پر ایک طرف سلطان کا نام اور دوسرے طرف عباسی خلیفہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔اس طرح انہوں نے اپنی حکومت کا قانونی جواز تلاش کر لیا تھا۔

سلطان۔ سلطنت دہلی کا حکمران سلطان کہلاتا تھا۔حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور تنزل اسی کے ایماء پر ہوتا تھا۔قانونی اور اصولی طور پر سلطانخلیفہ کا نائب تھا اور اسی سے منشور حاصل کر کے وہ قانونی حکمران بنتا تھا۔جو سلاطین منشور حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔کہنے کو تو سلطان خلیفہ کا نائب تھا لیکن وہ عملی طور پر خودمختار، مطلق العنان اور وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔وہ انتظامیہ اور عدلیہ کا مختار کل ہوتا تھا۔وہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔سلطنت کے تمام ذمہ دار عہدیداروں کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔یہ تمام عہدہ دار اس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔وہ اگر چاہتا تو اپنے وزیروں اور مشیروں سے اور کبھی کبھی علماء سے مختلف امور پر مشورہ کر لیتا تھا۔لیکن ان کے مشوروں کا پابند نہ تھا۔

برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔نسلاً ترک تھے۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔جس نے ان کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر انہیں خرید لیا۔شکل وصورت قبیح ہونے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ ان کو ایبک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اور اسکی فوجیں گجرات، راجپوتانہ، گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب، گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

فتوحات۔

قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن و

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، ایم ایڈ، ایم اے، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، ایسوسی ایٹ ڈگری کی اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی اسائنمنٹس کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

امان قائم رکھنے میں گزرا۔ عالموں کا قدر دان تھا۔اور اپنی فیاضی اور دادودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کرراہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔ یہ مقبرہ وقت اور حالات کے ہاتھوں برباد ہوتا رہا. یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں یہ ایک سکھ کی ملکیت میں رہا انگریزوں کے دور میں یہ مقبرہ خستہ حالی کی منہ بولتی تصویر تھا قیام پاکستان کے بعد صدر ایوب خان کے دور میں محترم حفیظ جالندھری نے ان سے گذارش کی کہ مجاہد اسلام کے مقبرہ کی مرمت اور تزئین و آرائش کا بندوبست کروایا جائے صدر پاکستان نے ان کی درخواست قبول کی اور آج یہ مقبرہ مجاہد اسلام کی شان وشوکت سنبھالے کھڑا ہے۔نسلاً ترک تھا۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔شکل وصورت تو قبیح تھی لیکن ایک چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ اس کو ایک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اور اس کی فوجیں گجرات، راجپوتانہ، گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان محمد غوری 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب، گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

کاشان اکیڈمی

دہلی طرز حکومت۔

یہ برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے پہلی دفعہ دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ نسلاً ترک تھا۔ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا اور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔جس نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان نے کثیر رقم دے کر اسے خرید لیا۔شکل وصورت کافی عجیب ہونے کے علاوہ ایک چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔اس لیے لوگ اس کو ایک شل (خستہ انگشت) کہتے تھے۔لیکن نہایت ہی ذہین شخص تھا۔

0334-5504551

قطب الدین نے رفتہ رفتہ اپنی ذہانتوں اور صلاحیتوں کا سکہ سلطان پر بٹھا کر اس کا قرب حاصل کر لیا۔1192ء میں سلطان محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کر کے قطب الدین کو ان کا گورنر مقرر کیا۔اگلے سال سلطان نے قنوج پر چڑھائی کی۔اس جنگ میں قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور سپہ گری کا ایسا ثبوت دیا کہ سلطان نے اس کو فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی عطا کیا۔قطب الدین کا ستارہ اقبال چمکتا گیا۔اور اسکی فوجیں گجرات، راجپوتانہ، گنگا جمنا کے دوآبہ، بہار اور بنگال میں نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں۔جب سلطان شہاب الدین غوری نے 15 مارچ 1206ء کو جہلم کے قریب وفات پائی تو ایبک نے جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن وامان قائم رکھنے میں گزرا۔ عالموں کا قدردان تھا۔اور اپنی فیاضی اور دادودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے بھی مشہور رہا۔نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کرراہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔قطب الدین ایبک کی گورنری کا زمانہ فتوحات میں گزرا تھا۔تخت پر بیٹھ کر اس نے امور سلطنت پر توجہ دی۔اس کا بیشتر وقت نوزائیدہ اسلامی سلطنت میں امن وامان قائم رکھنے میں گزرا۔ عالموں کا قدردان تھا۔ اور اپنی فیاضی اور دادودہش کی وجہ سے تاریخ میں لکھ بخش کے نام سے مشہور ہے۔نومبر 1210ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کرراہی ملک عدم ہوا اور انارکلی کے ایک کوچے (ایبک روڈ) میں دفن ہوا۔

Download Free Assignments from
Solvedassignmentsaiou.com

(ج) غوری دور حکومت

جواب۔

ملتان میں سب سے پہلے صوفی یوسف گردیزی تھے۔وہ گیارھویں صدی عیسوی میں بغداد سے یہاں آ گئے تھے۔دوسرے صوفی سلطان سخی سرور بارھویں صدی میں تشریف لائے۔سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ بہاؤالدین زکریا (ملتان) بھی بارھویں صدی میں تشریف لائے۔انہوں نے فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام کئے۔نہریں اور کنویں کھدوائے اور زراعت کے لئے کھیت تیار کئے اُچ کے سید جلال ادلین میر شاہ اور سندھ کے لال شہباز قلندر ان کے مریدوں میں سے تھے۔بارھویں صدی عیسوی ہی کے اسماعیلی داعی شاہ شمس سبزواری ملتانی بھی اہمیت رکھتے ہیں۔انہوں نے سندھ اور پنجابی میں صوفیانہ کلام پیش کیا۔اگرچہ سلطان غوری علم وادب کی سرپرستی نہ کر سکا لیکن اس نے اجمیر میں بعض مدارس اور مساجد قائم کئے۔اس نے اپنے غلاموں کو بھی علوم وفنون اور جہانداری کی اتنی تعلیم دلائی تھی کہ جو ان کے بعد اس کے نام کو زندہ رکھنے اور برصغیر کی وسیع مملکت پر حکمرانی کرنے کے اہل ہوئے۔قطب ادلین ایبک، شمس الدین التمس، محمد بن بختیار خلجی، ناصرادلین قباچہ اور تاج الدین یلدوز اس کے ہی لائق فائق غلام تھے۔اگر ہم محمد بن قاسم سے لے کر قطب الدین ایبک تک کے اس دور کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ:

1۔ سیاسی فاتحین جن علاقوں تک گئے ،مسلمان تاجر، علما، صوفیا، طلبا اور سیاح بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے۔چنانچہ شمالی ہندوستان اور بنگال دو اہم اسلامی مراکز بن گئے۔

2۔ برصغیر ایک مرکز تلے آکر ایک سلطنت بننے کی صورت اختیار کرنے لگا۔

3۔ رفاہِ عامہ کے کام ہونے لگے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کلاسز کی حل شدہ اسائنمنٹس ،گیس پیپرز فری میں ہماری ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور آن لائن ایل ایم ایس کی مشقیں دستیاب ہیں۔

4۔ علم خواص کے ہاتھوں سے نکل کر مدرسوں اور خانقاہوں میں پہنچ گیا۔ 5۔ افواج اور سول انتظامیہ کی با قاعدہ تنظیم ہونے لگی۔

6۔ دو بڑی تہذیبوں کے ٹکراؤ سے ان علاقوں کا اپنا تمدن وجود میں آنے لگا جو اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی معاشرت کا حامل تھا۔

7۔ صوفیاء عوام کے قریب رہ کر انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے لگے۔

8۔ سیاسی اور مذہبی کوششوں سے مقامی باہمی رابطے کی زبان پیدا ہوئی جسے پہلے ہندی اور بعد میں اردو کہا جانے لگا۔عربی، ترکی اور فارسی کے بعد اردو میں بے شمار اسلامی کتابیں لکھیں گئیں۔

۔ تعمیرات میں انقلاب برپا ہوا۔مساجد اور مدرسے تعمیر ہوئے اور کھلی اور روشن تعمیرات وجود میں آنے لگیں۔

سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات

سلطان محمود کی طرح شہاب الدین غوری بھی عظیم فاتح قرار پایا۔وہ معزالدین غوری کے نام سے بھی مشہور ہے۔سلطان محمود غزنوی کے کوئی سے دو سال بعد یہ فاتح ایک بار پھر ان کی ہندو ریاستوں کو فاتح کرنے کے لئے نکلا جنہوں نے دہلی، اجمیر، قنوج، بندھیل کھنڈ، گجرات، مالوہ اور بنگال میں سر اُٹھا رکھا تھا۔سلطنت غوری کو غزنویوں، ملتان کے اسماعیلیوں اور ہندو راجاؤں کی شورشوں سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ سلطان محمود غزنوی کی روایت کی پیروی کی جاتی چنانچہ 1170ء میں اس نے سب سے پہلے ملتان پر حملہ کیا۔ اسماعیل اُچ کی طرف بھاگ گئے تو اگلے سال اس نے اچ پر بھی قبضہ کر لیا۔ 1179ء میں اُس نے پشاور فتح کیا اور 1181ء میں لاہور۔1184ء میں سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے پنجاب کا الحاق اپنی سلطنت کے ساتھ رکھ لیا۔خسرو ملک جو قید سے چھوٹ تھا ایک بار پھر قسمت آزمائی کے لئے میدان میں آ گیا اور لاہور پر قابض ہو گیا۔چنانچہ 1186ء میں سلطان غوری نے لاہور پر قبضہ کر کے غزنوی عہدِ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اس کے بعد سلطان کا زیادہ تر وقت راجپوتوں کے ساتھ جنگوں میں گزرا۔ چنانچہ ترائن کی دو جنگیں ہانسی بلند شہر، دہلی، کول اور قنوج کی جنگیں اہم ہیں۔ 1195ء میں غوری نے ان شہروں پر قبضہ کر لیا۔اس اثناء میں اس کے زیر نگرانی بختیار نے بہار اور بنگال (1199ء) میں قطب الدین ایبک نے دریائے سندھ اور گنگا کا وسیع علاقہ فتح کر لیا۔

گلشن اکیڈمی
0334-5504551
Download Free Assignments from

مرکز کی منتقلی

Solvedassignmentsaiou.com

1203ء میں غیاث الدین محمد غوری کا انتقال ہو گیا تو شہاب الدین معزالدین محمد غوری سلطان بن گیا۔اب شورشیں اور بغاوتیں پھر سر اُٹھانے لگیں۔پنجاب میں کھوکھروں نے فساد شروع کر دیا۔ملتان پر ایک غلام ایبک نے قبضہ کر لیا۔سلطان نے ملتان پر حملہ کر کے بغاوت فرو کر دی۔فروری 1206ء میں سلطان لاہور پہنچا اور قطب الدین ایبک کو اپنا نائب مقرر کیا۔

15 مارچ 1206ء کو واپسی کے سفر میں اسے باغی اسماعیلیوں نے شہید کر دیا۔جس وقت سلطان شہادت کے مرتبے پر فائز ہوا اُس وقت اسلام کا جھنڈا سارے شمالی ہندوستان پر لہرا رہا تھا۔اس کے بعد اس کا بھتیجا محمود غوری حکمران بنا لیکن تاج الدین یلدوز نے غزنی میں اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔تاہم برصغیر میں غوری سلطنت قائم رہی، جسے بالآخر قطب الدین نے اپنی سلطنت قرار دے دیا۔24 جون 1206ء کو لاہور میں اس کی تاج پوشی ہوئی۔اب سلطنت کا مرکز غزنہ نہیں بلکہ لاہور بن گیا۔اور یوں مرکز کی برصغیر میں منتقلی سے اسلامی مملکت کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اثرات کا جائزہ

غوری عہد جنگی فتوحات کے لحاظ سے غزنوی عہد سے ملتا جلتا ہے لیکن اُس دور میں علمی اور معاشرتی تبدیلیوں کی رفتار زیادہ نہیں رہی کیونکہ سلطان محمد غزنوی کو اس طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ملی۔البتہ یہ ضرور ہوا کہ برصغیر میں ایک اسلامی معاشرے اور سلطنت کے قیام کا جو آغاز محمد بن قاسم نے کیا تھا۔اور جسے محمود غزنوی نے تقویت دی تھی، اس عہد میں اپنے منطقی عروج کو پہنچ گئی۔اور بالآخر شمالی ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں جو اسلامی سلطنت وجود میں آئی اُس نے آگے چل کر اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کی راہیں ہموار کر دیں۔

میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم ایس سی، ایم فل تک تمام کلاسز کی داخلوں سے لیکر ڈگری کے حصول تک کی تمام معلومات مفت میں حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کریں

میٹرک، ایف اے، آئی کام، بی اے، بی کام، بی ایڈ، بی ایس، ایم اے، ایم ایس سی، ایم ایڈ اور ایم فل کی حل شدہ اسائنمنٹس ہماری ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کریں ہاتھ سے لکھی ہوئی اور ایل ایم ایس کی انفرادی اسائنمنٹس اور امتحانی مشقوں کے لیے اکیڈمی کے نمبر پر رابطہ کریں

دنیا کی تمام یونیورسٹیز کے لیے انٹرن شپ رپورٹس، پروپوزل، پراجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں رہنمائی کے لیے رابطہ کریں۔